ڈاکٹر حنیفہ رضی

عبداللہ بن مسعودؓ اور اُنؓ کی فقہ

بسعی واہتمام

محمد اسلم

اُستاد شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی

ندوۃ المصنفین

سمن آباد ○ لاہور

عبداللہ بن مسعود اور اُن کی فقہ

پی ایچ ڈی مقالہ: ڈاکٹر حنیفہ رضی صاحبہ

بسعئ واہتمام: پروفیسر محمد اسلم

(استاد شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی)

بشکریہ: مفتی امداداللہ یوسف زئی، مفتی محمد سلطان صاحب، عرشی مسجد، راولپنڈی

عبداللہ بن مسعودرضؓ اپنے ہم عصر صحابہ میں اپنی قرآن فہمی ، ادراک سنت، بلندی فکر اور اجتہاد میں ممتاز تھے - آپ کا شمار ان علمائے صحابہ میں ہوتا ہے جن کے چشمۂ علم سے ایک جہان سیراب ہوا ہے - امام اہل سنت والجماعت ابوحنیفہؒ تین واسطوں سے اور امام قرأت عاصمؒ ایک واسطے سے آپ ہی کے شاگرد ہیں - امام اعظمؒ نے اپنے مسلک کی بنیاد اکثر انہی احادیث پر رکھی ہے جو ابن مسعودرضؓ کے واسطے سے ان تک پہنچی ہیں ، اس لئے ابن مسعودرضؓ کی فقہ کا مطالعہ درحقیقت حنفی فقہ کا مطالعہ ہے - ہمارے خیال میں یہ کتاب اہل فکرونظر کے لئے غور و فکر کی بہت سی راہیں کھولے گی -

ادارہ اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں شیخ میاں محمد فاؤنڈیشن کی مالی اعانت کا مشکور ہے -

محمد اسلم

قیمت - 12.00

عبداللہ بن مسعود

اور

ان کی فقہ

ڈاکٹر حنیفہ رضی

بی ٹی ایچ (علیگ)، ایم اے (عربی)،
ایم ٹی ایچ (دینیات)، پی ایچ ڈی،

ناشر
ناظم ندوۃ المصنفین
سمن آباد، لاہور

طبع اوّل ــــــــ فروری سنہ ۱۹۷۱ء
ناشر ــــــــ منیجر ندوۃ المصنفین، لاہور
طابع ــــــــ محمد طفیل مالک نقوش پریس اردو بازار لاہور
قیمت ــــــــ ۱۲/ روپے

ــــ ملنے کا پتہ ــــ

۱. ندوۃ المصنفین، ۹۵۰، این، سمن آباد، لاہور
۲. آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور

فہرست مضامین

انتساب

میں اپنی اس تصنیف کو
اپنے والد بزرگوار
جناب مولانا فضل اللہ شاہ صاحب
کے نام
محبت اور احترام کے جذبات کے ساتھ
معنون
کرتی ہوں

عرض ناشر

علوم اسلامیہ کی خدمت خدا تعالیٰ کی بہت بڑی دین ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے وہ چاہتا ہے یہ سعادت عطا فرماتا ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات نے استاذ العلماء مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی سربراہی میں تحقیق و تصنیف کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے وہ ہم جیسے دور افتادگان کے لیے باعث صد رشک ہے۔ موصوف نے جہاں علمی کام کرنے والے جوہر قابل ڈھونڈ نکالے وہاں یونیورسٹی کے ارباب اختیار سے ایسے محققین کے لیے معقول وظائف بھی مقرر کرائے۔ مولانا کی اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ ریسرچ اسکالرز ہر طرح کے تفکرات سے بے نیاز ہو کر مفید علمی کاموں میں منہمک ہیں۔

ایسے ہی دلدادگان علم میں سے جناب اقبال حسن خان نے شیخ الہند حضرت محمود حسنؒ اسیر مالٹا کی سوانح حیات اور ان کے فضائل و کمالات پر ایک بصیرت افروز مقالہ پیش کر کے پچھلے دنوں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

اسی شعبہ کے ایک فاضل اُستاد جناب قاری رضوان اللہ صاحب نے حضرت علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ کی سوانح حیات اور ان کے علمی کمالات اور تحقیقی خصوصیات پر ایک مبسوط مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کیا۔

آج کل مولانا اکبر آبادی کی زیر نگرانی جونپور کے ایک فاضل طالب علم احسان الحق صاحب "اسلامی قانون میں عُرف کی حیثیت" پر کام کر رہے ہیں، ان کا کام اب تکمیل کے آخری مراحل میں پہنچ چکا ہے۔

اسی شعبہ کے ایک فاضل استاد جناب قاضی مظہر الدین بلگرامی کی زیر نگرانی "امام اوزاعیؒ و مذہبہ" کے موضوع پر تحقیقی کام ہو رہا ہے، جو امید ہے ہر لحاظ سے معیاری ہوگا۔

محترمہ مسز حنیفہ رضی نے مولانا اکبر آبادی کی نگرانی میں "عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ" پر ایک فاضلانہ مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ موصوفہ اب مستقل طور پر پاکستان

چلی آئی ہیں، اس لئے ندوۃ المصنفین ان کی علمی تحقیق شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

محترمہ مسز حنیفہ رضی ایک عالم فاضل باپ کی عالمہ و فاضلہ بیٹی ہیں۔ ان کے والد بزرگوار مولانا فضل اللہ شاہ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پوتے ہیں اور مدت دراز تک عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں شعبۂ علوم اسلامیہ کے سربراہ رہ چکے ہیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی ہیں اور دیوبند کے گرد و نواح میں ان کے مرید ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا موصوف کا آخری مکتوب ہمیں مکہ مکرمہ سے موصول ہوا ہے جہاں وہ مدرسہ صولتیہ میں درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ جب ہم نے "عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ" کی اشاعت پر آمادگی ظاہر کی تو مولانا فضل اللہ شاہ نے ازرہ محبت و شفقت مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔ اس کرم فرمائی کے لئے ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔

اس مقالہ کی تالیف میں محترمہ حنیفہ رضی نے تین سال تک جو محنت کی ہے اس کا صحیح اندازہ تو اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد ہی ہوگا۔ ایک شادی شدہ خاتون کا امور خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال کے بعد فاضل اوقات میں اس طرح کے ادق موضوع پر قلم اٹھانا، مختلف کتب خانوں میں جاکر مواد جمع کرنا اور اُسے ترتیب دینا بجائے خود ایک بڑا کارنامہ اور ہم ایسے سہل انگار طالب علموں کے لئے ایک تازیانہ کا حکم رکھتا ہے۔

ہمارے ملک میں جہاں اسلامی آئین تیار کرنے کی سعئ پیہم ہو رہی ہے، فقہائے اسلام کے کارناموں سے عوام کو روشناس کرانے کی ازحد ضرورت ہے۔ خود ہماری یونیورسٹیوں کو یہاں کے ریسرچ اسکالرز سے ہمارے اکابر فقہا مثلاً الشیبانیؒ، اوزاعیؒ، زفرؒ، اعمشؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، مجاہدؒ، ابن المبارکؒ، سفیان ثوریؒ، طاؤسؒ، الرازیؒ، امام خواہر زادہؒ، الجصاصؒ، امام سرخسیؒ اور صدر شہیدؒ پر کام کروانا چاہیئے۔ اس سے نہ صرف فقہ اسلامی کا ایک نایاب ذخیرہ ہمارے سامنے آئے گا بلکہ ہمارے لئے ہدایت کی بہت سی راہیں بھی کھل جائیں گی۔

وما توفیقی الا باللہ

بعونہ تعالیٰ

گذارشِ احوالِ واقعی

جو بھی ریسرچ کرتا ہے اس کا سب سے پہلا کام ایسے علمی موضوع کا انتخاب ہے جس پر اب تک کام نہ ہوا ہو۔ اگر کچھ اور فائدہ رسانی کی توقع اس ریسرچ سے ہو تو یہ ریسرچ اسکالر کی خوش بختی ہے۔

موضوع کے انتخاب کے بعد دوسری چیز جو ریسرچ کی قیمت بڑھاتی ہے موضوع کے متعلق تمام مواد کی یکجائی اور اس میں سے اپنے کام کے مواد کا انتخاب پھر انتخاب شدہ مواد کی علمی نہج پر ترتیب۔

اپنے موضوع کے متعلق تمام مواد کو یکجا کرنا اور ایک چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نہ چھوڑنا یہ ریسرچ اسکالر کا پہلا فرض ہے۔ مگر وہ باتیں کہ جس کے بغیر ریسرچ کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور تحقیق اسی وقت تحقیق کہلائے گی جب جمع شدہ مواد کو سامنے رکھنے سے جو سوالات اُٹھتے ہیں ان کو مدلل بیان کیا جائے، پھر ان کا علمی حل اس سے زیادہ قوی دلیلوں سے پیش کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق مواد جمع کیا گیا اور سوانح اور تذکرہ کے مختلف نمونے سامنے رکھ کر پورے غور و خوض کے بعد اپنی علمی استطاعت

کے مطابق بہتر ترتیب دی گئی، لیکن اب جس ترتیب سے مقالہ آپ کے سامنے پیش ہے یہ کہ مقالہ کے پانچ حصّے ہیں۔ ہر حصّہ علیحدہ علیحدہ ایک مستقل مضمون ہے اس تنوع سے مقالہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق تمام علمی باتوں اور آپ کی علمی زندگی کا جامع مواد یکجا ہو گیا۔ صحابہ میں آپ کا جو علمی مقام ہے اس کے متعین کرنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہی " صرف پورا مقالہ ایک نظر میں" اگر آپ پڑھ لیں تو آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ مقالہ انفرادیت کے امتیاز کا حامل ہے یا نہیں۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ تمام خوبیاں حضرت الاستاذ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کے ماہرانہ مشورہ کی رہینِ منت ہیں۔ اب مقالہ آپ کی اصلاح اور آپ کی ہدایتوں کا مظہر ہے۔ میں بہت بہت شکر گذار ہوں لیکن اس موقع پر اس کا اظہار صرف ادائے شکر کے لئے نہیں بلکہ انسانی فرض ادا کرنے کے لئے ہے۔ ہر سچے انسان کا فرض ہے کہ وہ بغیر توریہ، استعارہ اور کنایہ کے صاف صاف الفاظ میں امرِ واقعہ کا اعتراف کرے۔

ڈاکٹر حنیفہ رضی ایم، اے (عربی) ایم، ٹی ایچ (دینیات)
پی۔ ایچ۔ ڈی
ناظم آباد، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پورا مقالہ ایک نظر میں

مقالہ "عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ" جس علمی نہج پر مرتب کیا گیا ہے وہ نہ صرف اسلامی تاریخ میں آپ کی بلند حیثیت اور انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ علمی ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی سلاست اور موضوع کے تنوع کی وجہ سے کافی دلچسپ بھی ہے۔

یوں تو آپ کی حدیثوں کا ذخیرہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ آپ کے ہم عمر جو صحابہؓ ہیں اُن میں سے کسی کی حدیثوں کا اتنا ذخیرہ نہ صحاح ستہ میں ہے، نہ حدیث کی دوسری کتابوں میں۔ بخاری[1]، مسلم[2]، ابوداؤد[3]، نسائی[4]، ترمذی[5]، ابن ماجہ[6]، موطا[7] امام مالک مسند امام احمد بن حنبل[8]، مسند دارمی[9]، امام بخاری کی الادب المفرد[10]، خطیب تبریزی کی مشکوٰۃ[11] المصابیح، سنن دار قطنی[12]، مستدرک حاکم کی چار[13] جلدیں، السنن الکبریٰ بیہقی کی دس جلدیں[14]، مجمع الزوائد کی دس جلدیں[15]، فتح الباری[16] حافظ ابن حجر کی ۱۳ جلدیں۔ نصب[17] الرایہ کی چار جلدیں، درایہ ابن[18] حجر عسقلانی، تخریج[19] الکشاف ابن حجر عسقلانی

سے جو حدیثیں جمع کی گئی ہیں وہ اس کی شہادت اور اس کا ثبوت ہیں[1]۔

صرف صحاح ستہ کی حدیثوں کو طرز[2] ذیل پر مرتب کیا گیا ہے۔

(۱) وہ حدیثیں جو صحاح کی ان چھ کتابوں میں سے ہر ایک کتاب میں ہیں۔ ان کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔

(۲) وہ حدیثیں جو ان چھ کتابوں میں سے صرف پانچ میں ہیں یہ چھ قسم کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ جمع کی گئی ہیں۔

(۳) اسی طریقہ سے ان چھ کتابوں میں سے صرف چار میں ہیں یہ پندرہ علیحدہ علیحدہ جمع کی گئی ہیں۔

(۴) پھر ان چھ میں سے جو صرف تین میں ہیں ان کو بیس جگہ جمع کیا گیا ہے۔

(۵) ان چھ میں سے جو صرف دو میں ہیں ان کو پندرہ جگہ جمع کیا گیا ہے۔

(۶) ان چھ میں سے صرف ایک میں ہیں ان کو چھ جگہ جمع کیا گیا ہے۔

اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کی ان حدیثوں کو جو صحاح ستہ میں سے کسی میں نہیں ہیں صرف ایک جگہ جمع کیا جائے تو چونسٹھویں قسم ان حدیثوں کی ہو جائے گی اور ان

---

[1] علامہ طحاوی کی شرح معانی الآثار سے بھی حدیثیں جمع کی گئی ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی حدیث نہ ملی جو ان کتابوں میں آنہ گئی ہو۔ اس لئے ان کو شمار نہیں کیا گیا۔ بعض کتابوں سے بھی حدیثیں جمع کی گئی ہیں مگر کام کو اس قدر وسیع کر دیا کہ اگر یونیورسٹی کی طرف سے اس پر مجھ کو متعین کیا جائے تو اس کا سمیٹنا دشوار ہو مناسب نہیں اس لئے ان کا ذکر حذف کر دیا گیا۔ کنوز الحقائق فردوس دیلمی کی حدیثیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بلند حیثیت کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے جمع نہیں کی گئیں۔ کنز العمال کی پایہ کی حدیثیں کتب بالا میں آگئیں۔ جو ان کتابوں میں نہیں ان کو پیش کرنا کچھ دل کو نہیں بھاتا۔

[2] صحاح ستہ کی حدیثوں کو ۶۳ قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

سب قسموں سے بڑی ہونے کی توقع ہے۔ مشترک اور غیر مشترک حدیثوں کی تعداد ان سب کتابوں کی علیحدہ علیحدہ نہیں کی گئی۔ ان سب کتابوں کی مشترک و غیر مشترک حدیثوں کو علیحدہ علیحدہ چن لیا جائے اور ان کو نفع بخش ترتیبوں سے مرتب کر دیا جائے۔ تو اس کی فائدہ رسانی بہت بڑھ جائے گی یہ موضوع بھی اس کا مستحق ہے کہ اس کو ایک مستقل ریسرچ کا موضوع بنایا جائے۔ اس مقالہ کے پانچ حصوں میں سب سے اہم حصہ آپ کی فقہ کا ہے۔ آپ کو اپنے ہم عصر صحابہؓ میں فقہی اور اجتہادی مسائل میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس لئے ہم نے حدیثیں جمع کرنے کی بجائے آپ کی فقہ کو ریسرچ کا موضوع قرار دیا ہے۔ پس منظر میں آپ کے ذاتی حالات پیش کرنے ضروری تھے اس لئے ان کے سوانح کو مقدم رکھا۔ اس کے بعد تین حصوں سے آپ کی علمی دقعت پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کو اگر مقالہ کا جزنہ بنایا جاتا تو یہ مقالہ تشنہ رہ جاتا۔ پانچویں حصے میں آپ کی فقہ جمع کی گئی ہے۔ ہر حصہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے کسی نہ کسی علمی نوعیت کے حالات یا علمی افادات (مثلاً آپ کے خطبے اور اقوال اور آپ کے مسائل اور فتاویٰ) پیش کئے گئے ہیں جن میں کسی کو علیحدہ پڑھیں تو وہ مستقل مضمون معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے ساتھ والا حصہ بھی پڑھیں تو بھی بے ربطی محسوس نہ کریں گے۔ یہاں اجمالی کیفیت کے ساتھ چند باتوں کی طرف خاص طور پر آپ حضرات کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ جو اس سے پہلے اس مقالہ ہی کے ذریعہ مرتب شکل میں مدلل طریقہ سے منصۂ شہود پہ آ رہی ہیں۔ امید ہے کہ اس مقالہ کے مندرجہ ذیل اٹھارہ امتیازات اہل علم حضرات میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

پہلا حصہ

اس میں آپ کے ذاتی حالات ہیں، ان میں آپ کا اسلام میں درجہ اور آپ کے

ایمان کی قوت کا پتہ تو چلتا ہی ہے مگر،

(۱) قرآن وسنت کا وہ طرزِ تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے لئے اختیار کیا تھا جس سے صحابہؓ میں بے پناہ یقینِ آخرت پیدا ہوتا تھا اور اس یقین کے نتیجے میں صحابہؓ کے دلوں میں خیرِ آخرت کی تمنائیں اُمنڈتی رہتی تھیں۔ اس جذبہ کی عکاسی آپ اس مقالہ میں پائیں گے۔ صحابہؓ کی یہ خصوصیت وہ تھی جو کثرت سے صحابہؓ میں پائی جاتی تھی۔ صحابہؓ کی سیرت وحالات کی کتابوں میں اس کے اُجاگر کرنے کی طرف توجہ بہت کم کی گئی ہے۔ اس مقالہ میں اس اہم بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔

خیرِ آخرت کی طلب میں آپ کی مسلسل جدوجہد، آپ کا ذوقِ علم، علم کی طلب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر وقت حاضری، پھر آپ کی بے مثل اور بے نظیر خدمت پر روشنی پڑتی ہے اور حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ میں آپ کی جاں نثاری اور آپ پر فدا ہو جانے کی جو امنگیں آپ کے دل میں اُبھرتی تھیں اور اس کے حاصل کرنے میں جو شوقِ جہاد پیدا ہوتا تھا ان تمام باتوں کا نقشہ اس مقالہ میں آپ کو ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے ان کی قدر افزائی فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بہترین قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ حسنِ صوت کی نعمت سے بھی آپ کو نوازا تھا۔ ایک شب آپ تہجد میں قرآن پڑھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک کھڑے ہوئے آپ کا قرآن پڑھنا سنتے رہے پھر آپ نے فرمایا "مانگو جو تم مانگنا چاہتے ہو" یہ بار بار ارشاد ہوا۔ اس کے بعد جو دُعا آپ نے مانگی ہے وہ آپ کی عالی حوصلگی، دنیا سے بے پرواہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیفتگی اور بلند فراست کی یقینی شہادت ہے۔

دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا
لَا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَ
مُرَافَقَةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلٰی دَرَجَةِ الْجَنَّةِ
جَنَّةِ الْخُلْدِ

اے اللہ! ایمان کی وہ دولت مانگتا
ہوں جو مجھ سے واپس نہ لی جائے وہ
نعمت مانگتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور
جنت الخلد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی رفاقت کا خواستگار ہوں۔

جس طرح اس زندگی میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کے لئے دور نہ ہوئے اسی طریقے سے جنت میں بھی جس نعمت کی طلب آپ نے کی وہ قربِ صحبت نبویؐ کی نعمت ہی تھی۔

(۲) کسی صحابیؓ نے کب اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے میں کون کس سے پہلے اور کون کس کے بعد ہے یہ مفصل بحث صرف اسی مقالے میں پیش کی جا رہی ہے اور "عہدِ نبوی" کا ہر وہ واقعہ جس سے حضرت عبد اللہؓ کا لگاؤ رہا ہو انشاء اللہ آپ کو اس مقالہ میں ضرور ملے گا۔

(۳) اظہارِ حق میں بیباکی

اس عنوان میں یہ واقعہ آپ کو ملے گا کہ ایک دن جماعت کی نماز کے وقت کوفہ کا گورنر نہیں آیا تو آپ نے نماز پڑھا دی۔ گورنر ناراض ہوا اور آپ پر اعتراض کیا مگر آپ نے بالکل پروا نہ کی بلکہ اس کی بے پروائی پر اس کو تنبیہ کی۔ اس سلسلے میں مخالفتِ امیر کا الزام آپ پر قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ فرمایا تھا کہ آئندہ ایسے حاکموں سے تم کو واسطہ پڑے گا جو نماز میں بہت دیر کرنے کی بدعت شروع کریں گے اس وقت حضرت عبد اللہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اگر مجھے ایسے حاکموں سے واسطہ پڑے تو کیا کروں اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے ابن مسعودؓ تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا کروگے؟

تسألني ابن ام عبد كيف تصنع؟ لاطاعة لمن عصى الله

(جو اللہ کا نافرمان ہے اس کی اطاعت کی ذمہ داری نہیں) السنن الکبریٰ ج۲ ص۲۶-۱۲۷

(۴) عہدِ عثمانیؓ میں اظہارِ حق اور اطاعت امیر میں آپ دیکھیں گے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے عملی اور علمی اور دینی ذمہ داری ادا کرنے میں کیسا توازن باقی رکھا اور اس دور کے فتنہ کے لاوے کو ابلنے سے روکنے میں آپ کی عملی سعی کا کیا انوکھا طرز رہا یہ آپ کا کمال ہے کہ علم کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے بھی فتنہ سے اپنے آپ کو دور رکھا۔

(۵) حضرت عثمانؓ پر یہ الزام کہ آپ کی تنخواہ بند کر دی تھی کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس مقالہ میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خود ہی وظیفہ لینا چھوڑ دیا تھا۔ دوسرا سوال اس سلسلے میں یہ ہو سکتا ہے کہ خود ہی وظیفہ لینا چھوڑ دیا تو حضرت عثمانؓ کو اصرار کرنا چاہیئے تھا کہ اہل بدر کا جو حق ہے وہ تو آپ لے ہی لیں لیکن اس اصرار کی ذمہ داری حضرت عثمانؓ پر نہیں عائد ہوتی کیونکہ کوفہ کا خزانہ جب آپ کے سپرد تھا تو ایک دن صبح صبح آپ نے اعلان کیا کہ لاکھ سوا لاکھ درہم خزانہ میں سے کم ہیں۔ ایک طرف تو یہ واقعہ اور دوسری طرف خود اپنے حق سے دستبرداری ایسی باتیں تھیں کہ جب تک تحقیقات سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بے قصوری ثابت نہ کر دی جاتی اس وقت تک حضرت عثمانؓ کا تنخواہ لینے پر اصرار اپنے دوست کی جنبہ داری قرار پاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ اور آپ کے حالات بیان کرنے میں اہل تاریخ نے ایک سے زیادہ موقعوں پر واقعات ایسے انداز سے پیش کئے ہیں کہ ان سے حضرت عثمانؓ کی سیاست بلکہ دیانت داری پر بھی حرف آتا ہے۔ اور خود آپ کی شخصیت بھی بے داغ نہیں رہتی۔

اس مقالہ میں ان گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے کہ اگر ان پر نظر رکھی جائے تو نہ حضرت عثمان غنیؓ کی شخصیت موردِ الزام رہتی ہے اور نہ آپ کی ذات پر کوئی حرف آتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اور ابو عبیدہؒ کی آپ سے روایتیں متصل ہیں یا نہیں فنِ حدیث میں اس تنقیح کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کا جو فیصلہ کیا گیا ہے گو وہ بڑے مورخین کے قول کے خلاف ہے مگر اصولِ حدیث کے فن کے قواعد پیش نظر رہیں تو وہ واجب التسلیم و ناقابلِ انکار ہے۔

دوسرا حصہ

دوسرے حصہ میں آپ کی علمی فضیلت اور علمی خدمتوں کا تذکرہ ہے۔ علم حاصل کرنے اور علم کی اشاعت میں (درس قرآن اور تعلیم حدیث و فقہ) میں آپ کی جو جد و جہد رہی اس پر تفصیلی بحث ہے ہر زمانہ کے علماء میں آپ کا کیا وقار رہا۔ صحابہ کبارؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہم آپ کو کس نظر سے دیکھتے تھے؟ آپ کے تفقہ اور اجتہاد کے بارے میں ان سب کا کیا فیصلہ تھا؟ اور آپ کے شاگردوں میں آپ کی کیا قدر و منزلت تھی۔

بعد کے ائمہ اور علماء نے آپ کو کس درجہ کا مقتدا مانا ہے، تفقہ میں کس درجہ پر رکھا ہے۔ اس کا بھی تذکرہ ہے آپ کے ان شاگردوں کے نام بھی آپ کو اس حصہ میں ملیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ و حدیث میں اپنے اپنے زمانے کی امامت کا درجہ عطا کیا اور وہ امت کے پیشوا قرار پائے۔

(۷) جس طرح آپ علماء صحابہؓ میں ایک امتیاز رکھتے تھے اسی طرح آپ کے شاگرد

آپ کے معاصر صحابہؓ کے شاگردوں میں ایک امتیاز رکھتے تھے، پھر جب یہ واقعات ہیں اور پکے ثبوت کے ساتھ تو پھر آپ کی شخصیت ریسرچ کے لئے بالکل موزوں اور صحیح مستحق قرار پاتی ہے۔

(۸) اگر دنیا کے تمام مسلمانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان میں سے دو تہائی سے زیادہ حصہ امت کا ہمیشہ وہی رہا ہے جو دینی علوم اور احکام میں آپ کے اور آپ کے شاگردوں کا خوشہ چیں اور متبع رہا ہے پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔

اس میں آپ کو وہ واقعہ بھی ملے گا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تقریر فرمائی تھی، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو تقریر کا حکم دیا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے امتثال حکم میں تقریر کی مگر اتنا ادب ملحوظ رکھا کہ آپ کی تقریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے برابر نہ ہو بلکہ کچھ کم ہی ہو پھر حضرت عمر رضؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کا حکم دیا تو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہ ادب ملحوظ رکھا کہ ان کی تقریر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے بھی مختصر ہو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضؓ کو تقریر کرنے کا حکم دیا تو آپ نے تینوں مقدس ہستیوں کا ادب ملحوظ رکھا۔ ان سب سے مختصر تقریر کی اور اس قدر جامع کی کہ بڑی خوبصورتی سے اس میں اسلام کی تعلیم آگئی جس سے حضورؐ بہت خوش ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ آپ اپنے رفقاء صحابہ کا بھی کس قدر احترام فرماتے تھے۔ اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اور اسی حصہ میں شرک و بدعت کی مماثلت پر بالکل نئے انداز میں بحث ہے۔ حدیث میں بدعت کا وہی انجام بتلایا گیا ہے جو قرآن میں شرک کا انجام ہے۔ نتیجہ میں مماثلت کیوں ہے۔ اس نکتہ پر کسی کی نظر پہنچی ہو، بڑی تلاش

کے بعد بھی اس کا پتہ نہیں چلا۔ سب سے پہلے اس مقالہ میں یہ بات پیش کی جاری ہے کہ شرک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے مغایر اور ضد ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کے دائرے میں کیا کیا باتیں داخل ہیں جن میں دخل اندازی کی امت کو اجازت نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے اور کون کونسی باتیں اس دائرہ حدود سے خارج ہیں جن میں ہم کو آزادی ہے کہ جو نفع بخش رائے اصولِ اسلام کے مطابق ہو ہم اختیار کریں۔ ان حدود میں سے ایک سے بھی ناواقفیت یا تو دین کی کسی نعمت سے ہمیں محروم کر دے گی یا بدعت کا شکار۔ اسی طرح بدعت اور شرک اپنی حقیقت اور نتیجہ دونوں کے اعتبار سے ایک دوسرے کی مماثل ہیں بدعت کے گرفتار کی بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی پیش کردہ شریعت کی صحیح قدردانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت محی الدین اکبر ابن عربیؒ نے بالکل صحیح لکھا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وبعد ثبوت الكمال لا يقبل الزيادة وان الزيادة فی الدين نقص له فی الدين وذالك هو الشرع الذی لم يأذن به الله۔

(کمال دین اتمام نعمت کے بعد زیادتی ناممکن ہے۔ دین میں اضافہ دین میں کمی بیوت کا نام ہے۔ اور یہ وہ راہ ہے جس پر چلنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی ہے۔)

کسی جائز کام میں کتنی من مانی شریک کر کے اس مشروع عمل کو بدعت بنا دیا جاتا ہے ان کی صرف دو ایک مثالوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تمام بدعات کو گنایا نہیں گیا ہے۔ مقالہ میں شرک و بدعت کی حقیقت پر صرف علمی بحث ہے۔

عبداللہ بن مسعود نے قرآن و سُنّت کی روشنی میں جو فیصلے کئے ہیں صرف ان کو پیش نظر رکھ کر بحث کی گئی ہے۔ اس سے آپ کی علمی وسعت کا اندازہ کیجئے کہ حقیقت رسی میں بالکل تشنگی نہ پایئے گا۔

تیسرا حصّہ

تیسرے حصّے میں آپ کے اقوال و خطبے ہیں۔

عربی میں صرف حلیۃ الاولیاء اور اس کے خلاصوں میں صحابہؓ کے اقوال پیش کرنے کا اہتمام ملتا ہے۔ اُردو میں سیرت صحابہ کی جو کتابیں اشاعت پذیر ہوئی ہیں ان میں بطور نمونہ چند اقوال ملیں گے۔ سب سے پہلے اس مقالہ میں علمی بلکہ تعلیمی یہ اہتمام نظر آئے گا۔ آپ کی نصیحتوں اور ملفوظات کو پیش کیا گیا ہے ان سے درس و ہدایت تو مقصود ہے ہی اس کے ساتھ اس اہم امر کی طرف بھی توجہ مبذول رہے کہ صحابہؓ کے ملفوظات اور تیسری، چوتھی صدی کے بعد کے بزرگوں کے ملفوظات میں کیا فرق ہے۔ صحابہ کے افکار و خیالات نے جن اعمال کو جنم دیا تھا اس سے اُمّتِ مسلمہ تمام اقوامِ عالم میں ممتاز رہی اور عالم میں امن کی فضا قائم ہوئی۔ سب تک آخرت کا یقین اور اس یقین کی بنا پر صحابہ کے عمل ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اُمت ترقی کرتی رہی۔ ان دونوں زمانوں کے افکار و خیالات کے فرق کا کیا اثر امت کے اعمال پر ہوا۔ اور امت اس تبدیلی سے زوال کے رُخ پر پہنچ گئی۔ اس حصّے کے ابتدائی صفحات میں آپ کے کلام کی خوبیاں اور اس کی اہمیت کا بیان ہے، ان اقوال اور خطبوں کے پیش کردہ حصوں سے نہ صرف آپ کی فصاحت و بلاغت، قدرتِ کلام اور فہم و فراست پر روشنی پڑتی ہے بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی سے جو تمنائیں اور آرزوئیں آپ کے

دل و دماغ میں جاگزیں ہوگئی تھیں ان کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کی صحبت سے آپ میں خیر و آخرت کی وہ تڑپ پیدا ہوگئی تھی کہ جس سے دنیا کی سربلندیوں کو اس کی طلب میں قربان کرنا آپ کے لیے بڑا آسان ہوگیا تھا۔ آپ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خو بو اس قدر بس گئی تھی کہ آپ کے اقوال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا دھوکا ہوتا ہے۔

چوتھا حصّہ

(۱۲) چوتھے حصّے میں پہلے ان وجوہ اور اسباب کا ذکر کیا گیا ہے کہ جس میں ایک ہی مسئلے کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف حدیثوں کی روایتیں ہیں؟ پھر اس اصولی مسئلہ پر بحث ہے کہ حدیث کے قوی اور ضعیف ہونے کا دارومدار روایت کے قوی و ضعیف ہونے کے جو اصول ہیں ان کی مطابقت اور راویوں کے حالات پر ہے یا خاص خاص کتابوں میں ان روایتوں کے پائے جانے پر اور ان میں درج ہونے پر کیا ان اصولوں سے قطع نظر کر کے صرف خاص خاص محدثین کے فیصلوں کے آگے سپر ڈال دی جائے اور ان کی تقلید جامد کی جائے؟ حدیث پر فنی نقطۂ نظر سے کام کرنے والے حضرات اس تنقیح کی اہمیت سے واقف ہیں۔ حدیث کے اصول و قوانین جس فیصلے کے متقاضی ہیں وہی مستحکم فیصلہ پیش کیا گیا ہے۔ مگر ہر قسم کی گروہی عصبیت سے خالی الذہن اور شخصیت پرستی سے بالاتر ہو کر جب تک یہ اصول ذہن میں رکھ کر ہم غور نہ کریں تو مقالہ میں پیش کردہ فیصلہ خاص عصبیت والے گروہ پر سخت گراں گذرے گا۔

یہ اصولی بحث بطور پس منظر کے ہے۔ اس حصّے میں تیسری صدی کے ایک

عالم حافظ ابوبکر بن اسحاق بن ایوب نیشاپوری کے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر جو چھ اعتراضات ہیں ان کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلے ان چھ اعتراضات کی تنقیح کی گئی ہے پھر اس پر گفتگو کی گئی ہے کہ ان میں سے کس کس اعتراض کی نسبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف صحیح ہے اور کس اعتراض کو آپ کے ذمہ لگانا صحیح نہیں ہے۔ اس بحث سے یہ بات آئینہ ہو گئی کہ ان میں کئی باتیں ایسی ہیں کہ ان کو اعتراض کہنا ہی صحیح نہیں ہے۔ ان دو لزلی تنقیحوں سے اعتراضات کی تعداد آدھی رہ گئی۔ اعتراضات پڑھنے کے بعد جوابات آپ پڑھیں تو ان کا وزن معلوم ہو جاتا ہے۔ قوی پہلو سامنے آجاتا ہے۔

(۱۳) جوابات کے طرز سے پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا نقطہ نظر قابل قبول ہے یا علامہ نیشاپوری کے شبہ میں جان ہے۔

(۱۴) معوذتین کے سلسلے میں قرآن کے تواتر اور مصحف ابن مسعودؓ پر مفصل بحث ہے۔

پانچواں حصّہ

اس حصّے میں آپ کے فقہی مسائل اور فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں جو بلا شبہ آپ کے امتیازی علم کا خزانہ ہیں۔ آپ کے بیان کردہ مسائل آپ کی وسیع دسترس اور دقتِ نظر کی زبردست شہادت ہیں۔ صرف حنفی فقہ کی کتابوں سے یہ مسائل و فتاویٰ جمع نہیں کئے گئے ہیں بلکہ شافعی محدثین کی بڑی سے بڑی کتابوں سے اور ایسے ہی حنبلی فقہاء و محدثین کی بڑی بڑی کتابوں سے بھی ان مسائل و فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کو سامنے رکھ کر مواد جمع کیا گیا ہے۔ نقل در نقل کی شکل نہیں آنے دی گئی۔

حنفی مکتبِ خیال کی کتابوں کے علاوہ دوسرے مکاتبِ خیال کی قابلِ اعتماد کتابوں سے استفادہ میں یہ بات پیشِ نظر رہی ہے کہ کوئی مسئلہ صرف حنفی کتابوں میں حضرت کی طرف منسوب ہوا اور دوسرے مکتبِ خیال کے علماء اس کو تسلیم نہ کرتے ہوں تو اس کی تنقیح ہو جائے۔

(۱۵) اس حصّہ کے دیباچہ میں سب کتابوں کے نام اور تعداد کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسی حصّے میں پہلے فقہ کی حقیقت اور ضرورت کا مختصر بیان ہے جو حضرات قیاس و اجتہاد کو صرف انسانی ذہن کی نکتہ آفرینی اور سخن طرازی باور کرتے ہیں ان کا اعتراض ہے کہ قرآن کے تِبیانًا لِکُلِّ شَیْءٍ اور حسبنا کتاب اللہ کے بعد خود حدیث کی ضرورت محلِ بحث بن جاتی ہے اور اگر حدیث و سنت کا منصب توضیحِ احکامِ قرآن و تبیینِ آیاتِ الٰہی تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی فقہ کا علومِ دینیہ میں شمار کرنے کا حکم دیا ہے۔ بڑے بڑے صحابہؓ بھی دین میں رائے سے حکم لگانے سے بچتے نظر آتے ہیں اور فقہ کا بڑا ذخیرہ اسی قیاس و اجتہاد کا مرہونِ منت ہے تو فقہ کا دینی علوم میں شمار کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے کہ قیاس و اجتہاد صرف خیال آرائی اور شخصی اُپج کے اظہار کا نام نہیں ہے بلکہ رُوحِ شریعت کو سامنے رکھ کر قرآن و سنت کے وسیع ذخیرے سے خاص دینی اصول کی پابندی میں بالغ نظری سے کام لے کر دور رس نتائج ضرورت کے وقت اُمّت کے سامنے پیش کرنا ہیں تاکہ امت معرکہ آراء مسائل میں کسی وقت بھی دین کی رہنمائی سے محروم نہ رہے۔ تفصیل فقہ ابن مسعودؓ کے پیش لفظ میں ملاحظہ کیجئے۔

آپ کے اقوال اور فتاویٰ کو بہت سے صحابہؓ اور ائمہ و فقہاء کی موافقت و تائید حاصل ہے۔ یہ حصّہ زیادہ ضخیم نہ ہو جائے اس لئے ان موافقتوں اور

تائیدات کا استیعاب نہیں کیا گیا۔ سابقین اولین صحابہ کرامؓ میں اتنے فتوے اور فقہی اقوال کسی اور صحابی کے نہ ملیں گے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ کے انتقال کے بعد مدت تک زندہ رہے۔ اس طرح قدرتی طور پر حضرت علیؓ کے فتووں کا ذخیرہ زیادہ ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر آپ سے زیادہ محبت کے دعویدار فرقہ نے انہیں مستند نہ رہنے دیا۔ ضرورت ہے کہ آپ کے مستند فتاویٰ بھی معتمد ذرائع سے جمع کر دیئے جائیں۔

صحابہ کے فتاویٰ اور فقہی مسائل سے فقہ کس طرح وجود میں آئی اور اس میں ابن مسعودؓ کے شاگردوں کا کتنا حصہ ہے یہ بحث آپ کے دور کے بعد والے عہد کی ہے۔ اس لیے یہاں اٹھانی مناسب نہیں سمجھی گئی۔

اس دیباچہ میں (۱۷) حدیث ثقلین۔ اور (۱۸) حضرت معاذؓ کی اجازت اجتہاد والی حدیثوں پر جو بحثیں ہیں ان سے ان کے استناد کا درجہ متعین ہوتا ہے ان حدیثوں کے مختلف مباحث پر جو جامع و غائر نظر ڈالی گئی ہے ان سے فیصلوں پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے علماء سے ان کے قدر افزائی کی توقع ہے۔

الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عبد الرحمن القیم حق

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام و نسب

آپ کا نام عبداللہؓ ہے۔ والد کا نام مسعود تھا۔ اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تیم بن سعد بن ہذیلؓ ابن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

۱؎ اسلام کی اشاعت سے پہلے (۲۲۰) اشخاص کا نام عبداللہ تھا اور سب کے سب مشرف باسلام ہو کر صحبت نبوی کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ان ہی میں ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو شہرت حاصل ہوئی (۲۲۳) اصابہ طبع قدیم ج۱ ص (۴۶۲)

۲؎ سیر اعلام النبلاء للعلامۃ الذہبی ص ۳۴۱ ابن سعد البدریین من المہاجرین ص ۱۰۶، استدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۱۲۔

۳؎ عرب میں عزت کا بڑا ذریعہ شعر و شاعری تھا قبیلہ کا بڑا ادیب ہوا کرتا تھا جو شاعر ہوتا تھا آپ کے قبیلہ ہذیل میں بہت سے شاعر گزرے ہیں آپ کے قبیلے کے شعراء کے اشعار کو ایک جگہ جمع بھی کیا گیا ہے۔ ان کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ درس و تدریس میں پڑھا جاتا تھا چنانچہ اصمعی اتنے بڑے لغوی و ادیب نے امام شافعیؒ سے اشعار الہذلیین کا درس لیا (ابن خلکان تذکرہ امام شافعی) ان اشعار کی قدیم ادباء نے اہتمام سے شرح بھی لکھی ہے۔ شرح اشعار الہذلیین میں آپ کے قبیلے کے ۹۱ شعراء کے ۲۸۰ قصیدے جمع کئے گئے ہیں۔ ادیب ابو سعید حسن ابن حسن العسکری نے اشعار الہذلیین کے نام سے جو شرح لکھی ہے اس کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کا ایک انگریزی ترجمہ بھی ہماری نظر سے گزرا ہے جو ۱۸۵۴ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ بغداد میں احمد ناجی خدیجہ عبدالرزاق نے اس کا تکملہ تیار کیا اس کا نام ہے التمام فی تفسیر اشعار ہذیل مما اغفلہ ابو سعید السکری۔ عرب کا مشہور قبیلہ بنو لحیان بھی قبیلہ بنی ہذیل ہی کی شاخ ہے۔ اس لئے آپ کا قبیلہ معزز قبائل میں شمار ہوتا ہے۔

والدہ کا نام

ام عبد ؓ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام عبد بنت عبد ود بن سواء بن قریم بن صاہلہ بن کاہل۔ اس شجرہ نسب سے ظاہر ہے کہ پانچویں پشت میں حضرت عبد اللہ کی والدہ کا خاندانی سلسلہ ان کے والد مسعود سے جا ملتا ہے بعض لوگوں کو حضرت عبد اللہ ؓ کی والدہ ام عبد کے ننھیالی شجرہ نسب سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ ان کی والدہ بنو زہرہ سے تھیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت عبد اللہ ؓ کے والدین ایک ہی خاندان کی دو مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسعود کے والد غافل جاہلیت (اسلام کے پہلے زمانے میں) اپنی ساس کے باپ عبد ابن الحارث بن زہرہ کے حلیف[1] بنے اور مکہ میں سکونت اختیار کر لی اور حضرت عبد اللہ ؓ کی نانی یعنی مسعود بن غافل کی ساس بنو زہرہ سے تھیں۔ اس طرح آپ کے والدین اور آپ کی سکونت مکہ میں ہو گئی۔ ام عبد کی ماں ہندہ بنت عبد ابن الحارث بن زہرہ[2] بن کلاب تھیں۔ لوگوں نے حارث بن تیم اور حارث بن زہرہ میں کوئی تمیز نہیں کی اور ام عبد کو بنو زہرہ میں شمار کر لیا یا ان کی ماں چونکہ بنو زہرہ سے تھیں اس لئے دھوکہ ہوا اور خود ان کو بنو زہرہ سے کہدیا۔

آپ کے والد کا انتقال اسلام سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔[3] البتہ آپ کی والدہ ایمان لائیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات کی بڑی خدمت گزار تھیں[4]، طبری[5] اور ابن عبد البر استیعاب میں روایت کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ طبری طبع لیبپ ص ۲۲۷۱ و طبقات ابن سعد جلد ۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۱۲۔
[2] طبقات الکبریٰ ابن سعد ص ۱۰۶ ق اول ج ۳ [3] فتح الباری جلد ۷ ص ۷۰ مناقب عبد اللہ [4] ترمذی بخاری۔ [5] طبری طبع یورپ استیعاب حال ام عبد۔

وروت انھا باتت عندھم لیلۃ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأتہ قنت فی الوتر قبل الرکوع[1]	انھوں نے روایت کی ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں گذاری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ رکوع سے پہلے آپ نے وتر میں دعائے قنوت پڑھی۔

۳۔ آپ کے قبیلے کے اور مسلمان

آپ کے قبیلے کے آپ کے بھائی عتبہ کے علاوہ سات صحابی اور ہیں۔

(۱) اسامۃ الہذلی والد ابی الملیح الہذلی حنین کے موقعہ پہ بارش ہونے پہ آپ نے فرمایا تھا "صلوا فی رحالکم" اس واقعہ کو آپ ہی نے روایت کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا ہے۔ اسی وقت اونٹ نے ٹھوکر کھائی تو بے ساختہ انھوں نے کہا تعس الشیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی لغزش کے موقعہ پہ بد دعا کے طور پہ بھی شیطان کا نام نہ لو بلکہ بسم اللہ کہو (۲) ابو الملیح الہذلی۔ ابو الملیح کا نام عامر بن اسامہ ہے بصرہ میں آکر سکونت اختیار کی۔ "صلوا فی رحالکم" ان ہی کی روایت کردہ حدیث ہے۔ (۳) سلمہ بن المحبق الہذلی جون بن قتادہ نے ان سے روایت کی ہے ان کے والد کا نام صخر ہے محبق فال نیک کے طور پر اس کو کہتے تھے جو اپنے دشمن کا ایسا پیچھا کرنے والا ہو کہ ڈر سے دشمن کی بھاگتے بھاگتے بے اختیار ہوا سرکنے لگے۔ "انہ یضرط" عہد رسالت میں حنین میں شریک رہے میدان جنگ میں ان کے صاحبزادے سنان کی پیدائش کی خوشخبری سنائی گئی تو فرمایا۔ بسہم اللہ رمیۃ فی سبیل اللہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الیّ مما بشرتمونی بہ (اصابہ) پھر مدائن میں بھی شریک رہے (۴) ابو سنان

---

[1] ترمذی کتاب العلل میں ہے روی سفیان الثوری عن ابان بن ابی عیاش قال عبد اللہ بن مسعود اخبرتنی امی انھا باتت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت فی وترہ قبل الرکوع ص ۲۳۶ ج ۲ طبع مجتبائی ۱۳۱۵ھ

بن عبد اللہ الہذلیؓ (۵) معقل بن خویلد بن واثلہ بن عمرو بن عبد یالیل الہذلی (اصابہ)
(۶) ابو عزہ بن یسار بن عبد اللہ الہذلیؓ۔ بصرہ میں گھر بنایا بیعۃ الرضوان میں شریک رہے۔ خمسۃ لا یعلمھا الا اللہ کی حدیث کے راوی ہیں۔ (۷) سفیان الہذلی ابو المفران ان کے والد عبد المطلب کے رفیق سفارت تھے جب عبد المطلب ابرہہ کے پاس گئے تھے۔ یہ شاعر تھے شاعری میں قریش پر چوٹ کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا (اصابہ) (۸) آپ کے بھائی عتبہ بن مسعودؓ الہذلی مشہور صحابی ہیں حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ تھے پھر مدینہ واپس آئے۔ جنگ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے ان کے انتقال پر حضرت کو بہت رنج ہوا۔ عبد اللہؓ بن مسعودؓ کے بہت رنجیدہ ہونے پر حضرت سے لوگوں نے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے بھائی اسلام میں میرے رفیق تھے، تیسری بات یہ کہ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر سب سے زیادہ مجھے محبوب تھے سیرت محمدیہ میں ہے کہ آپ حضرت عبد اللہؓ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہؓ کے ساتھ ان کے بڑے بھائی عتبہؓ کی عیادت کے لئے گیا تو حضرت عبد اللہؓ نے دیکھا کہ بیماری کی وجہ سے وہ سجدہ نہیں کر رہے ہیں ایک پنکھا ہاتھ میں لے رکھا ہے اس پر سجدہ کرتے ہیں۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے پنکھا لے لیا اور فرمایا زمین پر سجدہ کرو اور اگر زمین پر سجدہ نہ کر سکو تو سجدہ کا اشارہ کرو اور سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے زیادہ جھکا ہوا ہو (بیہقی ج ۲ ص ۳۰۷)۔

۴۔ کنیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابو عبد الرحمٰن رکھی جب[1]

[1] اسد الغابۃ والانساب [2] الادب المفرد باب ۳۳۶ و باب ۶۱۹

میں آپ کے صاحبزادے پیدا ہوئے تو اسی مناسبت سے آپ نے ان کا نام عبد الرحمٰن رکھا ابھی گذرا کہ آپ کی والدہ کا نام ام عبد تھا اسی وجہ سے ابن ام عبد آپ کی دوسری کنیت ہے آپ نے اس دوسری کنیت سے زیادہ شہرت پائی۔[1]

۵۔ حلیہ

آپ کا جسم لاغر اور قد چھوٹا تھا۔ رنگ گہرا گندمی تھا۔ آپ خضاب نہیں کرتے تھے۔ آپ کے بھائی عتبہؓ کے پوتے حضرت عبید اللہ کا بیان ہے کہ

کان عبد اللہ رجلا آدم	حضرت عبد اللہؓ بہت دبلے پتلے چھوٹے قد
نحیفا قصیرا اشد الادمۃ[2]	کے تھے۔[2] اور بہت سانولا رنگ تھا۔
وکان لا یغیر	خضاب نہیں فرماتے تھے۔

ابن خزیمہ[3] کے الفاظ ہیں۔

کان عبد اللہ رجلا آدم	حضرت عبد اللہؓ گندمی رنگ کے تھے
علیہ مسحۃ اعرابی لطیف	بدو جیسے معلوم ہوتے تھے دبلے تھے
الجسم خفیف اللحم (کتاب الحج)	بہت ہلکا جسم تھا۔

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۲ حافظ ابن حجر عسقلانی کا خیال ہے کہ اس کنیت نے کم شہرت پائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہؓ کے زمانہ میں تو ابن ام عبد کی کنیت زیادہ رائج پائی جاتی ہے۔ صحابہؓ کے آخر دور میں اور تابعین اور اس کے بعد ابو عبد الرحمٰن کی شہرت بالکل صحیح ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء ص ۲۳۳ ج ۱۔

[3] منقول از اتحاف المہرہ فی اطراف العشرہ نسخہ خطی (حدیث عربی نمبر ۳۵۴ ج ۷) کتب خانہ آصفیہ مسند عبد اللہ بن مسعود۔

آپ کی زلفیں نہایت نرم خوبصورت تھیں جو آپ کے کانوں تک اس طرح لٹکتی رہتی تھیں کہ ایک بال بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو پاتا تھا۔ ہبیرہ بن یریم کہتے ہیں۔

کان لعبد اللہ شعر یرفعہ	عبداللہ بن مسعودؓ کے بال کانوں سے اٹھے
علی اذنیہ کانما جعلی بعس[1]	رہتے تھے گویا شہد سے جما دیئے گئے ہیں۔

بعض اوقات آپ کے بال بڑھ کر شانوں تک آجاتے تھے جنہیں آپ نماز کے وقت کانوں کے پیچھے کر لیتے تھے۔

کان شعر عبد اللہ بن مسعود	حضرت عبداللہ بن مسعود کے بال گردن
یبلغ ترقوتہ فرأیتہ اذا صلی	تک لٹک آتے تھے، نماز پڑھتے وقت
یجعلہ وراء أذنیہ[2]	آپ دونوں کانوں کے پیچھے کر دیا کرتے تھے۔

آپ کا شکم نسبتہً بڑا اور ٹانگیں بہت پتلی تھیں۔ آپ کو اپنی کمزور اور پتلی ٹانگوں کا احساس تھا اس وجہ سے آپ ہمیشہ انھیں چھپائے رہتے تھے۔

ام موسیٰ کہتی ہیں۔

سمعت علیا یقول أمر النبی	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ابن	بن مسعود کو حکم دیا کہ درخت پر چڑھ کر
مسعود ان یصعد شجرۃ	کچھ (مسواک) لے کر آئیں ان کے
فیاتیہ بشیٔ منہا فنظر اصحابہ	ساتھی ان کے پیروں کا پتلا پن دیکھ
الی حموشۃ ساقیہ فضحکوا	کر ہنسنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ
منہا فقال النبی صلی اللہ	وسلم نے فرمایا تم کیا ہنستے ہو قیامت
علیہ وسلم اتضحکون	میں ان کی ٹانگیں میزان میں احد سے
لرِجل عبد اللہ یوم القیامۃ	زیادہ وزنی ہوں گی۔
فی المیزان اثقل من احد[3]	

---

[1] طبقات ج ۳ ق ا ص ۱۱۱۔ [2] ایضاً ص ۱۱۲ [3] طبقات ج ۳ ق ا ص ۱۰۹

مزاج بہت شگفتہ تھا۔ بہت ذکی و ذہین تھے[1]۔

۶۔ لباس

آپ کا لباس نہایت سادہ لیکن ساتھ ہی نہایت صاف اُجلا اور بے داغ ہوتا تھا۔ آپ کے خادم نفیع کا بیان ہے کہ حضرت پوشاک عمدہ سفید پہنتے تھے۔

کان عبد اللہ بن مسعود	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت عمدہ
من اجود الناس ثوبا ابیض	اور نہایت سفید لباس پہنتے تھے
من اطیب الناس ریحا۔	اور بہتر خوشبو استعمال کرتے تھے۔

۷۔ غذا

آپ کا کھانا پینا بہت سادا ہوتا تھا۔ کھانے کے بعد آپ عموماً کھجور بھگو کر اس کا پانی پیتے تھے ایک مرتبہ آپ کے شاگرد علقمہ نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم کرے آپ اُمت کے پیشوا اور مقتدا ہیں اور کھجور کا پانی پیتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور کو بھگو کر اس کا شربت پیتے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو ہرگز نہ پیتا[2]۔

۸۔ آپ کے مزاج کا وقار اور سنجیدگی

آپ طبعاً نہایت سنجیدہ واقع ہوئے تھے لیکن اس سنجیدگی میں خشکی اور درشتی نہ تھی بلکہ عالمانہ وقار و تمکنت ظاہر ہوتی تھی۔ کسی کا مذاق اُڑانے اور عیب جوئی کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ انسان تو انسان ناپاک جانور کا مذاق اُڑانا بھی بُرا سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

لو سخرت من کلب لخشیت	اگر میں کُتّے کا مذاق اُڑاؤں تو ڈر ہے کہ
ان اکون کلباً	کہیں کتا نہ بنا دیا جاؤں[3]۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء۔ [2] مسند امام اعظم ص ۲۰۱۔ [3] سیر الاعلام النبلاء ص ۳۵۴

ہنسی ٹھٹھا کھیل کود اور لایعنی باتیں کرنے والے لوگوں کو آپ بے عمل کہہ کر ان سے اظہارِ بے زاری کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

انی لاکرہ ان اری الرجل	میں ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہوں
فارغا لیس فی عمل الآخرۃ	جو بے کار رہے نہ دین کا کام کرے
ولا فی عمل الدنیا۔	اور نہ دنیا کا۔[1]

۹۔ خوشبو کا شوق

اپنی طبعی نفاست پسندی کی وجہ سے آپ خوشبو کثرت سے استعمال کرتے تھے دن رات میں کہیں سے آپ گذرتے تو بھی آپ محض اس خوشبو کی وجہ سے پہچان لئے جاتے جو فضا کو معطر کر دیتی تھی حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں۔

کان عبد اللہ یعرف	راتوں میں حضرت عبد اللہ کو اُن
باللیل بریح الطیب۔	کی خوشبو کی وجہ سے پہچان لیا جاتا تھا۔

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا دیدار

عثمان بن المغیرہ، زید بن وہب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے پہلے پہل آپ کے مشرف ہونے کا حال خود ان کی زبان سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچاؤں (یا اپنی قوم کے چند لوگوں) کے ساتھ خوشبو کی چیزیں خریدنے مکہ آیا۔ حضرت عباسؓ (جو خوشبو و عطریات کی تجارت کرتے تھے) کے پاس پہنچا۔ وہ اس وقت چاہ زمزم پر تھے۔ خریداری کی گفتگو کے لیے ہم بھی وہیں بیٹھ گئے۔ اتنے میں دیکھا ایک صاحب باب الصفا سے داخل ہوئے۔ نہایت گورا رنگ، سپیدی پر سرخی دوڑ رہی تھی، سامنے کے دانت بڑے چمکتے ہوئے تھے۔ سینہ سے لے کر ناف تک باریک بالوں کی

[1] حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۰۔

ایک دھاری تھی، ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ داڑھی گھنی، سفید لباس میں ملبوس، چہرہ گویا ماہ شب چہاردہم، داہنی جانب ایک خوبصورت کم عمر لڑکا تھا اور پیچھے ایک خاتون جو اپنے آپ کو ڈھانکے ہوئے تھیں۔ تینوں حجر اسود کے پاس آئے اور انھوں نے علی الترتیب اس کو بوسہ دیا، پھر سات مرتبہ طواف کیا۔ اس کے بعد رکن یمانی کے سامنے آکر ہاتھ اُٹھائے تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔ ہم نے مکہ میں یہ نئی بات دیکھی۔ حضرت عباسؓ سے دریافت کرنے پر آپ نے بتلایا کہ میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ ہیں دوسرا لڑکا بھی میرا بھتیجا علی (رضی اللہ عنہ) بن ابی طالب ہے وہ بی بی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ان کی بیوی ہیں۔ اس دین کے پیرو اس وقت ساری دنیا میں یہی تینوں ہیں۔[1]

۱۱۔ آپ کا قبول اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بار زیارت اور پہلی مرتبہ بالمشافہ گفتگو کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

کنت غلاما یافعا ارعی غنما	میں جو بھی جوانی کی عمر کا ایک لڑکا تھا اور
لعقبۃ بن ابی معیط فجاء النبی	عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چراتا تھا ایک
صلی اللہ علیہ وسلم وقد فرامن	مرتبہ آنحضرت صلعم اور ابو بکرؓ تشریف لائے
المشرکین۔ فقال یا غلام	یہ دونوں مشرکین سے بھاگ کر آئے تھے
ھل عندک من لبن تسقینا	اور مجھ سے دودھ مانگا۔ میں نے عرض
فقلت انی مؤتمن ولست ساقیکما	کیا میں بکریوں کا مالک نہیں ہوں، میرے
فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ذمہ بکریاں ہیں اور میں امین ہوں میں دودھ
ھل عندک جذعۃ لم ینز	آپ لوگوں کو نہیں پلا سکتا حضور اکرم صلعم

[1] سیر الاعلام النبلاء ص ۳۴۳-۴۰۲-۱۲۔

عليها الفحل قلت نعم فاتيته بها فاعتقلها النبي صلى الله عليه وسلم ومسح الضرع ودعا فحفل الضرع ثم اتاه ابوبكر بصخرة متقعرة فاحتلب فيها فشرب ابوبكر ثم شربت ثم قال للضرع اقلص فقلص قال فاتيته بعد ذلك فقلت علمني من هذا القول قال انك غلام معلم۔

نے فرمایا کہ تیرے پاس کوئی ایسی بکری بھی ہے جس کا ابھی تک نر سے میل نہ ہوا ہو۔ میں لے گیا ہاں میں ایسی بکری آپ کے پاس لے کر آیا۔ آپ نے اس بکری کو باندھ لیا اور تھن پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی تھن دودھ سے بھر گیا پھر حضرت ابوبکرؓ ایک پتھر لے کر آئے جس میں گڑھا تھا۔ اس میں دودھ دوہا ابوبکرؓ نے دودھ پیا اور پھر میں نے پیا پھر آپ نے تھن کو حکم دیا کہ سکڑ جا۔ وہ سکڑ گیا۔ اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ یہ بات مجھ کو بھی تعلیم کیجئے تو آپ نے مجھ کو بشارت دی انک غلام معلم تم بہتوں کو پڑھانے والے ہو گے۔ عبداللہ بن مسعود کے دل پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا اور آپ نے فوراً اسلام قبول کر لیاؓ (اس وقت آپ کی عمر سولہ سترہ برس کے درمیان تھی۔)

۱۲- اسلام میں آپ کا درجہ

استیعابؒ میں ہے۔

كان اسلامه قديما في حين اسلام سعيد بن زيد وزوجته فاطمة بنت الخطاب قبل اسلام عمرؓ بزمان

آپ کا اسلام بہت قدیم ہے یعنی سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب کے زمانہ کا حضرت عمرؓ کے اسلام سے بہت پہلے

سلہ مسند احمد بن حنبل جلد ا صـ۳۷۹، صـ۴۶۲ نمبر ۲ مسند کے الفاظ ہیں انک علیم معلم ۔ سیر اعلام النبلاء، طبقات ابن سعد صـ۱۵۱ ق ا ج ۳ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ وشہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعبداللہ بن مسعود بانہ علیم معلم (اعلام الموقعین جلد ا صـ۱۲ طبع محی الدین عبدالحمید) ۔ مستدرک جلد ۳ صـ۳۱۲، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۹

مستدرک حاکم اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے تھےؓ۔ وہ خود کہتے ہیں کہ وہ اپنے کو چھٹا مسلمان جانتے تھے۔ ان چھ کے علاوہ کوئی اور مسلمان نہ تھا ابن اسحاق کی تحقیق ہے کہ آپ ۳۳ ویں مسلمان ہیں۔ سیر اعلام النبلاء میں جو سلسلہ نمبر دیا ہے اس میں

سلہ (سیر اعلام النبلاء) اس موقع پر یہ سب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر فہرست ان صحابہ کی درج کی جائے جن کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ارقمؓ یا تو ساتویں مسلمان ہیں یا گیارہویں۔ ان کے اسلام کے بعد آنحضرت صلعم کی مجلس ان ہی کے گھر میں ہوتی تھی جو کوہ صفا پر تھا، اور اس مکان میں تمام اسلامی فرائض انجام دیئے جاتے تھے یہاں تک کہ اللہ کے حبیب کی دعا قبول ہوئی اور حضرت عمرؓ بعثت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے (اصابہ جلد ا صـ۴۸ مطبوعہ کلکتہ)

۱- ابوبکر صدیقؓ، ۲- علی مرتضیٰؓ، ۳- زید بن حارثہؓ } ان تینوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ یہ تصریح موجود ہے کہ سب سے پہلے یہ مسلمان ہوئے تاریخ کامل و طبقات ابن سعد۔

۴- حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت سعد کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلعم کو ملا کر تیسرا مسلمان میں ہوں۔

۵- عمرو بن عتبہؓ، ۶- ابوذر غفاریؓ، ۷- زبیر بن العوامؓ (۲۳)، ۸- خالد بن سعدؓ } مورخین اپنے معتبر ذرائع سے ان چاروں میں سے ہر ایک کے متعلق بیان کرتے ہیں یہ چوتھے مسلمان ہیں یا پانچویں۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ ان کے قبل حضرت بلالؓ مسلمان ہو چکے ہیں۔

۹- عمار بن یاسرؓ، ۱۰- مقدادؓ، ۱۱- عبداللہ بن مسعودؓ، ۱۲- خباب ابن الارتؓ } ان میں سے ہر ایک اس امر کا دعویدار ہے کہ پانچ ہستیاں تو ضرور ایسی ہیں جن کو قبول اسلام میں مجھ سے تقدم اور سبقت کا شرف حاصل ہے اور ان پانچ کے بعد مقدم میں ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود کے متعلق حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ قد روی ابن حبان من طريقه كان سادس ستة في السلام۔

۱۳- ارقم بن الارقم :- یہ ساتویں مسلمان ہیں یا گیارہویں۔

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

۱۹واں مسلمان آپ کو شمار کیا ان حکایات سے پتہ چلتا ہے کہ سابقین اسلام میں آپ کا کیا درجہ تھا۔

حاشیہ بقیہ صفحہ ۳۵

۱۴۔ عثمان بن عفانؓ
۱۵۔ عبدالرحمن بن عوفؓ
۱۶۔ ابو عبیدہؓ
۱۷۔ سعید بن زیدؓ
۱۸۔ طلحہ بن عبداللہؓ
۱۹۔ عثمان بن مظعونؓ
۲۰۔ قدامہ بن مظعونؓ
۲۱۔ عبداللہ بن مظعونؓ
۲۲۔ ابو حذیفہؓ
۲۳۔ عامر بن فہیرہؓ
۲۴۔ معمر بن الحارثؓ
۲۵۔ عبیدہ بن الحارثؓ
۲۶۔ ابو سلمہ بن عبداللہؓ
۲۷۔ خنیس بن حذافہؓ
۲۸۔ واقد بن عبداللہؓ
۲۹۔ عامر بن سعید بن مالکؓ
۳۰۔ عبداللہ بن جحشؓ
۳۱۔ ابو احمد بن جحشؓ
۳۲۔ عبداللہ بن جحشؓ

یہ سب وہ حضرات ہیں جن میں سے ہر ایک کے متعلق ابن سعد کے یہ الفاظ ہیں "اسلم قبل ان یدخل صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم" (آپ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مسلمان ہوئے)۔ اس سے قبل تیرہ نفوس کے نام آپ پہلے پڑھ چکے ہیں علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں سابقین اولین کی فہرست میں ۵۳ حضرات کے نام دیے ہیں جس میں صرف حمزہ کا نمبر ۵۲ واں ہے اور حضرت عمرؓ کا نمبر ۵۳ واں ہے۔ اس میں وہ آٹھ عورتیں داخل نہیں ہیں جو سابقین اسلام میں سے ہیں جن میں سے بعض بیبیوں کا نمبر ان میں سے کئی صحابیوں سے پہلے ہے۔ ان خواتین کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت خدیجہؓ ۲۔ اسماء بنت ابو بکرؓ ۳۔ اسماء بنت سلامہؓ
۴۔ اسماء بنت عمیس ۵۔ فاطمہ بنت المحلل العامریہ ۶۔ فکیہہ بنت یسار
۷۔ رملہ بنت ابی عوف ۸۔ امیہ بنت خلف خزاعیہ

آپ کی صاحبزادیوں کو فہرست میں داخل کیا جائے تو چار عدد اور بڑھ جائیں گے سیر محمدیہ میں بعض اور بی بیوں کے نام بھی ہیں جو دار ارقم سے قبل مسلمان ہو چکی تھیں۔

سابقین اولین میں وہی حضرات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے دار ارقم سے باہر نکل کر اعلان دینے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں یہ فہرست صفحہ ۹ سے ص ۱۶ تک پھیلائی ہے یہ میری قیاسی بات نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت ابو بکرؓ کے اول المسلمین ہونے کی بحث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں

ولکن مراد عمار بذلک ممن اظھر حینئذ اسلامہ والا فقد کان جماعۃ ممن اسلم لکنھم یخفونہ من اقاربھم وسیاتی قول سعد انہ کان ثلث الاسلام وذلک بالنسبۃ الی من اطلع علی اسلامہ ممن سبق اسلامہ۔ (فتح الباری ج ۷ فضل ابی بکر ص ۱۶)

سیرت حلبیہ السیرۃ المحمدیہ مولینا کرامت علی صاحب دہلوی کو دیکھا جائے تو ۶۰ ناموں کا شمار دشوار نہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ سابقین اولین اس اندیشہ سے کہ رفتہ رفتہ مشرکین کو ان کے اسلام کی خبر نہ ہو جائے اور پھر درپے آزار ہوں اپنے اسلام کو برابر اپنے پڑوسے سے اس وقت تک چھپاتے تھے جب تک ان کو ان کے اسلام کا پختہ وثوق نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ اپنے کو پہلا یا تیسرا یا چوتھا مسلمان سمجھتے رہے اس لئے اسلام لانے کے نمبر میں اس قسم کا اختلاف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

۱۳۔ جوشِ ایمان

جس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایمان لائے اسلام کا وہ بہت نازک دور تھا مسلمانوں کو کوئی قوت حاصل نہ تھی، مکہ کے مشرکین کے مظالم اور چیرہ دستیوں کا جو حال تھا اُس کے ہوتے ہوئے علی الاعلان بت پرستی کا انکار، بتوں سے نفرت کا اظہار اور ان کی مذمت اور حق کا کھلم کھلا اظہار مصیبتوں اور موت کو دعوت دینا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نے اب تک اس کلام کو آتش مزاج کفارِ عرب کے کانوں تک پہنچانے کی جرأت نہیں کی تھی جسے سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہو جاتے تھے لیکن صحبت نبوی سے حضرت عبداللہؓ کے ایمان کی قوت کا یہ اثر تھا کہ اظہار حق کے معاملہ میں ڈر اور خوف ابن مسعودؓ کے دل سے جاتا رہا تھا۔ ایک دن مسلمانوں میں (جن کی تعداد ابھی انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی) آپس میں یہ گفتگو ہوئی کہ ہم میں سے کوئی آدمی قریش مکہ کو بہ آواز بلند قرآن پڑھ کر سنائے اس دلیرانہ تجویز سے سب نے اتفاق کیا جب یہ سوال پیش ہوا کہ وہ کون ساب باک ہے جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مشرکین مکہ کو قرآن سنائے تو جھٹ آگے بڑھ کر عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ سارے مسلمان ان کی اس ایمانی جرأت و بیخوفی پر ششدر ہو گئے پھر سب نے کہا کہ تم الیسا جان لیوا خطرہ مول لو یہ مناسب نہیں۔ بلکہ یہ کام وہ کرے جس کا خاندان مکہ میں اتنا با اثر ہو کہ اگر خدانخواستہ قرآن سنانے میں مشرکین بھڑکیں اور ایذا پہنچانا چاہیں تو اس کے خاندان کے افراد اس کو بچا سکیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں اس قسم کی مصلحت بینی بھلا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ایمانی تقاضے پورا کرنے میں کس طرح آڑے آسکتی تھی چنانچہ آپ نے پوری جرأت سے فرمایا "مجھے کفار کے ظلم و ستم سے بچانے والا اللہ ہے۔ خدا کے لئے تم لوگ مجھے یہ شرف حاصل کرنے سے مت روکو" چنانچہ دوسرے روز دن چڑھے مقام

ابراہیم پر پاکر آپ نے نہایت بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِؕ پڑھ کر سورہ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ مشرکین کی مجلس اسی کے قریب تھی انھوں نے سنا تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے ابن ام عبد یہ کیا کہ رہے ہیں؟ پھر ان ہیں سے اُس نے جو آپ کے ایمان لانے سے واقف ہو چکا تھا کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب اُتری ہے اسی کو پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر پورا مجمع غصہ سے بے قابو ہو گیا اور آپ پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے بھڑ کے چھتّہ کو چھیڑ دینے کے بعد بھڑیں لپٹ جاتی ہیں۔ آپ کو بے تحاشا مارنے لگے ظالم چہرہ پر مارتے تھے جس سے چہرہ بہت زخمی ہو گیا۔ آپ مار کھاتے رہے لیکن حق کا اعلان کرنے والی زبان اُس وقت تک بند نہیں ہوئی جب تک کہ آپ لہو لہان ہو کر گر نہ پڑےؓ پورا جسم خون سے تر ہو گیا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خون آلود گوشت کا ایک بڑا لوتھڑا زمین پر پڑا ہے۔ ان شقی القلب لوگوں نے انھیں اپنی دانست میں مار ہی ڈالا تھا۔ مگر قدرت کے ہاتھوں روشن کی ہوئی علم کی یہ شمع جو آفتابِ علم سے اکتسابِ علم کر کے دنیا کو روشنی بخشنے والی تھی خدا کے حکم کے بغیر کیسے بجھ جاتی زخموں سے چور چور ہو گئے، مگر زندہ رہے۔

ظالموں اور جفا کاروں کا وہ گروہ آپ کو اسی حال میں چھوڑ کر وہاں سے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو ہوش آیا اور کسی طرح گرتے پڑتے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو اُن لوگوں نے خفگی کے ساتھ کہا کہ اے عبداللہ اسی انجام کے خوف سے ان درندہ صفت انسانوں کے پاس تمہیں جانے اور قرآن پڑھنے سے ہم منع کرتے تھے مگر تم نے نہ مانا۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ دیکھو تو ان لوگوں نے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۱ نمبر ا جلد ۳

تمہارا کیا حال بنا کر رکھ دیا۔ دوستوں کی مشفقانہ ملامت سننے کے بعد کوئی ضعیف الایمان یا وقتی جوش سے مغلوب ہو جانے والا انسان ہوتا تو شاید یہی کہتا کہ بھائی تم ٹھیک کہتے ہو اگر میں تمہاری بات مان لیتا تو اس نتیجہ کو نہ پہنچتا خیر اب تو جو ہونا تھا ہو چکا آئندہ کے لئے کانوں پہ ہاتھ دھرتا ہوں۔ مگر اسلام کے اس سرفروش مجاہد نے جو جواب دیا وہ سننے کے لائق ہے۔ فرمایا واللہ! خدا کے یہ دشمن اتنے ذلیل میری نظر میں پہلے کبھی نہیں تھے جتنا کہ آج ہیں اور تم کہو تو کل پھر میں اسی طرح ان کے سامنے جا کر قرآن مجید بلند آواز سے پڑھوں۔ اس حال کو پہنچ جانے کے باوجود آپ کا یہ ایمانی جذبہ دیکھ کر تمام ساتھی مرحبا پکار اُٹھے مگر کہا کہ جانے دو ابن ام عبد یہی بہت ہے کہ یہ مشرکین جس چیز کا سننا پسند نہیں کرتے تم نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر وہ اُن کے کانوں تک پہنچا دی[1]۔

غرضکہ ابتلاء و آزمائش کی یہ پہلی منزل تھی جس سے حضرت عبداللہؓ کو حق کے اظہار کے لئے گذرنا پڑا اور خدا کے فضل و کرم سے وہ اس امتحان میں پورے اُترے۔

۱۴. خصوصی خدمت کا شرف

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ خدمت نبویؐ میں برابر حاضر رہتے تھے اور یہ شرف آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ میں حاصل رہا۔ طبقات[2] میں آپ کی خدمات کا تذکرہ اس طرح ہے۔

عن القاسم بن عبد الرحمٰن	عبداللہ بن مسعود پردہ پکڑے رہتے تھے جب
قال کان عبد اللہ یستر	حضور صلعم نہایا کرتے تھے اور عصا لے کر آگے

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۰۲۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۳۔ صفحہ ۱۰۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اغتسل یمشی امامہ بالعصا حتیٰ اذا بلغ مجلسہ نزع نعلیہ فادخلھما فی ذراعیہ واعطاہ العصا فاذا اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم البسہ نعلیہ ثم مشی بالعصا امامہ حتیٰ یدخل الحجرۃ قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آگے چلا کرتے تھے اور آپ جب جوتے اتارتے تو آپ کے جوتے سنبھال لیتے اور پھر بغل میں دبا لیا کرتے اور وعظ کے وقت عصا آپ کے حوالے کر دیتے وعظ کے اختتام پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونے کا ارادہ کرتے تو آپ کو جوتا پہناتے اور عصا لے کر آپ کے آگے آگے چلا کرتے یہاں تک کہ آپ کے حجرۂ مبارک میں آپ سے پہلے داخل ہو جاتے۔[1]

ابو الملیح نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے۔ آپ سو جاتے تھے تو نماز کے لیے بیدار کرنے کی خدمت ابن مسعودؓ کے سپرد تھی[2] اور جب آپ سفر میں تنہا ہوتے تو ہتیار سے مسلح ہو کر آپ کے ساتھ رہتے اس تقریب کی وجہ سے وہ حضور کے گھریلو معاملات میں بھی اس درجہ دخیل تھے کہ حضورؐ نے ان کو پردہ اٹھا کر[3] راز کی باتیں سننے کی بھی اجازت دے رکھی تھی کہ جب تک تم کو نہ روکوں تم میری باتیں سن سکتے ہو۔ اس کے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ (وھو خصوصیۃ

---

[1] عمدۃ القاری کتاب الایمان باب بُنی الاسلام علی خمس میں ہے۔ وھو صاحب نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبسہ فاذا جلس ادخلھا فی ذراعیہ ج ۱ ص ۱۱۵۔

[2] عن ابی الملیح قال ویوقظہ اذا نام ویمشی معہ فی الارض وحشا۔

[3] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذنک علی ان ترفع الحجاب وان تسمع سوادی حتیٰ انھاک (مسلم شریف) بعض روایتوں میں ہے ان تسمع سراری (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲)

لابن مسعودؓ۔ والحدیث دال علی ملازمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یستلزم ثبوت فضلہ) جلوت اور خلوت میں کثرت حاضری کی اس خصوصیت کی وجہ سے نئے آنے والے حضرات انھیں اہل بیت ہی سمجھنے لگے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جب پہلے پہل اپنے بھائی کے ساتھ یمن سے مدینہ آئے اور دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت عبد اللہؓ کو اس طرح اندر باہر آتے جاتے دیکھ کر انھیں خیال ہوا کہ عبد اللہ حضور کے خاندان کے ایک فرد ہیں۔[1] ان خصوصیتوں کا ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس ذکر سے اس کا مقصد آپ کی تعریف ہے۔ اور چونکہ پابندی سے آپ کی خدمت میں رہتے تھے اور خاص خاص خدمتیں آپ کے سپرد تھیں، اس لئے جن باتوں کا علم آپ کو ہو سکتا ہے اس علم کی وجہ سے آپ کا شاگرد کسی دوسرے صحابی کے علم سے مستغنی ہو سکتا ہے۔

۱۵- پہلی ہجرت

جب مسلمان آئے دن مشرکین کے طرح طرح کے مصائب کا نشانہ بننے لگے، ان کے خوف سے سرراہ تمام طور پر چلنا پھرنا دشوار ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مکہ چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ ہجرت کر جاؤ۔ حبش کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وہ اس کی قوم رکاوٹ نہ ڈالے گی آزادی سے خدا کی بندگی کے فرائض انجام دے سکو گے۔ حکم ملتے ہی مسلمان عورتوں اور مردوں کا ایک مختصر سا قافلہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی سرکردگی میں حبش روانہ ہو گیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس میں شریک تھے۔[2] اگرچہ مشرکین مکہ کی دست درازیوں کا سلسلہ حبشہ تک

---

[1] فتح الباری کتاب المناقب ج ۷، ص ۷۹ [2] ترمذی، کتاب المناقب، عبد اللہ بن مسعود

بھی جاری رہا اور شمع نبوت کے اِن پروانوں کو وہاں سے نکلوا دینے کی انھوں نے بہت کوششیں کیں، مگر بادشاہ کی رحم دلی اور انصاف پسندی نے مسلمانوں کے وہاں کے قیام میں کوئی دشواری محسوس نہ ہونے دی اور مشرکین کے بھیجے ہوئے ایلچی ناکام و نامراد واپس آ گئے۔ اس کی تفصیل دوسری ہجرت کے بیان میں آ رہی ہے یہ ہجرت رجب ۵ نبوی میں ہوئی۔ شعبان رمضان دو ماہ صحابہ حبشہ میں رہے۔

خدا کی راہ میں گھر بار عزیز و اقارب سب کچھ چھوڑ کر صحابہؓ نے حبشہ میں پناہ لی تھی اور اپنے دل میں سمجھا تھا کہ پریشانی اور تکلیف کے دن ختم ہو گئے اب یہاں کفار کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ کر آرام و اطمینان سے زندگی کے دن گذاریں گے اور بے روک ٹوک اللہ تعالیٰ کی بندگی کر سکیں گے۔ اور اطمینان کا سانس لے سکیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی ان کی اور آزمائش کرنی تھی ایک مثالی امت بننے کے لیے جس معیار کے صبر و استقلال کی ضرورت تھی، وہ درجہ مسلمانوں نے ہنوز حاصل نہیں کیا تھا اس لئے موافق حالات پیدا ہونے میں دیر ہو رہی تھی۔ چنانچہ ابھی حبش کے قیام کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اچانک حبش میں یہ افواہ پھیل گئی کہ تمام مشرکین مکہ ایمان لے آئے۔ اس افواہ کے پھیلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ نے سورۂ النجم کی تلاوت رمضان میں کی اس میں أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ[1] کے سلسلہ میں لات منات اور عزیٰ کا تذکرہ تھا اور آخر سورہ میں حکم تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرو اور اسی کی

علہ دفتح الباری ج ۸ ص ۴۷۳ تفسیر سورۃ النجم)

بندگی کرو اس سورت کے آخری حکم کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور صحابہؓ نے آپ کی متابعت کی مشرکین پر اس کا اثر ہوا یا بتوں کے نام کی وجہ سے غلط فہمی کہ انھوں نے بھی سجدہ کیا۔ تمام مشرکین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ سجدہ کرنے کو شاید دور کے لوگوں نے مشرکین کے اسلام سے تعبیر کر دیا اور یہی خبر شدہ شدہ حبش پہنچ گئی۔ مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو گیا بس کر ان لوگوں نے سوچا کہ ہماری ہجرت کا سبب مشرکین کا ظلم و ستم تھا اور جب یہ سب مسلمان ہو گئے ہیں تو ہم بھی کیوں اپنے وطن واپس نہ چلے جائیں غرضیکہ اپنی سادہ دلی نیک طبعی کی وجہ سے جس دور بینی و احتیاط کی ضرورت تھی وہ احتیاط نہیں برتی اور اس خبر کی تصدیق کئے بغیر مکہ روانہ ہو گئے جب شوال میں صحابہؓ مکہ کے قریب پہنچے تو افواہ غلط ہونے کا پتہ چلا۔ کچھ لوگ چھپ چھپا کر کسی کی امان میں مکہ آ گئے۔ باقی دوبارہ حبش کو روانہ ہو گئے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ چھپ کر آئے اور چند دن قیام فرما کر دوسری بار پھر حبشہ کو ہجرت کی۔

۱۶۔ دوسری ہجرت

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ۔

بعثنا رسول اللہ صلی اللہ	ہم (۸۰) آدمیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم الی النجاشی ثمانین	نجاشی کے پاس حبش بھیج دیا جن میں میں جعفر ابن ابی طالب
رجلا انا وجعفر وابو موسیٰ	ابو موسیٰ اشعری ابن ہشام عبداللہ ابن عرفطہ، عثمان بن
وابن ہشام وعبد اللہ بن	مظعون وغیرہ تھے قریش نے عمرو ابن العاص اور
عرفطة وعثمان بن مظعون و	عمارۃ بن الولید کو ہدیہ دے کر حبشہ بھیجا۔ وہ ہدیہ لے کر
بعثت قریش عمرو ابن العاص	نجاشی کے دربار میں آئے دونوں نے اس کو سجدہ کیا

وعمارة بن الوليد بهدية فقدما
على النجاشي فلما دخلا
سجدا له وابتدراه فقعد
واحد عن يمينه والآخر
عن شماله فقالا ان نفراً من
قومنا نزلوا بارضك فرغبوا
عن ملتنا قال: اين هم؟ قالوا
بارضك فارسل في طلبهم فقال
جعفر انا خطيبكم فاتبعوه فدخل
فسلم فقالوا: مالك لا تسجد للملك؟
قال: انا لا نسجد الا لله قالوا:
ولم ذالك قال: ان الله ارسل
فينا رسولا وامرنا ان لا نسجد
الا لله وامرنا بالصلاة و
الزكاة فقال عمرو انهم
يخالفونكم في ابن مريم وامه
قال ما تقولون في ابن مريم
وامه قال جعفر نقول كما قال
الله روح الله وكلمته القاها
الى العذراء البتول التي لم
يمسها بشر قال فرفع

اور دونوں جلدی جلدی کر کے اُن میں سے ایک
نجاشی کے داہنے اور دوسرا بائیں سمت بیٹھ گیا۔
اور دونوں نے نجاشی سے شکایت کی ہماری قوم
کی ایک جماعت آپ کے ملک میں آکر پناہ گزین ہوئی
ہے جس نے ہمارے مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ نجاشی
نے پوچھا وہ کہاں ہیں، اُنھوں نے کہا وہ آپ کے
ملک میں ہیں نجاشی نے صحابہؓ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجے
حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہاری طرف سے
گفتگو کرنے والا میں ہوں گا تو تمام مسلمانوں نے
ان کی بات مان لی حضرت جعفرؓ آئے تو انھوں نے
بادشاہ کو سلام کیا لوگوں نے کہا بادشاہ کو سجدہ کیوں
نہیں کرتے؛ تو انھوں نے کہا کہ ہم صرف اللہ کو سجدہ کرتے
ہیں تو اس نے پوچھا یہ کیوں؟ حضرت جعفرؓ نے کہا
اس لئے کہ اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے اور انھوں
نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ اللہ کے سوا ہم کسی کو سجدہ نہ
کریں اور ہم کو نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم دی عمرو ابن العاص
نے کہا کہ عیسیٰ ابن مریم اور ان کی ماں کے بارے میں
ان کا عقیدہ آپ کے عقیدے کے خلاف ہے۔ بادشاہ
نے ان سے پوچھا کہ ابن مریم اور ان کی ماں کے بارہ
میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا جو اللہ نے
کہا وہ ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح ہیں

النجاشي عوداً من الارض
وقال يا معشر الحبش
والقسيسين والرهبان
ما تريدون ما يسوءني
هذا اشهد انه رسول الله
وانه بشر به عيسى في الانجيل
والله لولا ما انا فيه من
الملك لاتيته فاكون
انا الذي احمل نعليه
واوضئه وقال انزلوا
حيث شئتم وامر بهدية
الآخرين فردت عليهما
قال وتعجل ابن مسعود
فشهد بدراً[1]

اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے کنواری مریم جس میں
دنیا کی کوئی رغبت نہ تھی اور جس کو کسی انسان نے
چھوا نہ تھا میں ڈالا۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر
کہا کہ اے قوم حبش اے علماء و مشائخ صوفیا تم کیا
کہتے ہو مجھ کو تو جعفرؓ نے جو کچھ کہا برا معلوم نہیں ہوا۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے
رسول ہیں اور یہ وہی ہیں جن کی عیسیٰؑ نے انجیل میں
بشارت دی ہے خدا کی قسم اگر میں حکومت کے فکر میں
گھرا ہوا نہ ہوتا تو ان کی کفش برداری کرتا اور ان کو وضو کراتا۔ صحابہؓ سے
نجاشی نے کہا کہ آپ لوگ جہاں چاہیں رہیں
اور مشرکین کے ہدیہ کو واپس کر دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ
نے حبش سے واپسی میں عجلت کی اور مدینے آگئے
اور غزوہ بدر میں شریک ہو سکے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری[2] کتاب التفسیر سورۃ النجم کے آخر میں کہتے ہیں۔

قد جزم الواقدي بانها
كانت في رمضان سنة
خمس وكانت المهاجرة

واقدی اس بات کو وثوق سے بیان کرتے
ہیں کہ حبشہ کی دوسری ہجرت رمضان سنہ ۵
بعثت میں ہوئی تھی جب مسلمانوں کو یہ خبر

[1] مسند احمد حنبل مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۵۲ باب عقبۃ ابن مسعود و کتاب الصحابہ ج ۲ ص ۶۲۳ باب ہجرۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی النجاشی۔ ۴۰۰ھ و سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۱

[2] جلد ۸ ص ۴۷۳ طبع مصری۔

الاولی الی الحبشه خرجت	پہنچی کہ مشرکین مسلمان ہو گئے ہیں
فی شهر رجب فلما بلغهم	حبشہ سے واپس آ گئے۔ اور جب
ذلك رجعوا فوجدوهم	مکہ پہنچے اور ان مشرکین کو اسی کفر کی
علی حالهم من الکفر	حالت میں پایا تو دوبارہ حبشہ
فهاجروا الثانية۔	چلے گئے۔

فتح الباری باب العمل فی الصلوٰۃ میں ہے۔

وكان رجوعهم (الصحابه)	صحابہؓ کی واپسی حبشہ سے مکہ کو یوں
من عنده (الحبشه) الی مكة	ہوئی تھی کہ ان کو یہ خبر ملی کہ مشرکین
وذلك ان لبعض المسلمين	مسلمان ہو چکے ہیں لیکن جب مکہ آئے
هاجر الحبشة ثم بلغهم	تو معاملہ برعکس پایا اور مشرکین اور زیادہ
ان المشركين اسلموا فرجعوا	اذیت دینے لگے تو مسلمان پھر حبشہ
الی مكة فوجدوا الامر بخلاف	واپس چلے گئے۔ اس ہجرت میں
ذلك واشتد الاذیٰ علیهم	مسلمان پہلی ہجرت سے کئی گنا زیادہ
نجرجوا الیها ایضاً فکانوا فی	تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ دونوں
المرة الثانیه اضعاف الاولیٰ	جماعتوں کے ساتھ تھے۔
وكان ابن مسعود مع الفريقين	

۱۷۔ تیسری ہجرت

مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ہی ان کے مصائب اور تکالیف میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم نازل ہوا اور

سلہ جلد ۲ صہ ۵۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا تاکہ بلا مزاحمت دین کے احکام ادا کر سکیں چنانچہ جب جب لوگوں کو موقع ملا مدینہ اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ زندہ رہیں گے تو وہیں اور پیوند خاک ہوں گے تو وہیں۔

مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کرنے کی خبر حبشہ پہنچی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہیں تشریف رکھتے تھے انھوں نے مدینہ کو ہمیشہ کے لئے اپنا مامن و مسکن بنا لینے کا ارادہ کر لیا اور ہجرت کر کے ایسے وقت مدینہ پہنچے کہ غزوہ بدر میں شریک ہو گئے اس طرح اسلام کے لئے یہ آپ کی تیسری اور آخری ہجرت تھی جو آپ نے خدا کی راہ میں اختیار کی۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذ بن جبلؓ (جبل علم) کے مہمان رہے۔

۱۸۔ مواخات

مکہ معظمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوامؓ سے آپ کا بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ اور جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو پانچ ماہ بعد مسجد نبویؐ اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر سے فراغت پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میزبانوں (انصار) اور مہمانوں (مہاجرین) کا ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھائی ان کے میزبان حضرت معاذ بن جبلؓ کو کو بنا دیا۔

۱۹۔ مکان کی زمین

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مسجد نبوی سے متصل مسجد کی پشت پر زمین عطا ہوئی اور سب کے ساتھ مکان کی حد بھی متعین فرما دی۔ اُنھوں نے نیز ان کے بھائی عتبہ بن مسعودؓ نے وہاں اپنا مکان بنایا۔ یحییٰ بن جعدہ سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے تو مدینہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو مکان کے لئے زمین عطا فرمائی بنو زہرہ کے متصل آپ کی زمین تھی بنو زہرہ میں سے کسی نے کہا اے ابن ام عبد! ہمارے پاس سے دور ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن لیا تو فرمایا کیوں؟ کیا اس وقت بھی اللہ مجھے مبعوث کرے گا (اپنے منصب نبوت پر باقی رکھا جاؤں گا) جبکہ میں تمہارے تکبر اور ظلم پر خاموش رہوں)۔ اللہ اس قوم کو برکت نہیں دیتا جو کمزور کو اس کا حق نہ دے[1]۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مدینہ میں ایک مکان تھا جس میں امام مالکؒ اپنے زمانہ میں کرایہ سے رہتے تھے کوفہ میں ایک مکان وہ تھا جس میں خود آپ کا قیام تھا اور رمادہ محلے کا دوسرا مکان آپ نے مہمانوں کے لیے خاص کر دیا تھا۔

۲۰۔ دین کی باتوں سے شغف

حضرت ابن مسعودؓ کی علمی و انتظامی مشغولیتوں کا بیان آگے آئے گا۔ ان کثیر مشغولیتوں نے انھیں کسی وقت بھی دین کے مقتضا سے غافل ہونے نہ دیا۔ فرض نماز تو کبھی قضا نہ ہوتی۔ نوافل بھی کثرت سے پڑھتے، نماز سے آپ کے قلبی شغف کا تذکرہ اس مقالہ میں دوسری جگہ ملے گا۔ وقت پر نماز کے ادا کرنے کی پابندی کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو آپ ہی سے سب سے بہترین عمل کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

الصلوٰۃ علی میقاتھا — نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا

سب سے بہتر عمل کا علم ہو جانے کے بعد آپ سے کس طرح ممکن تھا کہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ مہاجرین مدریین ص۱۰۵ معجم البلدان

نماز میں کسی قسم کی کوتاہی کرتے اور اس کو اپنی عملی زندگی کا اہم جز نہ بنا لیتے۔ وقت پر نماز ادا کرنے میں آپ نے کبھی کسی کا خوف نہیں کیا۔

۲۱۔ اظہارِ حق میں بے باکی

ایک مرتبہ امیر کوفہ ولید بن عقبہ کو (جن کا عہدہ کوفہ میں ان سے اونچا تھا) مسجد پہنچنے میں دیر ہوئی آپ نے ان کے خفگی کی پروا نہ کی جماعت سے نماز پڑھنے کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے ولید کا انتظار کئے بغیر نماز پڑھا دی۔ ولید نے جب یہ سنا تو آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیرالمومنین کا کوئی حکم ہے یا آپ نے اپنے جی سے ایسا کیا ہے آپ نے اس کے جواب میں عذر معذرت نہ کی اور صاف صاف کہلا بھیجا کہ یہ نہ تو امیرالمومنین کا حکم ہے اور نہ میں نے اپنے جی سے ایسا کیا ہے اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ تمہاری وجہ سے نماز کے انتظار کی زحمت گوارا کرتے رہیں[1]۔

۲۲۔ نوافل کی کثرت

نوافل کی کثرت کا یہ حال تھا کہ رات کثرت سے نمازیں پڑھتے گذر جاتی دن میں بھی مختلف کاموں کی کثرت کے باوجود نفل نماز کے لئے وقت نکال لیتے۔ نگر نماز سے آپ کا یہ شغف قبولِ اسلام کے بعد ہی سے تھا جبکہ آپ نوعمر ہی تھے چاشت کی نماز کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے ہیں۔

مانمت الضحی منذ اسلمت[2] — جب سے اسلام لایا ہوں چاشت کی نماز نہیں چھوڑی

---

[1] مسند احمد ج (۱) ص۴۵۰ [2] طبقات ق ۱ ج ۳ ص۱۰۹

روزے کا بھی یہی حال تھا پھر بھی نماز کی کثرت کی نسبت سے آپ روزے کم رکھتے اور اس کا سبب نماز سے آپ کا والہانہ عشق تھا۔ عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں۔

ما رأیت فقیھا اقل صوما	عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی فقیہ کو کم
من عبد اللہ بن مسعود	روزہ رکھنے والا نہیں دیکھا میں نے ان سے
فقیل لہ لم لا تصوم فقال	دریافت کیا کہ آپ روزہ کم کیوں رکھتے ہیں
انی اختار الصلاۃ عن الصوم	تو فرمایا کہ میں نماز کو زیادہ پسند کرتا ہوں
فاذا صمت ضعفت	اور جب روزہ رکھتا ہوں تو کمزور ہو جاتا ہوں
عن الصلاۃ۔	اور نماز نہیں پڑھ سکتا۔

اس کے باوجود آپ (رمضان کے روزوں کے علاوہ) دوشنبہ اور جمعرات کو عموماً روزہ رکھا کرتے صحیح یہ ہے کہ عاشورہ کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے۔

آپ کے اس دینی شغف و عبادت کی گہری چھاپ آپ کے گھر والوں پر پڑی تھی سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا اور خود حضرت ابن مسعودؓ طلوع آفتاب تک ذکر میں مصروف رہتے۔

ابو وائل کی روایت ہے کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا۔ سلام کے جواب کے بعد حاضر ہونے کی اجازت ملی ہم نے توقف کیا اتنے میں ایک باندی آئی اور پوچھا کہ وہ (حضرت ابن مسعودؓ) اللہ کا ذکر فرما رہے تھے انھوں نے پوچھا کہ اجازت کے بعد بھی تم لوگ اندر کیوں نہ آئے ہم لوگوں نے کہا کہ شاید گھر کے کچھ لوگ سو رہے ہوں اور اس خیال سے دیر کی۔ فرمایا کہ تم لوگوں نے ابن ام عبد کی اولاد پر غفلت کا گمان کیسے کیا؟ اس کے بعد ذکر میں

مشغول ہو گئے تھوڑی دیر بعد انھیں خیال ہوا کہ آفتاب نکل گیا ہوگا تو لونڈی سے کہا کہ دیکھو آفتاب نکل آیا؟ اس نے کہا ابھی نہیں نکلا پھر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ پھر جب آفتاب طلوع ہو گیا تو آپ نے کہا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا ایک دوسرے راوی ابن مہدی نے اتنا اضافہ کیا کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ "اور ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہم کو ہلاک نہیں کیا"[1] رمضان کے مبارک مہینہ میں آپ کی عبادت اور بڑھ جاتی تھی خصوصاً آخری عشرہ اور قدر کی راتیں نماز، تلاوت اور ذکر میں بسر ہوتیں۔

ابو عقرب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے خوش ہو ہو کر فرما رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا میں نے عرض کیا وہ کیا؟ کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ قدر رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرنا اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ یہ بات، آج آنکھوں سے میں نے دیکھ لی[2]

۲۳- گھریلو زندگی

آپ نے دین و دنیا دونوں معاملوں میں اپنے گھر بھر کو اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ جس کی وجہ سے گھر کا ماحول دینی بن چکا تھا۔ نماز روزہ صدقہ زکوٰۃ اور ذکر کے علاوہ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے گفتگو وغیرہ غرض کہ ہر ہر چیز

۱؎ مسلم شریف جلد ۱ ص۳۰۵ مطبع دارالاحیاء الکتب العربیۃ

۲؎ مسند احمد حنبل ج ۱ ص۴۰۶

میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی پیروی کرتے اور گھر والوں پر بھی اس کی نگرانی رکھتے بیوی بچوں کے حقوق میں کبھی کوئی کوتاہی نہ فرماتے۔ بیوی بچوں کے ساتھ بات چیت شگفتگی سے فرماتے گھر میں داخل ہوتے تو پہلے کھنکار لیتے تھے تاکہ گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اندر تشریف لا رہے ہیں۔ جو کچھ کہنا ہوتا آپ بلند آواز سے کہتے۔

ابی عبیدہ کہتے ہیں۔

کان عبد اللہ اذا دخل الدار	عبداللہ جب گھر میں آجاتے اجازت
استأنس ورفع علامہ	لیتے اور آواز بلند کرتے تاکہ گھر والوں کو
کی یستانسوا۔[1]	معلوم ہو جائے کہ آپ اجازت طلب کر رہے ہیں۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی تو حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی حضرت زینبؓ نے آپ سے کہا کہ تم نادار آدمی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور پوچھو بیوی اپنے شوہر کو صدقہ دے دے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں اس کے بارے میں خیال ہے کہ تم کو ہی دے دوں۔ مگر آپ نے شاید غیرت کی وجہ سے انکار کیا اور کہا کہ تم خود ہی جاؤ اور پوچھو چنانچہ وہ گئیں وہاں دوسری بی بی بھی اسی سوال کے لئے آئی تھیں۔ ان کا نام بھی زینب تھا اور وہ ابو مسعودؓ انصاری کی بیوی تھیں چنانچہ دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ دریافت کیا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور ان کے بچوں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا

---

[1] طبقات ج ۳ ق ۱ ص۱۰۹

چاہتی ہیں کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ بلکہ ان کو دوہرا ثواب ہوگا ایک صدقہ کا اور دوسرے اہل قرابت پر خرچ کرنے کا۔[1]

۲۴۔ مہمان نوازی

آپ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ مہمان آجاتا تو آپ بہت خوش ہوتے اور اس کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔ آپ کے حسن اخلاق اور مہمان نوازی کی وجہ سے آپ کے پاس کثرت سے مہمان آتے رہتے۔ خاص طور پر مہمانوں کے لئے آپ نے کوفہ کے محلہ موضع الرمادہ کا مکان خالی کر رکھا تھا۔[2]

۲۵۔ تواضع وانکسار

علم وعمل کے کوہ گراں ہونے کے باوجود آپ بے حد متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ آپ کے شاگردوں اور قدردانوں کی جماعت آپ کے پیچھے پیچھے چلتی فرماتے کہ۔

لو تعلمون ذنوبی ما وطئ عقبی	اگر تمہیں میرے گناہوں کا علم ہو جائے تو دو
اثنان ولحثیتم التراب علی	آدمی بھی میرے پیچھے نہ چلیں اور میرے سر
راسی ولوددت ان اللہ غفرلی	مٹی ڈالنے لگو مجھے اس کی بڑی تمنا ہے اللہ
ذنبا من ذنوبی۔[3]	میرے گناہ بخش دے۔

حارث بن سعید کہتے ہیں کہ ایک روز بہت سے آدمی عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس تھے انھوں نے کہا۔

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النفقۃ علی الاقربین باب ترتیل القرأۃ کتاب الصلوٰۃ۔

[2] طبری ص۲۸۴۲۔ [3] سیر اعلام النبلاء ص۳۵۳۔

واللہ الذی لا الہ غیرہ لو	اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی دوسرا
تعلمون علمی لحیثتم التراب	معبود نہیں اگر تم لوگ میری علمی حیثیت
علی راسی[1]	جان جاؤ تو میرے سر پر خاک ڈالو۔

۲۶۔ استغناء

دنیا سے بے نیازی، قناعت اور توکل میں بھی آپ بے مثل تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے آخری وقت میں جب انکار کیا ہوا وظیفہ ادا کرنا چاہا تو انھوں نے نہایت بے نیازی سے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔

دنیا کے مال سے بے نیازی اور توکل کے جذبہ نے ان سے انکار کرایا اور حضرت عثمانؓ سے کہلا بھیجا کہ آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کی فکر ہے تو سنئے میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ ہر شب سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہ ہو گا۔

۲۷۔ دنیا اور آخرت کا موازنہ

ایک سچے مومن کی نگاہ میں دنیا زادِ آخرت ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضرت سلمان فارسیؓ کے انتقال کے وقت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیا رنج ہے، آپ نے فرمایا کہ ایک معاہدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کیا تھا جس کی ہم نگہداشت نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

[1] حوالہ بالا۔

"لیکن بلاغ احدکم من	تمہارے پاس دنیا کا اتنا سامان ہونا چاہئے
الدنیا کزاد الراکب"	جتنا ایک مسافر سفر میں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔
وامانت یا سعد فاتق اللہ	اے سعد تم اللہ سے ڈرتے رہو اپنے
فی حکمک اذا حکمت وفی	فیصلہ کرنے میں تم جو فیصلہ کرو اور بانٹنے
قسمک اذا قسمت۔	میں جب تم تقسیم کرو۔

حضرت ابن مسعودؓ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

من اراد الاخرۃ اضر	جو آخرت کو مقصود بناتا ہے وہ دنیا کے
بالدنیا ومن اراد الدنیا	نقصان کی پروا نہیں کرتا اور جو دنیا کو
اضر بالاخرۃ یقوم فاخروا	مقصود بناتا ہے وہ آخرت کا ضرور نقصان
الفانی للباقی۔	کرتا ہے۔ اے میری قوم تم باقی (آخرت)
	کے لئے فانی (دنیا) کو پیچھے ڈال دو۔

تمیم بن حذلم کا بیان ہے کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے مگر میں نے دنیا سے بے نیازی و طلب آخرت کے معاملہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

۲۸۔ خوفِ خدا

خدا کا خوف اور قیامت کا تصور انھیں ہمیشہ بے قرار کئے رہتا تھا۔ اور بعض مرتبہ یہ خوف اس قدر بڑھ جاتا کہ آپ بے حد سہم جاتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح گھبراہٹ میں آپ نے فرمایا۔

[1] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ۔ صفوۃ الصفوۃ۔

وددت انی اذا امت لما ابعث[1] — مجھ کو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاؤں۔

۲۹۔ رقت قلب

حضرت ابن مسعودؓ بہت زیادہ رقیق القلب واقع ہوئے تھے جہاں کہیں آخرت اور حساب وکتاب جزا و سزا کا ذکر آتا آپ بے اختیار ہو جاتے اس قدر روتے کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ ان کی کثرت بکا کے متعلق زید بن وہبؓ فرماتے ہیں۔

رأیت بعینی عبد اللہ اثرین اسودین من البکاء۔ — آپ کی آنکھوں پر رونے کی کثرت سے دو سیاہ نشان میں نے دیکھے۔

۳۰۔ عہد نبوی

آپ کے تحصیل علم اور علمی کارنامہ کا مستقل باب آگے آ رہا ہے یہاں زندگی کے عام حالات بیان کئے جا رہے ہیں۔

اسلام کے فرائض و اعمال میں جہاد سب سے سخت ہے لیکن جب کبھی حق کی حمایت اور باطل کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی نوبت آئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ باوجود ضعیف الاعضاء اور نحیف الجثہ ہونے کے اس کارِ عظیم میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ جنگِ بدر کے واقعہ کی تفصیل حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں تھا کہ اچانک مجھے اپنے داہنے اور بائیں جانب دو نوعمر لڑکے نظر آئے ان میں سے ایک نے رازدارانہ طور پر مجھ سے پوچھا کہ چچا جان ابوجہل کون ہے مجھ کو بتا دیجئے۔ میں نے کہا

---

[1] طبقات ج ۳ ق اول ص ۱۱۳

میرے بھتیجے! تم ابوجہل کے ساتھ کیا کرو گے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ جب میں ابوجہل کو دیکھوں گا تو اس کو قتل کر دوں گا خواہ اس کوشش میں میری جان جاتی رہے اور میں اللہ کی راہ میں کام آ جاؤں اسی طرح دوسرے نے بھی چپکے سے مجھ سے یہی پوچھا میں نے اشارے سے دونوں کو بتا دیا۔ دیکھو وہ ابوجہل ہے دونوں اس پر جھپٹ کے باز کی طرح جھپٹے اور حملہ کر کے اسے زمین پر گرا دیا۔ یہ دونوں لڑکے معاذ اور معوذ عفراء کے بیٹے تھے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص دیکھ کر آئے کہ ابوجہل کا کیا انجام ہوا۔ حضرت ابن مسعودؓ تعمیل ارشاد کے لیے روانہ ہوئے اور جا کر دیکھا تو ابوجہل دم توڑ رہا ہے اُنھوں نے اس کی داڑھی پکڑ کر پوچھا "انت اباجہل"! تو ہی ابوجہل ہے[1]۔؟ میں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا اس لئے کہ اس نے مکہ میں ایک بار بڑی سختی سے میری گردن پر گھونسے مارے تھے[2]۔ اس پر اُس نے کہا اے بکری چرانے والے! تو ایسی جگہ چڑھ گیا جہاں تجھ کو نہیں چڑھنا چاہیئے تھا۔ میں نے کہا اے دشمن خدا کیا تجھے اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں کیا؟ اُس نے کہا کیا تم نے مجھ سے بڑا مرتبہ رکھنے والے کسی انسان کو بھی قتل کیا ہے؟ پھر اس نے پوچھا بتاؤ آج زمانے کا چکر کس کے موافق ہے؟ میں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے۔ اس کے بعد میں نے اس کا سر کاٹ لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ دشمن خدا ابوجہل کا سر ہے۔ آپ نے اس پر اللہ تعالیٰ کی توحید کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا اللہ الذی لاالٰہ غیرہ (اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں) نہ

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۵۶۵ [2] سیرت ابن ہشام واقعہ بدر ص ۲۸۰

اپنے فخر کا نعرہ نہ اپنی امت کے فخر کا نعرہ۔ اس طریقہ سے کافروں کے سردار ابوجہل کا سر تن سے جُدا کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر رہا۔ ابو مجلز کا بیان ہے کہ ابوجہل نے یہ بھی کہا تھا کہ کاش مجھے کھیتی کرنے والے کے سوا کوئی دوسرا قتل کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غزوات بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی غلط خبر پھیلنے سے مایوسی کے نتیجہ میں جو افراتفری پھیل گئی تھی اس وقت بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ثابت قدم رہے اور آپؐ کے ساتھ ساتھ رہے۔ احد کے بعد ہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسلمان ہتھیار نہ اُتاریں اور آپؐ کے ساتھ ساتھ چلیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں حضرت عبداللہؓ بھی حمراء الاسد تک گئے تھے۔ غزوہ حنین میں جب مسلمانوں میں بھگدڑ پڑی تو دس ہزار کی جماعت میں صرف اسی (۸۰) جاں نثار ثابت قدم رہ کر شمع نبوت کے ارد گرد پروانہ وار اپنی جانثاری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے اچانک سخت حملہ کیا تو ہم لوگ (۸۰) قدم پیچھے ہٹ آئے پھر جم کر کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ ایک مرتبہ زمین کی طرف جھکے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سر بلند رہیئے خدا نے آپ کو رفعت عطا فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اُٹھا کر دے دو میں نے زمین سے خاک آپ کے دست مبارک میں

ملے زوائد ابن حبان ابن حجر عسقلانی

دے دی آپ نے وہ خاک مشرکین کی طرف پھینکی جو ان کی آنکھوں میں پڑی پھر ارشاد ہوا مہاجرین اور انصار کہاں ہیں؟ میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انہیں پکارو میں نے بلند آواز سے پکارا یکایک سب کے سب ایمانی جوش و خروش سے آپؐ پر جاں نثاری کے ولولہ کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اس وقت ان کی تلواریں اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح بادل میں بجلی چمکتی ہے۔ اس مرحلہ پر مشرکین میدان سے ڈک اُٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کی فتح شکست سے بدل گئی اور مسلمانوں کو فتح اور کامرانی نصیب ہوئی ملے

جب اسلام کا چرچا زیادہ پھیلا اور مکہ سے باہر قریش کے علاوہ اور لوگ بھی اِکّا دُکّا اسلام میں داخل ہونے لگے تو مکہ کے سرداروں کو بڑی فکر ہوئی۔ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ وغیرہ نے آپس کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ حج کے زمانہ میں لوگ باہر سے آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و دعوت کا موقع مل جاتا ہے۔ ان نئے آنے والوں کو اس سے روکا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں۔ اس کی تدبیر انھوں نے یہ کی کہ اپنے مختلف کارپرداز اس کام پر مقرر کئے کہ باہر سے آنے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن کیا جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آپؐ سے ملاقات کا شوق و رغبت پیدا نہ ہو اور ان کو یہ سکھلایا گیا کہ ہر آنے والے سے کہیں کہ اس نئے دعویٰ کرنے والے سے نہ ملو اور اس کی بات نہ مانو۔ یہ کاہن ہے یہ شاعر ہے یہ مجنون ہے مختلف لوگ مختلف باتیں کہیں اور اس کے لئے مکہ میں پہنچنے کے جو مختلف راستے تھے ان پر مختلف آدمی مقرر کر دیئے گئے۔ اس جھوٹ کو ظاہر کرنے کیلئے

ملے مستدرک حاکم ج ۲ صـ۱۱۷ باب نزول آیۃ السکینۃ، مسند احمد حنبل جلد ۱ صـ۴۵۳

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہؓ میں سے کچھ لوگوں کو مقرر کیا کہ ان کے جھوٹ کا جواب دیں اور کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر تم خود ان کی باتیں سن لو اس کے بعد فیصلہ کرو چنانچہ قرآن میں اس کا تذکرہ ہے۔

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ	کہ ہم راستوں پر بٹ جانے والوں پر
الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ	اپنا عذاب اتاریں جنھوں نے قرآن ٹکڑے
فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔	ٹکڑے کر دیا ہے تمہارے رب کی قسم ہم
(سورہ حجر ع ۶ (آیہ ۹۰-۹۲)	ان سے ضرور باز پرس کریں گے۔

ان راستوں سے ایک راستہ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی مقرر کئے گئے کہ ان جھوٹی باتوں کا جواب دیں[1]۔

شق القمر کے واقعہ کی روایت بہت سے صحابہؓ نے کی ہے جس میں کم عمر صحابہ بھی ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ اور بڑی عمر والے صحابہؓ بھی۔ ان بڑی عمر والے صحابہؓ میں کچھ اصحاب وہ ہیں جو اس وقت سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے اس لئے آپ کی روایت صحیح اور مستند ترین سمجھی جاتی ہے۔ یہ روایت بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

انشق القمر ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصار فرقتین

فقال لنا اشهدوا

حضرت ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا

---

[1] سیر اعلام النبلاء۔ الجزء ۱ ص ۶۰ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔

[2] بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام ص ۳۲۱ و کتاب التفسیر سورہ قمر مسلم و ترمذی کتاب التفسیر۔

اخلائی من اصحاب رسول اللہ	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے
صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر	تین میرے بڑے گاڑھے دوست ہیں ابوبکرؓ
وابو عبیدۃ[1]	عمرؓ اور ابو عبیدہؓ۔

۲۱۔ عہد صدیقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ جس تیزی سے پھیلا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں بعض قبیلوں کے وفد اس لئے آئے کہ زکوٰۃ کی معافی تسلیم کرا لیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوری قوت سے ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس سے میں جہاد کروں گا اس قبیلہ والوں نے مدینہ آ کر دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد حضرت اسامہؓ کے ساتھ جہاد میں جا چکی ہے اور مدینہ میں بہت تھوڑے صحابہؓ رہ گئے ہیں انھوں نے سوچا کہ اس کمزوری کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور مدینہ پر جلد از جلد حملہ کر دینا چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا اندازہ پہلے ہی کر لیا تھا۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ زبیر بن العوامؓ طلحہ بن عبداللہؓ کی سرکردگی میں مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظت کے لئے دستے متعین کر دیئے تھے ان میں ایک دستہ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی متعین کیا تھا[2] حضرت ابوبکرؓ کی استقامت کی برکت سے جب دور دراز کے مسلمان سردار زکوٰۃ لے کر مدینہ پہنچے تو جس راستہ سے حضرت عدیؓ آئے اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ متعین تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ان کی حاضری کی بشارت لے کر پہنچے۔

---

[1] الحاکم: مناقب۔ [1] سیر اعلام النبلاء۔ ص ۱۵۱

[2] صدیق اکبر ص ۱۷۲

۳۲۔ عہدِ فاروقی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ نامزد فرمایا۔ ان کے دورِ خلافت میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی فاتحانہ سرگرمیوں میں حصّہ لینے کے لئے کمربستہ ہوگئے چنانچہ ۱۵ھ میں یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں شریک ہوئے اور خوب خوب اپنی تلوار کے جوہر دکھائے[1]۔ حمص جب فتح ہوا تو اس کا خمس آپ ہی کے ہاتھ حضرت عمرؓ کو مدینہ روانہ کیا گیا۔

ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پانی کی قلت کی تکلیف پیش آئی۔ لوگوں نے اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا۔

لهو ان يفجر الله له عينا	البتہ آپ کے متعلق یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ
ليسقيه منها واصحابه	آپ کے لیے چشمہ جاری کر دے بجائے اس کے
اظن عندى من ان يقتله	کہ آپ اور آپ کے ساتھی پیاسے ختم ہو جائیں
عطشاً۔	

قضاۃ کے تقرر میں سب سے اہم کام قابل اور متدین حکام کا انتخاب ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس اہم عہدہ کے لیے جن کا انتخاب کیا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے ۲۰ھ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قاضی بنا کر ان کے ساتھ کر دیا اس کے علاوہ بیت المال کی نگرانی و ذمہ داری بھی ان ہی کے سپرد فرمائی۔ مسلمانوں کی تعلیم اور مذہبی امور کی

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۷

نگرانی اور امیر کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان ہی کو سونپے گئے۔ اہلِ کوفہ کے نام حضرت عمرؓ نے (امیر عمارؓ اور حضرت عبداللہؓ (قاضی) کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات ظاہر فرمائے۔

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر	بیشک میں نے تمہارے لیے عمار بن یاسرؓ کو امیر
امیراً وابن مسعود معلماً و	(گورنر) بنا کر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو استاد و
وزیراً وقد جعلت ابن مسعود	وزیر بنا کر روانہ کیا ہے اور بیت المال کی
علی بیت مالکم وانهما لمن	نگرانی بھی عبداللہ بن مسعودؓ کے سپرد کی ہے
النجباء من اصحاب محمد	یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
من اهل بدر فاسمعوا لهما	صحابہ میں بڑے شریف لوگوں میں سے ہیں۔
واطیعوهما[1]۔	یہ شرکاء بدر سے ہیں ان کی باتیں سنو اور ان کا
	کہا مانو۔

حضرت عبداللہ پورے دس برس تک اپنے علمی اور انتظامی کاموں میں مصروف رہے اور ان سہ گونہ فرائض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دیا اور انہوں نے علم کی اشاعت اس انہماک اور سرگرمی سے کی کہ کوفہ مکّہ و مدینہ کے برابر کا تیسرا دارالعلم بن گیا۔ اپنے ورع و تقویٰ اور علمی خدمت کی وجہ سے اہل کوفہ کی نظر میں بھی اس قدر ہردلعزیز ہو چکے تھے کہ دربارِ خلافت میں کسی نے نہ آپ کی شکایت کی اور نہ برطرف کرنے کا مطالبہ کیا حالانکہ خود گورنر کے بدلنے کا مطالبہ کرتے تھے لیکن آپ کی ذات کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ جب دفن ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنازہ کی نماز نہ پا سکے

[1] اعلام الموقعین فصل ۸۶ - اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۸

تھے۔ دفن کے بعد ان کی قبر پر کھڑے ہوتے جاتے تھے اور فرطِ غم سے چادر گر جاتی تھی۔ آپ فرماتے تھے اگر مجھے آپ پر نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو آپ کی تعریف تو کر سکتا ہوں۔ آپ حق کے مقابلے میں بڑے سخی تھے اور ناحق کے سلسلہ میں بڑے بخیل، خوشی کے موقع پر آپ خوش ہوتے تھے اور ناراضی کے موقع پر ناراض۔ آپ بے جگہ عیب چینی نہیں کرتے تھے اور نہ بے موقع تعریف۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف سے بڑی جزا دے[1]۔

۳۳۔ عہدِ عثمانی

حضرت عمرؓ ذی الحجہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے اور حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوئے یوں تو حضرت عمرؓ کے زمانہ ہی میں حکام و امراء ادلتے بدلتے رہے۔ بعض کی شکایتوں ہی کی بناء پر تبدیلی ہوئی مگر امیر المومنین کی قوت میں کوئی تزلزل نہ آیا تھا۔ مگر حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں انقلاب سیاست کی پہلی ہوا چلی جس سے لوگوں کے قلب پر اطاعت امیر کا جذبہ کمزور پڑ گیا اور بار بار کے احتجاج پر یکے بعد دیگرے کوفہ کے والی بدلے گئے اور یہ تبدیلی امیر المومنین کی قوت سے نہ ہوتی تھی بلکہ گرفت کی کمزوری کی وجہ سے امیر المومنین امیر و حاکم کے بدلنے پر مجبور ہوتے تھے۔ یہ تھے وہ گوناگوں انقلابات جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے عہد کی طویل مدت میں دیکھے۔

۳۴۔ حضرت سعدؓ کی معزولی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے عہدۂ قضا کے دوران کوفہ کے کئی گورنر اہلِ کوفہ کی شکایت پر معزول کیے گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو بھی حضرت عثمانؓ

---

[1] عقد الفرید ج ۲ ص۶ باب التعازی الوقف علی القبور

نے کوفہ کا گورنر بنایا۔ اپنی گورنری کے زمانہ میں اُنھوں نے ایک مرتبہ کسی ضرورت سے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی۔ بیت المال کی نگرانی بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ذمہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوفہ کے کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ بیت المال آپ کی نگرانی میں ہے اور سعد بن ابی وقاصؓ بڑی حیثیت کے آدمی ہیں جو بیت المال کی رقم ادا کرنے میں بلا وجہ تساہل سے کام لے رہے ہیں آپ ان سے مطالبہ کیجئے۔ اِدھر سعد بن ابی وقاصؓ سے ان کے حاشیہ نشینوں نے کہنا شروع کیا کہ آپ سابقون اوّلون میں سے ہیں اور آپ نے اپنی ضرورت کے لئے رقم لی ہے اور اس زمانہ میں مسلمان مرفہ الحال ہیں۔ ایسی کوئی ضرورت نہیں کہ جلد رقم بیت المال کو واپس کی جائے ان بزرگوں کو ان دو طرفہ ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا جب بہت روز ہو گئے تو اُنھوں نے حضرت سعدؓ سے رقم واپس کرنے کا مطالبہ کیا[1]۔ ایک روز اسی سلسلہ میں حضرت سعدؓ اور حضرت عبداللہؓ کے درمیان تلخ کلامی کی نوبت آگئی اور حضرت سعدؓ نے غصہ میں اپنا عصا زمین پر پھینک دیا اور عبداللہ بن مسعودؓ پر بددعا کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ مگر ابھی ان کی زبان سے اسی قدر الفاظ نکلے تھے کہ "اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے" حضرت عبداللہؓ نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بددعا نہ دیجئے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ مجھے اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو یقین جانو میں تمھارے لیے سخت بددعا کرتا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ بغیر کچھ کہے وہاں سے چلے آئے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت عثمانؓ کو ہوئی تو آپ

---

[1] فتح الباری جلد ۷ مناقب عثمانؓ ص۴۵

[2] اس واقعہ کا آخری ٹکڑا بھی فتح الباری ص۴۵ میں ہے۔

دونوں سے بہت ناخوش ہوئے اور حضرت سعدؓ کو کوفہ سے مدینہ بلایا۔[1] یہ ۲۶ھ کا واقعہ ہے۔

۳۵۔ حضرت عثمان (خلیفۂ وقت) اطاعت

حضرت عثمانؓ نے آپ کا قرآن آپ سے طلب کیا آپ نے اختلاف کیا اور دلی رنج کا بھی اظہار کیا۔ مگر امیر کے حکم کی تعمیل میں اختلاف المسلمین کے فتنہ کو روکنے کے لئے آپ خاموش ہو گئے قرآن پر عمل عادت اس قدر مستحکم ہو گئی تھی کہ آپ نے امیر المومنین کے حوالگیٔ مصحف کے حکم کی تعمیل کی گو کہ اپنے مصحف کا برباد کرنا طبع لطیف پر بے حد شاق تھا اور آپ نے حضرت عثمانؓ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر جب حکم باقی رکھا گیا تو اس کی تعمیل کی اس سلسلہ میں حضرت عبداللہؓ کو سخت گھٹن سے دوچار ہونا پڑا مگر نہایت کامیابی سے اس دشوار منزل سے گذر گئے۔

۲۹ھ کا واقعہ ہے کہ حج کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ نے منیٰ میں بجائے دو کے چار رکعتیں پڑھیں، چونکہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کی سنت کے خلاف تھا، اس لئے صحابہ میں بڑی برہمی پھیل رہی تھی۔ عبداللہ بن مسعودؓ ابوذرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک طرف آپس میں اظہار تعجب اور افسوس کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان پر بار بار یہ فقرہ آ رہا تھا۔

حظی من اربع رکعات	ان چار رکعتوں میں سے اللہ تعالیٰ میری
رکعتان متقبلتان۔	دو ہی رکعتیں قبول کر لے۔

لیکن خلیفۂ وقت کی اطاعت کو ان کی دقیق ایمانی بصیرت ان تمام باتوں

[1] فتح الباری ص۴۵ طبری ص۲۸۱۱

پر ترجیح دے چکی تھی اگرچہ عثمان غنیؓ کے اس عمل پر ان کو تعجب ہوا اور زبان سے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا لیکن عمل میں اُنھوں نے خلیفہ کا اتباع ہی کیا یعنی خود بھی منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں ادا کیں اور جب لوگوں نے خصوصاً حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس پر حیرت ظاہر کی کہ آپ نے وہی کیا جو حضرت عثمانؓ نے کیا حالانکہ آپ اس پر اظہار ناپسندیدگی کر چکے ہیں تو حضرت عبداللہؓ کا جواب یہ تھا۔

الخلاف شر قد بلغنی انہ	اختلاف بری چیز ہے مجھ کو خبر ملی کہ حضرت
صلی اربعا فصلیت مع	عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی ہے
اصحابی اربعاً[1]	میں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار ہی رکعت نماز پڑھی۔

لوگوں نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کے سلسلہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی تنخواہ دو سال تک روک دی۔

۳۶۔ ولید بن عقبہ کی گورنری

حضرت عثمان غنیؓ کے آخری زمانہ میں کوفہ میں آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس طرح خلیفۂ وقت کی مخالفت کا بازار گرم ہو گیا تو حضرت عبداللہؓ کو بھی بہت سی پیچیدگیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جن دنوں ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر تھے حضرت عبداللہؓ کی عدالت میں ایک ساحر اس الزام میں پیش ہوا کہ یہ امیر کو اپنی بازی گری دکھا رہا تھا، مقدمہ پیش کرنے والوں کا مقصد بازی گر کو سزا دلانے سے زیادہ والیٔ کوفہ کو بدنام کرنا تھا۔ والیٔ کوفہ سے ان لوگوں کے کد کی وجہ یہ تھی کہ ۲۹ھ

[1] طبری ص۵۰ جلد ۲

کے لواخر یا ۳۰ھ کے اوائل میں چند لوگوں نے ایک مکان میں نقب لگائی عین نقب کے وقت مالک مکان کی آنکھ کھل گئی اور معاملہ بھانپ کر اُس نے مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔ افشاء راز کے ڈر سے نقب زنوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اسی درمیان میں آواز سن کر کچھ لوگ آ چکے تھے، اُنھوں نے نقب زنوں کو پکڑ لیا۔ مقدمہ ولید بن عقبہ کے سامنے پیش ہوا۔ ولید نے ان کو حراست میں رکھنے کا حکم دیا اور واقعات حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجے۔ مالک مکان کے قتل کے جرم میں ان کو سزائے موت کا حکم آیا ولید بن عقبہ نے ان سب کو قتل کرا دیا۔ نقب زنوں کی اولاد اور دیگر عزیز و اقارب ولید سے انتقام لینے کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ اُنھوں نے ان کے خلاف مہم شروع کر دی اور اس مہم میں بہت سے ایسے مفسدین بھی ان لوگوں کے ساتھ ہو گئے جو حضرت عثمانؓ یا ولید سے ذاتی عناد رکھتے تھے۔ وہ ساحر جو حضرت عبداللہؓ کی عدالت میں پیش ہوا تھا۔ پہلے ولید کے دربار میں لایا گیا تھا جسے یہ شہرت دی گئی کہ ولید نے اسے تماشہ دکھانے کی غرض سے بلایا تھا۔ ولید نے اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے ساحر ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کو مرعوب کرنے کے لیے وہ گدھے کی دم میں گھسا اور منہ سے نکل آیا۔ ولید نے فیصلہ حضرت عبداللہؓ کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ نے تفتیش کے بعد اس کے قتل کا فیصلہ دے دیا۔ درپے انتقام گروہ کی تشفی نہ ہوئی اور یہ مشہور کر دیا کہ ولید جادو کا تماشہ دیکھتا ہے اور یہ بات اپنی طرف سے گھڑ لی کہ ولید کو جادوگر سے کافی دلچسپی ہے اور وہ اس فتویٰ پر عمل نہ ہونے دیں گے۔ اسی گروہ کے ایک شخص جندب نے کوشش کی کہ ساحر کو مار ڈالے لیکن ناکام رہا اور گرفتار ہوا۔ جادوگر مہلک طور پر زخمی ہو گیا۔ ولید نے پھر دربار خلافت میں اس واقعہ کی اطلاع دی اور پوچھا کہ جندب

کو کیا سزا دی جائے وہاں سے جواب آیا کہ جندب سے حلف لو کہ اس کو اس کا علم نہ تھا کہ جادوگر کے قتل کی سزا صادر ہو چکی ہے نیز وہ بیان کرے کہ اس کو اس کا یقین تھا کہ جادوگر کو سزا نہیں دی جائے گی۔ اس کے بعد اس کو مناسب سزا دی جائے اور لوگوں کو متنبہ کر دیا جائے کہ خیال و گمان کی بنیاد پر کچھ کر نہ گذریں اور نہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ مجرم اور قاتل کی تحقیق اور تحقیق کے بعد سزا دینا ہمارا کام ہے[1]۔

۲۷۔ ولید بن عقبہ کی ناراضی

ولید نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خلافت کے اس جواب کی اطلاع کی حضرت عبداللہؓ نے اسی کے مطابق سزا نافذ کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے کہا۔ "لوگو! آپ لوگوں کا عمل درست نہیں ہے کہ آپ محض شک و شبہ کی بنیاد پر ایسا کام کر گزریں جس سے حکام کے کاموں میں رکاوٹ ہو۔ مجرموں اور قاتلوں کو سزا دینا حکام کا کام ہے اس لیے آپ لوگ ایسے معاملات میں دخل نہ دیا کریں" یہ معاملہ تو اس طرح رفع دفع ہو گیا۔ لیکن مخالفین اور تنقید کرنے والوں کی تشفی نہ ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ کے پاس یہ شکایت پہنچائی گئی کہ ولید چھپ کر شراب پیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے پوشیدہ عیوب کے تجسس کی اجازت نہیں۔ ولید نے سنا کہ میری شکایت کرنے والوں کو عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ جواب دیا ہے تو ناراض ہو کر اُنھیں بلوا بھیجا اور پوچھا کہ مجھ پر تہمت لگائی گئی ہے اس سے برات کی شکل کیا ہو سکتی ہے[2]۔ چونکہ میرا جرم تجسس کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور تجسس سے روکا گیا ہے اس لئے

---

[1] تاریخ الامم ۵/۶۱، تاریخ طبری ص۲۸۵ [2] تاریخ طبری ص۲۸۴۵

سزا نافذ نہیں کیجا سکتی لیکن میرے دامن کا داغ اس سے نہ دھلے گا۔ حضرت عبداللہؓ نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی مزید برآں ایک واقعہ اور ہوا۔ چونکہ خلفائے راشدینؓ کے دورِ خلافت میں حکام اور عاملین کو نہایت سادہ زندگی بسر کرنے

۱؎ اس کی شراب خوری کا ثبوت حضرت عثمانؓ کو شہادت سے مل گیا تو حضرت علیؓ کو حد جاری کرنے کے لئے فرمایا۔ حضرت علیؓ نے چالیس کوڑے لگوائے (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کتاب الحدود)

ولید بن عقبہ ابی معیط حضرت عثمان کا اخیافی بھائی تھا۔ اس کی بہن حضرت امِّ کلثوم کا اسلام کے لئے یہ جرأت مندانہ اقدام کہ وہ مسلمان ہو کر مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تنہا آگئیں۔ ان کے دونوں بھائی واپس لینے آئے مگر وہ نہ گئیں تاریخ اسلام میں یہ ایک امتیازی واقعہ ہے۔

ولید کے حالات کے ضمن میں علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

ولقد كان من رجال قريش ظرفا وحلماء وشجاعة وادبا وكان من الشعراء المطبوعين۔	بیشک وہ قریش کے مردوں میں اپنی خوش بیانی، بردباری، بہادری اور سلیقہ کے لحاظ سے (ممتاز) اور خوش گو شاعر تھا۔
كان الاصمعی وابو عبیدة وابن الكلبی یقولون فكان شاعرا كریما۔	مشہور ادیب اور لغوی اصمعی ابو عبیدۃ اور ابن الکلبی کہتے ہیں کہ وہ بہت معزز شاعر تھا۔

اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں:۔

كان ولید بن عقبة فاسقا شریب خمر لغبارة فی شرب الخمر ومنادمة ابا زبید الطائی مشهورة كثیرة	ولید بن عقبہ بدکار تھا، شراب کا بیوٹ تھا شراب کے پینے کے سلسلے میں اس کے واقعات اور ابو زبید طائی (مشہور بیوٹ) کے ساتھ اس کی صحبتِ شراب

(باقی صفحہ ۸۱ پر)

کی تاکید تھی۔ کوفہ کے حاکم اعلیٰ ہونے کے باوجود ولید نے اپنے دروازہ پر کسی قسم کا پہرہ وغیرہ نہیں بٹھایا تھا۔ اس صورتِ حال سے مخالفین نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ایک روز جب کہ ولید بن عقبہ سویا ہوا تھا ان کی انگلی سے سرکاری مہر والی انگوٹھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰)

یسمج بنا ذکرها ههنا ولہ اخبار فیها نکارة وشناعة تدل بقطع علی سوء حالہ وقبح افعالہ غفر اللہ لنا ولہ۔	نوشی بہت مشہور رہے۔ اس کا یہاں ذکر کرنا طبیعت کو گوارا نہیں اس کے اور بھی حالات ہیں جس میں اس کی شریعت سے دوری اور استخفاف ہے۔ یہ سب حالات یقیناً بتلاتے ہیں کہ دین کے لحاظ سے اس کا حال اچھا نہ تھا اور اس کے افعال بہت بُرے تھے، اللہ تعالیٰ ہماری اور اس کی مغفرت کرے۔

پھر یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

صلی باهل الكوفة صلاة الصبح اربع ركعات ثم التفت الیهم فقال ازیدكم فقال عبداللہ بن مسعودؓ ما زلنا معك زیادة منذ الیوم۔	کوفہ میں اس نے صبح کی نماز میں چار رکعتیں پڑھائیں نماز کے بعد وہ نمازیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے نماز میں اضافہ کر دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے (طنزاً) فرمایا کہ جب ہم تیرے ساتھ ہیں۔ ہم کو آج تک ترقی ہوتی رہی ہے۔

اس واقعہ پر ابن عبدالبر اپنی یہ رائے لکھتے ہیں:۔

هذا مشهور عن روایة الثقات من	یہ واقعہ ثقہ روایتوں کے ذریعہ سے نقل ہوتا آیا ہے،

(باقی صفحہ ۸۲ پر)

اتارلے گئے اور سب کو دکھا کر یہ مشہور کیا کہ ولید شراب کے نشہ میں مدہوش تھا اسی حالت میں ان کی انگلی سے یہ انگوٹھی نکال لی گئی اور اس کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ یہ ایک ایسی گرفت تھی جس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے

(بقیہ صفحہ ۴۱)

نقلۃ اھل الحدیث واھل الاخبار۔

ان میں محدثین بھی ہیں اور مورخین بھی

امام مسلمؒ، ابو داؤدؒ، اور ابن ماجہؒ تینوں نے کتاب الحدود میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں بھی لکھتے ہیں۔

ان الولید کان یشرب الخمر وحد علی شرب الخمر

ولید شراب پیتا تھا اور شراب پینے کے سلسلہ میں اس پر حد جاری کی گئی۔

علامہ ابن عبد البر رقمطراز ہیں۔

ولا خلاف بین اھل العلم بتاویل القرآن فی ما علمت ان قولہ عز وجل اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا انزلت فی الولید بن عقبۃ وذالک انہ بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بنی المصطلق مصدقا فاخبر عنھم انھم ارتدوا وابوا عن اداء الصدقۃ وذالک انھم قد خرجوا الیہ فھابھم ولم یعرف ما عندھم

تمام علماء اس آیت کی تفسیر میں بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ان جاءکم فاسق بنباء میں فاسق سے مراد یہ ولید بن عقبہ ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا اس نے وہاں سے واپس آکر جھوٹی خبر دی کہ نعوذ باللہ وہ مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ بنی مصطلق کو خبر ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

زیرک و صاحب فراست انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ مخالفین کی بات کو صحیح سمجھیں یا ولید نے جو نیند کا عذر بیان کیا ہے اس کو سچ باور کریں پھر بھی آپ نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲

فانصرف عنھم واخبر بما ذکرنا فبعث الیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن ولید وامرہ ان یتثبت فیھم فاخبروہ انھم متمسکون بالاسلام ونزلت یایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا الایۃ۔[1]

بھیجا ہوا عامل آرہا ہے، وہ سب کے سب اس کے استقبال کے لئے نکلے (اس زمانہ میں قاعدہ یہی تھا کہ جس کی عزت کرتے اپنے پورے لباس اور مکمل ہتھیاروں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے) ولید نے جب فوج کی فوج کو آتے دیکھا تو ڈر گیا۔ ان کے ارادوں کا اس نے پتہ نہیں چلایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹی خبر دی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو روانہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ صحیح واقعہ کا پتہ چلائیں تو انھوں نے آکر بتایا کہ وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم ہیں اس کے بعد آیت بالا نازل ہوئی۔

یہ بات مفسر واحدی نے اسباب النزول میں اور اپنی تفسیر الوسیط میں بھی نقل کی ہے علاوہ ازیں المعانی تفسیر قرطبی تفسیر عبد الصمدی الحنفی تفسیر ابن الجوزی تفسیر مفاتیح الغیب فخر الدین رازی میں بھی نقل ہے۔ اس شانِ نزول کے سواء دوسری شان نزول لکھی ہی نہیں۔[2]

---

[1] استیعاب ص ۶۰۴ مطبوعہ دائرۃ المعارف

[2] الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم علامہ ابی عبداللہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی ص ۱۴۷ (ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ)

اپنی ذکاوت سے مخالفین کو ٹالا آپ ولید کی ہم نوائی سے مجبور تھے۔ ولید آپ سے ناراض ہو گیا آپ نے اس کی پروا نہ کی اس کے بعد بیت المال سے ایک لاکھ درہم چوری ہو گئے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳

قال الولید لامیر المومنین علی رضی الله عنه انا احد منك سنانا واذرب منك لسانا واشجع منك جنانا فقال له اسکت فانما انت فاسق فنزلت افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا واه الذهبی وقال اسناده قوی.

ولید نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرا نیزہ آپ سے زیادہ تیز ہے اور میری زبان آپ سے زیادہ چلتی ہے اور دل کے لحاظ سے آپ سے زیادہ بہادر ہوں۔ حضرت نے فرمایا چپ رہو تم بدکاری تو ہو تبھی تو یہ آیت نازل ہوئی تھی "افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا"۔ ذہبی نے اس کی سند کو قوی بتلایا ہے۔

ڈاکٹر احمد امین فجر الاسلام میں لکھتے ہیں۔

بل کثیر من شبان بنی امیه و بعض شباب بنی هاشم کانوا یعیشون عیشة هی الی الجاهلیة اقرب منها الی الاسلام شراب وصید وغزل ویزید بن معاویة وصحبه ان شئت فاقرا سیرة الولید بن عقبة الاموی کان من فتیان قریش وشعراء هم

بنی امیہ کے بہت سے نوجوان اور بنی ہاشم کے بعض نوجوانوں کی بود و باش اسلام کی بجائے کفر سے قریب تر تھی۔ ان کے مشاغل شراب خوری، شکار بازی اور گانا بجانا تھے، یزید بن معاویہؓ اور اس جیسے لوگوں کو ہی دیکھ لو۔

اگر تم چاہتے ہو کہ ولید بن عقبہ کی سیرت پڑھو تو جان لو کہ وہ قریش کا ہیرو اور ان کا بڑا شاعر تھا، وہ بڑا بہادر اور سخی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کوفہ کا گورنر بھی ہوا۔ تم اس کو کھلے طور پر دیکھو گے

۳۸۔ حضرت عبداللہ کی کوفہ سے مدینہ کو واپسی

آپ کی مدینہ کو واپسی کے سلسلے میں مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کے اختلاف پر حضرت عثمانؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ ناراض ہو گئے تھے

(بقیہ ص ۷۴)

وشجعانهم واجوادهم وولی الکوفة لعثمان ترا احیانا لم یوثر فیها الاسلام کثیرا انهمك فی الشراب .... الی غیر ذلك من کرم جاهلی وعصبة جاهلیة

کہ اسلام نے اس میں نفوذ ہی نہیں کیا تھا وہ بہت کثرت سے شراب پیتا تھا۔ اس میں قدیم مشرکین جیسی سخاوت بھی تھی اور خاندانی حمیت بھی۔

اگر تفصیل چاہیں تو الاغانی جلد ۴ ص ۱۷۵ سے ص ۱۹۰ تک پڑھ جائیں اور جلد ۱۴ ص ۱۹۴ میں بھی اس کا حال ہے۔

ولید بن عقبہ نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے کوفہ کی گورنری کا چارج لیا تھا۔

جب وہ کوفہ پہنچے تو حضرت سعدؓ نے فرمایا:۔

والله ما ادری اکست بعدنا ام حمقنا بعدك۔

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ ہمارے مدینہ سے آنے کے بعد تو فرزانہ ہو گیا ہے یا ہم تیرے بعد احمق ہو گئے

اس نے جواب میں کہا۔

لا تجزعن یا ابا اسحق فانما هو الملك یتغداه قوم ویتعشاه آخرون۔

اے ابو اسحاق (کنیت حضرت سعدؓ) آپ کو اس سے وحشت نہ ہونی چاہیئے یہ تو حکومت ہے دن میں ایک قوم ظہرانہ کھاتی ہے تو شب میں دوسری قوم عشائیہ۔

اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا۔

اراکم والله ستجعلون ملکا۔

مجھ کو اندازہ ہو رہا ہے کہ تم اس خلافت کو ملوکیت بنا کر چھوڑو گے۔

مگر یہ خفگی نقطۂ نظر کے اختلاف کی بناء پر تھی۔ حضرت عثمانؓ کی نگاہ میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی چنانچہ متعدد گورنروں کے بدلنے کے باوجود آپ اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔ لیکن جب اندرونی سازشوں اور فتنہ پردازیوں کا سلسلہ بڑھا تو حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے اخیر ایام میں آپ کو عہدۂ قضا سے معزول کر دیا۔ یہ خبر جس وقت کوفہ پہنچی تو امیر المومنین کے خلاف وہاں کے لوگوں میں غم و غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ احباب و شاگردوں نے اس پر احتجاج کیا اور انھوں نے محسوس کیا کہ وہ (اہل کوفہ) بلاوجہ اپنے علمی محسن اور دین کے مربی سے محروم کئے جا رہے ہیں۔

آپ کے عقیدت مندوں، احباب اور شاگردوں نے چاہا کہ امیر المومنینؓ کے اس فرمان عزل کی آپ تعمیل نہ کریں اور اپنے فرائض انجام دیتے رہیں اگر خلیفہ کا عتاب ہوگا تو وہ سب کے سب آپ کے سپر بن جائیں گے۔ مگر حضرت عبداللہؓ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ نہ ذاتی اغراض نے ان کا دامن تھاما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷)

اس کے گورنر ہونے پر خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اسی طرح تعجب ہوا جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ہوا تھا چنانچہ آپ نے اس کے گورنر ہو کر آنے پر پوچھا۔

ماجاء بك — تم کیسے آئے؟

اس نے کہا۔

جئت امیرا — میں گورنر بن کر آیا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی وہی بات فرمائی جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کہی تھی، صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

ما ادری اصلحت بعدنا ام فسد الناس۔ — پتہ نہیں کہ ہمارے مدینہ چھوڑنے کے بعد تم نے اپنی اصلاح کر لی ہے یا دنیا ہی فساد کے رُخ پر پڑ گئی ہے۔

اور نہ اقتدار کی ہوس نے ان پر کمند پھینکی۔ اپنے حامیوں کی کثرت کے باوجود ان کو بالکل ناراض کرنا گوارا کر لیا۔ مگر امیر کے حکم سے سرتابی نہ کی۔ حضرت عبداللہؓ نے اس درخواست کو قبول نہیں کیا اور مخالفت امیر کا وبال اپنے سر لینا کسی طرح منظور نہیں کیا۔ کیونکہ وہ امیر کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سمجھتے تھے۔ اور چشم بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ اس نافرمانی سے فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ وہ نہ عہدہ کے متمنی تھے اور نہ عہدہ کی وجہ سے وقار کے طالب۔

اپنی خدمت پر قائم رہنا آپ نے کسی طرح منظور نہیں کیا اور کہا کہ امیر المومنینؓ کی اطاعت مجھ پر فرض ہے نہیں چاہتا کہ فتنہ و فساد سے جو دنیا بھر جانے والی ہے اس میں میری شرکت کا شائبہ بھی ہو۔ غالباً یہ امر بھی ان کے پیش نظر ہوگا کہ ایک علم کے خدمت گزار کے لئے اس سے زیادہ شکر کا موقع کیا ہوگا کہ اس کو حکومت کے کاموں سے فرصت میسّر آ جائے اور یکسوئی کے ساتھ وہ علم و دین کی خدمت میں لگ جائے۔ چنانچہ آپ عمرہ کی نیت کر کے اپنے شاگردوں اور معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ حجاز روانہ ہو گئے یہ تو اس عالمِ اسباب کے واقعات ہیں اور درحقیقت قرب نبیؐ کی کشش آپ کو مدینہ کھینچ کر لا رہی تھی۔

اس زمانے میں امیر کی اطاعت کی یہ بڑی عمدہ مثال ہے اس کی نظیر ان ہی جیسے عالی مرتبہ صحابہؓ کی زندگی میں آپ کو ملے گی۔ ابھی آپ نے پڑھا کہ فاتح قادسیہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عثمانؓ کا فرمان ملتے ہی گورنری چھوڑ دی۔ بغیر کسی مزاحمت کے مدینہ چلے آئے۔ صحابہ میں اس قسم کے مطیع الامر حضرت ابوذرؓ بھی تھے۔ حضرت ابوذرؓ کو آپ سے خاص مناسبت تھی۔ اسلام لاتے ہی انھوں نے توحید کا اعلان مشرکین مکّہ کے سامنے اسی طرح کیا جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے

بیت اللہ کے پاس جرأت اور ہمت سے کام لے کر مشرکین کو قرآن سنایا تھا۔[1] مشرکین نے حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ جو سنگدلانہ برتاؤ کیا تھا اسی قسم کا برتاؤ حضرت ابوذرؓ کے ساتھ کیا۔[2] حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ اور حضرت ابوذرؓ کا اپنے عہدوں کو چھوڑنا کسی کمزوری اور بے بسی کی وجہ نہ تھا بلکہ آخرت ان کے پیش نظر تھی۔ وہ امیر کی نافرمانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سمجھتے تھے۔ ان حضرات کی نظر میں دنیا زندگی گذارنے کا ایک راستہ تھی، منزل نہ تھی۔ اس لئے یہ لوگ اپنے عہدوں کو اپنی زندگی کا مقصد نہ سمجھتے تھے کہ ان کے چھوڑنے سے ان کے دل کو کچھ قلق ہو۔ یہ تو آپ کی مدینہ کو واپسی کے اسباب میں عام مورخین کا بیان ہے لیکن اعمشؒ عبداللہ بن سنان سے روایت کرتے ہیں کہ ولید کی گورنری کے زمانہ میں ایک دن کوفہ کی مسجد میں حضرت عبداللہؓ نے اعلان کیا اے اہل کوفہ! آج میں تمہارے بیت المال سے ایک لاکھ درہم کم پاتا ہوں جس کے متعلق میرے پاس امیر المومنین کا کوئی حکم نہیں ہے اور نہ جس کی ذمہ داری سے امیر المومنینؓ نے مجھ کو بری اور سبکدوش کیا ہے۔ ولید نے اس کی اطلاع مدینہ کر دی اس پر حضرت عثمانؓ نے بیت المال کی نگرانی سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور مدینہ بلا لیا۔ اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؓ نے یہ سمجھ لیا کہ اہل کوفہ نے شرارتاً آپ کو بدنام کرنا چاہا ہے۔ لہذا آپ کو مدینہ بلا لیا۔[3] اور شاید اس صدمہ سے آپ بہت بیمار ہو گئے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

---

[1] اصابہ [2] کتاب المناقب بخاری اسلام ابی ذرؓ

[3] فتح الباری ج ۳ ص ۲۱۷۔

۲۹۔ حضرت ابوذرؓ کی آخری خدمت

حضرت ابوذرؓ کو صحابہ میں یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ بہت صاف گو تھے اور برملا نصیحت کرتے تھے۔ دُنیاوی مصلحت بینی سے بہت دُور تھے۔ آپ کی افتادِ طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا تھا۔

حدثنی ابوذرؓ قال رسول اللہ	جب مدینہ شریف کی آبادی سلع تک پہنچ
صلی اللہ علیہ وسلم اذا بلغ البناء	تو تم شام چلے جانا چنانچہ جب مدینہ کی آبادی
بالمدینہ سلعاً فدمت الشام	سلع تک بڑھ گئی تو آپ شام تشریف
فکنت بھا فذکر الحدیث نحوہ۔[1]	لے گئے۔

شام میں آپ کے کھرے کھرے پند و نصائح سے شام کے عوام اور حضرت معاویہؓ میں سخت اختلاف ہو گیا۔[2] جس پر ان کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ منورہ بلوالیا۔ یہاں بھی ان کی حق گوئی اور پند و نصیحت کو لوگ برداشت نہ کر سکے اور ایسی صورت حال ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں مدینہ چھوڑ کر کہیں اور سکونت اختیار کرنے کے لیے کہا آپ نے اپنے لیے ربذہ پسند فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی اور آپ کے وہاں جانے اور رہنے سہنے کا سامان مہیا کر دیا۔[3] آپ آخرِ زمانہ حیات تک اپنی بیوی اور لڑکی کے ساتھ وہیں رہے۔ تا ایں کہ ۳۲ھ میں آپ بیمار پڑے اور بیماری نے طول کھینچا اور آپ کافی کمزور ہو گئے۔ ربذہ

---

[1] عقد الفرید ج ۵ ص ۵۴ العسجدۃ الثانیہ

[2] عقد الفرید ج ۵ ص ۵۴ العسجدۃ الثانیہ

[3] فتح الباری کتاب الزکوۃ باب ما ادتی زکاتہ فلیس بکنز ۱۲۰

ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حج کے موسم کی وجہ سے جو تھوڑے بہت لوگ یہاں رہتے تھے وہ بھی مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوذرؓ کی بیوی یہ دیکھ کر کہ آپ کی زندگی کا وقت بہت کم رہ گیا ہے اور گاؤں کے لوگ حج کو چلے گئے ہیں ان کے واپس ہونے میں دیر ہے میں اور میری بیٹی اس جاں گداز واقعہ کو کس طرح برداشت کریں گی اور کفن دفن کے فرض سے کس طرح عہدہ بر آ ہوں گی اس رنج و فکر سے آپ رونے لگیں۔ آپ نے نہایت ہی اطمینان و سکون سے ان سے کہا کہ تم مطلق فکر نہ کرو۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت سے جس میں میں بھی تھا یہ فرمایا کہ "تم میں ایک شخص سنسان وادی میں مرے گا لیکن اس کے جنازہ میں مسلمانوں کا ایک معزز گروہ شریک ہوگا" میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبوں میں جتنے لوگ تھے وہ سب کے سب انتقال کر چکے۔ صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ اس سنسان وادی میں ضرور ایک معزز گروہ آئے گا تم سڑک پر جاؤ اور دیکھو کہ کون لوگ آ رہے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ آج آٹھ ذی الحجہ ہے حج کا وقت آ گیا ہے جس کو مکہ پہنچنا تھا وہ مکہ پہنچ چکا راستہ بالکل سنسان پڑا ہے۔ ابوذرؓ نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو فرمایا تھا وہ ہو کر رہے گا تم سڑک پر جا کر دیکھو۔ ضرور بالضرور کچھ لوگ میرے جنازے میں شرکت کے لئے آ رہے ہیں بیوی کہتی ہیں کہ میں راستے پر چلی گئی دیکھتی کیا ہوں کہ ایک قافلہ چلا آ رہا ہے۔ قافلہ والوں نے دیکھا کہ میں سرِ راہ بڑی پریشانی میں کھڑی ہوں ان لوگوں نے اپنے اونٹ روک دیئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ آپ پر کیا مصیبت پڑی آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں! میں نے جواب دیا کہ ایک مسلمان کا آخری وقت ہے خدا کے واسطے اس کے کفن دفن کا سامان کیجیے اس بیچارے مسلمان کے پاس کفن

بھی نہیں۔ خدا کے یہاں آپ لوگ اجر پائیں گے۔ قافلہ والوں نے پوچھا وہ کون آدمی ہے۔ جواب ملا کہ ابوذرؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ سن کر قافلہ والوں میں ایک شور برپا ہو گیا اور وہ سب بیک آواز بولے: "ان پر ہمارے باپ ماں قربان"! سب نے سواریوں کو کھڑا کر دیا۔ اور روتے ہوئے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے۔

جب حضرت ابوذرؓ نے اپنی بیوی کو قافلہ والوں کی تلاش میں بھیجا تو اپنی صاحبزادی کو حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت چولہے پر چڑھا دو کیونکہ گھر میں مہمان آ رہے ہیں۔ آپ نے اپنی بیٹی کو تاکید کی جب وہ مجھے دفن کر چکیں تو ان سے کہنا کہ ابوذرؓ نے آپ کو قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کھانا نہ کھا لیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں[1]۔ صاحبزادی نے حسب الحکم ایک بکری ذبح کی اور اس کا گوشت چولہے پر چڑھا دیا۔

اہل قافلہ یمن کے قبیلہ نخع کے افراد تھے۔ جب وہ خیمہ میں آئے تو آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کاش میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے جو میرے کفن کے کام آتے۔ اب جو شخص مجھے کفن دے خدا کی قسم وہ کہیں کا والی نہ ہو اور نہ ہی سرکاری ڈاکیہ ہو۔ اس جماعت میں ایک انصاری نوجوان بھی تھا وہ بے اختیار بول اٹھا مجھ میں آپ کی پیش کردہ ساری شرطیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ میرے پاس دو چادریں ہیں جس کا سوت میری ماں نے کاتا ہے ایک چادر میرے بدن پر ہے یہ ملکر تین کپڑے کفن کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تم نے میرے دل کی گرہ کھول دی، اس کے بعد ابوذرؓ نے کہا میرا رُخ قبلہ کی طرف

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰۵

کردو۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور اس کے جلد ہی بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ان لوگوں نے آپ کو غسل دیا اور اس انصاری نوجوان نے کپڑے نکال کر دئے۔

یہاں تک تو کفن و غسل کا سامان تھا جو اللہ تعالیٰ نے مومن کی آرزو کے مطابق بہم پہنچا دیا اب دیکھیے اس شخص کی نماز جنازہ کا کیا نظم فرماتا ہے جس کے غسل و کفن کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

انھوں نے جنازہ اٹھا کر سڑک کے کنارے رکھ دیا اتنے میں کیا دیکھتے ہیں معلم الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مع اپنے شاگردوں کے احرام باندھے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ چونکہ آپ کو اپنے قدیم دوست اور رفیق حضرت ابوذرؓ کا آخری حق ادا کرنا تھا اس لئے حضرت ابن مسعودؓ عین اس وقت ربذہ پہنچے جب حضرت ابوذرؓ کا جنازہ لب سڑک رکھ دیا گیا تھا۔ یوں سرِ راہ جنازہ دیکھ کر آپ اور آپ کے ساتھی ٹھٹک گئے اور انھوں نے اپنے اونٹوں کو روک کر پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ اس پر اہل یمن کی جماعت نے بتایا کہ یہ حضرت ابوذر غفاریؓ صحابیٔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہے۔

ابن عبدالبر کی روایت ہے کہ آپ نے یہ سنتے ہی ایک چیخ ماری اور دیوانہ وار اپنے اونٹ سے اتر پڑے۔ آپ روتے جاتے تھے اور وارفتگی کے عالم میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

میرے دوست میرے بھائی! مبارک ہو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذرؓ اکیلا چلتا ہے اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا[1]۔

---

[1] مستدرک حاکم میں وفات ابوذرؓ کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ نے جو مفصل واقعہ نقل کیا ہے اس میں یہ ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں دیر سے حاضر ہوئے لوگوں نے حضور کو خبر دی کہ

(باقی صفحہ ۸۳ پر)

لوگوں نے ابن مسعودؓ سے جنازہ کی نماز پڑھانے کی درخواست کی جنازہ آگے رکھا گیا اس کو حضرت ابوذرؓ کی خوش قسمتی کہا جائے کہ جنازہ کی نماز کے امام وہ شخص ہیں جس کی مرضی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی فرمایا جس کے علم پر اعتماد کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور صف میں وہ جماعت تھی جس کے مسلمان ہونے کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی یا اس کو عبداللہ بن مسعودؓ کی خوش قسمتی کہا جائے کہ وہ ایسے جلیل القدر صحابی اور قدیم رفیق کا آخری فرض ادا کر کے سبکدوش ہوئے۔ تاریخ نے آپ کے جنازہ میں شرکت کرنے والوں کے نام محفوظ رکھے ہیں ان میں سے ایک اہل یمن کا قافلہ تھا جس میں نخعی قبیلے کے لوگ تھے۔ دوسرا قافلہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا تھا۔

نماز جنازہ کے بعد حضرت ابوذرؓ کو دفن کیا گیا۔ دفن کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ اپنے رفیقوں کے ساتھ تعزیت کے لئے خیمہ میں آئے۔ بیوی صاحبہ اور صاحبزادی صاحبہ کو تسلی کے کلمات کہے۔ خود سنبھلے اور ان کو بھی سنبھالا۔ جب تھوڑا سا سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادہ سے اٹھے حضرت ابوذرؓ کی صاحبزادی نے پوچھا کہاں تشریف لے چلے۔ والد صاحب نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا نہ لیں سوار نہ ہوں

(بقیہ حاشیہ ص۸۲) ایک شخص اکیلا چلا آرہا ہے اس وقت آپ نے فرمایا تھا کن ابا ذر جب ابوذر قریب پہنچے تو لوگوں نے آپ کی تصدیق میں فرمایا ھو ابوذر اس وقت آپ نے یہ دعا دی۔ رحم اللہ اباذر یمشی وحدہ و یموت وحدہ و یبعث وحدہ نیز تاریخ طبری واقعات ۹ھ ص ۱۶۹۹، ص ۱۷۰۰ طبع یورپ۔ سیرت ابن ہشام ۱۲۔

[2] مستدرک، ج ۳، ص ۵۰

اُنھوں نے اپنی زندگی ہی میں بکری کو ذبح کر کے پکانے کا حکم دیا تھا۔ جو پک کر تیار رکھی ہوئی ہے یہ کہہ کر گوشت ان لوگوں کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ حضرت عبداللہؓ یہ سن کر حیران و ششدر رہ گئے کہ مرنے والے نے مرتے مرتے بھی متوقع مہمانوں کی ضیافت کا سامان تیار کر دادیا تھا بہرحال ایسی حالت میں کھایا تو کیا جاتا البتہ اپنے دوست اور بھائی کی آخری وصیت و خواہش اور یتیم بچی اور بیوہ خاتون کی دلداری کی خاطر چند لقمے کسی طرح حلق سے نیچے اتارے اور مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی حضرت عثمانؓ کو یہ سن کر سخت صدمہ ہوا اور بجائے اصلی راستہ کے آپ ربذہ ہوتے ہوئے مدینہ لوٹے۔ ربذہ میں آپ نے پسماندوں کی تعزیت کی۔ قبر پر مغفرت کی دعا کی اور سب کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آگئے۔ طبری ہی کی دوسری روایت ہے کہ خود حضرت عبداللہؓ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لیتے گئے اور وہاں جا کر حضرت عثمانؓ کی کفالت میں دے دیا۔

۴۰۔ علالت

عمرہ سے فارغ ہو کر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے ۳۲ھ میں جب آپ کی عمر لگ بھگ ساٹھ برس کی ہو تی ایک روایت میں ستر کی عمر تھی تو ایک روز ایک شخص نے آکر کہا کہ خدا مجھے آپ کی زیارت سے محروم نہ کرے۔ میں نے کل رات ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ حضورؐ کے سامنے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرما رہے ہیں کہ ابن مسعودؓ! میرے بعد تمھیں بہت تکلیف پہنچائی گئی آؤ میرے پاس چلے آؤ۔ یہ سن کر فرمایا کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے اس شخص نے کہا واللہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ شاید تم

میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے۔ یہ خواب سچا ثابت ہوا چند ہی روز بعد آپ علیل ہوئے اور بیماری بڑھی اور لوگ ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ عیادت کے لئے تشریف لائے اور بیمار پرسی کی۔ جب علاج کے لئے اصرار کیا تو آپ نہ مانے دو برس[1] سے وظیفہ بند کر رکھا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے وظیفہ جاری کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں خود نہ رہوں گا تو وظیفہ کس کام آئے گا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ کیا آپ کو اندیشہ ہے کہ میری بچیاں دست نگر ہو جائیں گی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ تلاوت کرے گا تو اسے فاقہ نہ ہو گا میں نے اپنی بچیوں کو تاکید کر دی ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ ضرور پڑھ لیا کریں[2]۔

حضرت عثمان غنیؓ کا ان کی عیادت سے مقصد لوگوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ حضرت عبداللہؓ سے ان کی صلح صفائی ہے اور اب کوئی ناچاقی نہیں رہی چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے کہ دونوں بزرگوں کے دل ایک دوسرے سے صاف ہو چکے تھے۔

---

[1] علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد تنخواہ لینی خود چھوڑ دی تھی (سیر اعلام النبلاء ص ۳۵۵) یہ بات آپ کی اس تمنا سے بالکل مطابقت رکھتی ہے جس کا اظہار آپ کی اس دعا سے ہوتا ہے اللّٰھم وسع علی فی الدنیا وزھدنی فیھا ولا تزوھا دتو غبنی فیھا اے اللہ دنیا میں مجھے وسعت عطا فرما اور مجھے بے رغبت بنا دے یعنی اس کی حرص باقی نہ رہے اور رغبت کے باقی رہتے ہوئے دنیا کو مجھ سے نہ چھین (المواعظ والزہد العقد الفرید ج ۳ ص ۱۶۹) [2] طبقات ق ۱۔ ج ۳ ص ۱۴

وقال قائل صلی علیه عثمان بن عفان واستغفر کل واحد منهما لصاحبه قبل موت عبد الله قال وهو اثبت عندنا ان عثمان بن عفان صلی علیه۔

بیان کرنے والوں کا بیان ہے کہ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت عثمانؓ نے پڑھائی اور ہر ایک نے دوسرے کے قصور کو معاف کر دیا تھا۔ یہ حضرت عبداللہؓ کے انتقال سے پہلے کا قصہ ہے اور یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ حضرت عثمان غنیؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

۴۱۔ وصیت

جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یقین ہو گیا کہ اب جلد ہی وہ اپنے رب سے جا ملیں گے تو انھوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنی اولاد، مال اور تجہیز وتدفین کے متعلق چند وصیتیں کیں۔ مال کے بارے میں عروہ فرماتے ہیں۔

ان عبد الله بن مسعود اوصی الی الزبیر وقد کان عثمان حرمه عطاءه سنتین فاتاه الزبیر فقال ان عیاله احوج الیه من بیت المال فاعطاه عطاءه عشرین الفا وخمسة وعشرین الفا۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت زبیرؓ کو اپنا وصی بنایا، حضرت عثمانؓ نے دو سال سے ان کا وظیفہ نہیں دیا تھا ان کے انتقال کے بعد حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ان کے بال بچوں کو ان کا رکا ہوا وظیفہ پہنچ جائے، یہ زیادہ مناسب ہے اس سے کہ بیت المال میں وہ رکھا رہے۔ تو حضرت عثمانؓ نے بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم ان کا رُکا ہوا وظیفہ دے دیا۔

۱؎ طبقات ق ا ج ۳۔

اولاً تو اِن دونوں حضرات کے درمیان ایسی کوئی تلخی تھی ہی نہیں اور بالفرض اگر تھی بھی تو وہ حضرت عبداللہؓ کی وفات سے پہلے ختم ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت عثمانؓ نے بلا تامل سارا وظیفہ آپ کے ورثاء کو دے دیا۔ کفن کے متعلق آپ نے یہ وصیت کی تھی۔

ان ابن مسعود اوصی ان یکفن فی حلة بمائتی درهم[۱]

حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی وصیت کی تھی کہ دو سو درہم کے کپڑوں کا کفن دیا جائے۔

۴۲۔ انتقال وتدفین

ابو عبیدہؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ نے اپنے دفن کے متعلق یہ وصیت کی تھی۔

ادفنونی عند قبر عثمان بن مظعون

مجھ کو عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کرنا

اسی وصیت کے مطابق آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس سپردِ خاک کیا گیا جنازہ کی نماز جمعرات کے دن ۳ رجمادی الاول ۳۳ھ کو ہوئی رضی اللہ عنہ۔ نماز جنازہ کے متعلق آپ کی وصیت یہ نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے حضرت عمارؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن مستند اور صحیح روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اگرچہ بعض اصحاب سیر نے دونوں بزرگوں کی آپس کی رنجش کے قیاس پر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے اپنی وفات کی خبر حضرت عثمانؓ کو دینے سے منع کر دیا تھا، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر نہیں دی گئی اور جنازہ کی نماز عمار بن یاسرؓ نے پڑھائی۔ یہ روایت بے بنیاد ہے۔

۱؎ طبقات ق ا ج ۳ ص

اور صحیح یہی ہے کہ عثمانؓ نے ہی جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ابن سعدؒ نے اس روایت کی صحت پر زور دیا ہے۔ آپ کا انتقال ۳۳ھ میں ہوا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ستر برس سے کچھ زیادہ ہی عمر پائی۔

۴۳۔ بیویاں

حضرت زینب بنت عبداللہ بن معاویہ ثقفیہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ آپ کی بیویوں کے سلسلہ میں علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں ریطہ یا رائطہ ایک نام اور لکھا ہے اور بتلایا ہے کہ ابن سعد آپ کی دو بیویاں بتلاتے ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ مؤخر الذکر آپ کی جاریہ ہوں جن کے ام ولد ہونے کی وجہ سے ان کا شمار بیویوں میں کیا گیا ہے یہ بھی روایت ہے کہ وہ دستکاری جانتی تھیں اور دستکاری کے ذریعہ کچھ آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔

۴۴۔ اولاد

تین لڑکے۔ عبدالرحمٰن، عتبہ، ابو عبیدہ المعروف بہ ابن الفقیہ۔ ایک لڑکی سارہ[۱] تھیں۔ عبدالرحمٰن کے دو لڑکے تھے القاسم اور معن۔

عتبہ بن عبداللہ کی اولاد میں ابو عمیس مشہور ہیں۔

حضرت عبداللہؓ ۲۱ھ میں کوفہ آئے اور اسی سال عبدالرحمٰن بن عبداللہ پیدا ہوئے[۲]۔ جب ۲۱ھ آپ کا سال ولادت ہے تو ۳۲ھ میں آپ کی عمر ۱۵ سال ہوتی ہے بعض علماء نے سنہ وفات ۳۳ھ بتایا ہے

---

[۱] طبقات ابن سعد حالات ابن مسعودؓ۔

[۲] سیر اعلام النبلاء، ص ۳۴۳ ج ۳ سیر اعلام النبلاء میں یہ بیان علقمہ کا ہے۔

اس حساب سے آپ سولہ سال کے ہوتے ہیں۔ جو محدثین یہ لکھتے ہیں: "قال یحییٰ بن سعید مات عبداللہ و عبدالرحمٰن ابن ست سنین او نحوہا" کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ شاید ان کا ذہن، آپ کے چھوٹے بھائی ابو عبیدہ جو آپ کی وفات کے وقت صرف چھ سال کے تھے[۱] کی طرف منتقل ہو گیا چنانچہ صاحب تہذیب التہذیب امام بخاریؒ سے تاریخ صغیر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

لما حضر عبد اللہ الوفاۃ قال له ابنه عبد الرحمٰن یا ابت اوصنی قال ابكِ علی خطیئتك مات سنۃ ۳۲ھ۔	جب حضرت عبداللہؓ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے عرض کیا کہ مجھ کو وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا اپنے گناہوں کو رو۔ ۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آگے آ رہا ہے کہ ان کے صاحبزادے ابو عبیدہ نے بھی یہی درخواست اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کی تھی۔

محدث عجلی کہتے ہیں۔

یقال انه لم یسمع من ابیه الا حرفا واحدا محرم الحلال کمستحل الحرام۔	صرف ایک بات اپنے والد سے سنی کہ حلال کو حرام کرنے والا ویسے ہی گناہگار ہے جیسے حرام کو حلال کرنے والا۔

معاویہ بن صالح، ابن معین سے نقل کرتے ہیں۔ سمع من ابیه اسی طریقہ پر امام ترمذیؒ کا یہ کہنا لم یسمع من ابیه شیئا، تعجب میں ڈالنے والا ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے پوچھا "هل سمع ابو عبیدۃ من ابیه

---

[۱] سیر اعلام النبلاء میں یہ بیان علقمہ کا ہے۔

شیئاً" تو انھوں نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے "قال یقال انه لم یسمع" اس سے ان کا سماع ثابت نہیں۔

اس پہ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے یہ روایت بیان کی۔

فان عبد الواحد بن زیاد یروی عن ابی مالک الاشجعی عن عبد اللہ بن ابی هند عن ابی عبیدة قال خرجت مع ابی لصلاۃ الصبح

عبد الواحد ابن زیاد ابو مالک اشجعی سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ ابن ابی ہند ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ صبح کی نماز کو گیا۔

تو ابو حاتم نے جواب دیا۔

فقال ابی ما ادری ماهذا وما ادری عبد اللہ بن ابی هند من هو؟

یہ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں نقل فرماتے ہیں۔ اب ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل چھپ گئی ہے اس میں صاف لکھا ہے "ابو عبیدة سمع اباہٗ"۔

اس کے ساتھ ساتھ حافظ ابن حجر یہ نقل کرتے ہیں۔

وقال الدار قطنی ابو عبیدة اعلم بحدیث ابیه من خصیف بن مالک ونظرائه

محدث ابن الملقن کتاب الام کے[1] حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ابو عبیدہ اپنے والد کے انتقال کے وقت چھ سات سال کے تھے پھر محدثین کے اصول پر ان کی حدیثوں کو منقطع کیسے کہا جا سکتا ہے بعض محدثین نے ابو عبیدہ کا نام عامر بتایا ہے۔ امام سفیان ثوریؒ اور شریکؒ دونوں کا بیان ہے کہ ان کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے اسرائیل نے ضب کی حدیث میں "سمعت" نقل کیا ہے۔ امام اعمشؒ تمیم ابن سلمہؒ سے نقل کرتے ہیں۔ کان ابو عبیدة اشبه صلوٰۃ بعبد اللہ ترأیته وما دعوت شیئًا وما یطمئن[2] امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر کی کتاب الکنی میں قتادہ سے

---

[1] حاشیہ کتاب الام ج ۱ ص ۱۰۵ [2] صفوۃ الصفوہ ج ۱ ص ۱۵۴

سے نقل کیا ہے انه سأل اباه عن بیض الحمام فقال صوم یوم[1]

مجمع الزوائد میں ہے[2]۔

عن اسمٰعیل بن ابی خالد قال اوصی ابن مسعود ابا عبیدة بثلاث کلمات ای بنیّ اوصیک بتقوی اللہ ولیسعک بیتک وابکِ علی خطیئتک

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنے صاحبزادے ابو عبیدہ کو تین باتوں کی وصیت کی کہ تم کو اللہ تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور تمھارا گھر تم کو بس ہو اگر سے فارغ اوقات تم اپنے گھر میں[3] صرف کیا کرو۔ بلا ضرورت لوگوں کے پاس آنا جانا نامناسب بات ہے) اور اپنے گناہوں پہ روؤ۔

۴۵۔ متفرق واقعات

ایک مرتبہ آپ اپنے دوست حضرت ابو عمیر کی ملاقات کو ان کے مکان پر تشریف لے گئے اتفاقاً حضرت ابو عمیر اس وقت موجود نہ تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ان کی اہلیہ کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ گھر میں پانی نہ تھا۔ جاریہ کو پڑوس سے پانی لانے بھیجا۔ جاریہ نے پانی لانے میں دیر کی

---

[1] التاریخ الکبیر ص ۵۳ مطبوعہ حیدر آباد۔ [2] علامہ نور الدین ہیثمیؒ محدث فرماتے ہیں کہ رواہ الطبرانی باسنادین ورجال احدہما رجال الصحیح باب ماجاء فی الصمت وحفظ اللسان ج ۱۰ ص ۲۹۹

[3] حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ومعتقد بہت لوگ تھے ان کے صاحبزادے والد کے شاگردوں کے پاس پہنچتے تو وہ تعظیم وتکریم کرتے اور تواضع سے پیش آتے یہ باتیں کم عمر نوجوانوں کو خراب کر دیتی ہیں۔ فکرِ معاش اور فکرِ معاد دونوں سے غافل کر دیتی ہیں اس لئے آپ نے خاص طور پر اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کی کہ اپنے فارغ اوقات اپنے گھر میں صرف کریں تاکہ گھر والوں کی وابستگی رہے ان کی دینی نگرانی و تربیت کر سکیں۔

حضرت ابوعمیرؓ کی اہلیہ بہت خفا ہوئیں اور غصہ میں لونڈی پر لعنت بھیجی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سن لیا۔ وہاں سے پیاسے ہی لوٹ گئے۔ دوسرے روز ابوعمیر ملے تو انھوں نے اس طرح واپس چلے جانے کا سبب پوچھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ خادمہ کو جب پانی لانے میں دیر ہوئی تو تمھاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی۔ میں نے سنا تو یہ سوچ کر چلا آیا کہ اگر خادمہ لعنت کی مستحق نہ ہوئی تو اس لعنت کا تمہاری بیوی پر واپس آنے کا سبب میں ہوں گا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اور وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے[۱]۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت ادا کرنے سے پہلے ہی بیچنے والا لاپتہ ہوگیا۔ حضرت عبداللہؓ نے قیمت ادا کرنے کے لیے اس شخص کو سال بھر تک تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ تب مجبور ہو کر آپ وہ قیمت ایک ایک دو دو درہم کر کے بیچنے والے کی طرف سے صدقہ کرتے رہے اور فرمایا کہ اب بھی اگر وہ شخص واپس آگیا تو قیمت ادا کر دوں گا اور یہ صدقہ میری جانب سے ہوگا[۲]۔

عطاء بن رباحؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ واقعہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کر رہے تھے اور اثنائے سفر آپؐ کو استنجے کی ضرورت ہوئی وہاں کوئی پردہ کی جگہ نہ تھی اتنے میں آپؐ نے دو درخت دیکھے جو ایک دوسرے سے دور دور تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ جاؤ درختوں سے کہو کہ

---

[۱] مسند امام احمد حنبل [۲] بخاری

اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے مجھے تمھارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم دونوں ایک جگہ ہو جاؤ اور جب تک میں تمہاری آڑ میں فارغ نہ ہو جاؤں اس وقت تک وہیں رہو۔ حضرت عبداللہؓ گئے اور ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام دیا۔ اسی وقت ان میں سے ایک دوسرے کے پاس آگیا۔ آپؐ نے ان کی آڑ میں ضرورت سے فراغت کی اور پھر وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی فضیلت

اور آپؓ کی علمی خدمات

آپ کے حالات ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ وہ خود کو چھٹا مسلمان جانتے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا شمار سابقین اولین میں ہے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا اس وقت آپ کی عمر پندرہ بیس برس کے درمیان تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پہلی بار آپ نے ملاقات کی تو اسی وقت اسلام کی صداقت نے آپ کے دل میں گھر کر لیا۔ آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر علمنی من ھذا القول (تحصیل علم) کی درخواست کی اس پر حضورؐ نے انک علیھم معلم کی بشارت دی کہ بےشک تم اس وقت نوعمر لڑکے ہو آگے چل کر اُمّت کے اُستاد بنوگے، چنانچہ آپ نے اپنی پوری زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذار کر تطہیر اور تزکیہ نفس کی تعلیم قرآن کے فہم و تدبر ہی سے حاصل کی۔ آپ ان صحابہ میں ہیں جن کو خدمت بابرکت میں بیش از بیش حضوری کے شرف کے ساتھ ساتھ اور بھی فضیلتوں سے وافر حصّہ

ملا ہے۔

کبار صحابہؓ نے جن جن مصیبتوں کو جھیلا ہے ان میں آپ سب کے شریک و سہیم رہے۔ علم حاصل کرنے اور اس میں کمال پیدا کرنے اور اس کی نشر و اشاعت میں آپ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں ان کے علاوہ آپ کو یہ خصوصی فضیلت بھی حاصل ہے کہ ان دونوں حضرات کے علاوہ حضرت عائشہؓ کے علم کی اشاعت کا مستند ذریعہ بھی آپ کے شاگرد ہیں

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ابوہشام المغیرۃ ابن مقسم الضبی بیان کرتے ہیں۔

لم یکن یصدق علی علیؓ	حضرت علیؓ کی حدیثوں میں صحیح وہی حدیثیں
فی الحدیث الامن اصحاب	ہیں جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگردوں
عبد اللہ بن مسعودؓ	کے ذریعہ سے ہم لوگوں کو پہنچی ہیں[1]

ایک جگہ علامہ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

واما علی بن ابی طالب علیہ السلام	حضرت علیؓ کے احکام اور فتاوی شائع
فانتشرت احکامہ وفتاویہ لکن	ہوئے۔ اللہ تعالیٰ شیعہ کا بُرا کرے کہ
قاتل اللہ الشیعۃ فانھم افسدوا	اس کثرت سے اُنھوں نے غلط باتیں ان
کثیرا من علمہ بالکذب	کی طرف منسوب کر دیں کہ صحیح حدیثوں کے
علیہ ولھذا تجد اصحاب	جمع کرنے والے آپ کے ان احکام و فتاویٰ
الحدیث من اھل الصحیح	پر وثوق ہی نہیں کرتے جو حضرات اہل بیت
لا یعتمدون من حدیث وفتواہ	اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں
الا ما کان من طریق اھل	مثلاً عبیدۃ السلمانی قاضی شریح اور ابووائل
بیتہ واصحاب عبد اللہ	اور ان جیسے حضرات کے سوا کسی اور نے
بن مسعودؓ کعبیدۃ السلمانی	روایت کئے ہوں۔

[1] مقدمہ مسلم، ص ۱۰

وشریح وابی وائل ونحوھم۔

وکان علی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجھہ یشکو عدم حَمَلَۃِ العِلمِ الذی اودعہ کما قال اِن ھٰھنا علما لو اصبت لہٗ حَمَلَۃً[1]

حضرت علیؓ شکایت فرماتے تھے کہ علم کی امانت کے لینے والے نہیں ہیں۔ میرے سینے میں علم ہے کاش مجھے شاگرد مل جاتے۔

دوسری جگہ زیادہ تعداد میں حضرت علیؓ کے شاگردوں کے نام گنائے ہیں کوفہ کے مفتی یہ حضرات ہیں۔ وکان من المفتین بالکوفۃ علقمۃ[1] بن قیس النخعی والاسود[2] بن یزید النخعی وعمرو[3] بن شرحبیل الھمدانی ومسروق[4] بن الاجدع الھمدانی وعبیدۃ[5] السلمانی وشریح[6] بن الحارث القاضی وسلمان[7] بن ربیعۃ الباھلی وزید ابن صوحان وسوید[9] بن غفلۃ والحارث[10] بن قیس الجعفی وعبد الرحمٰن[11] بن یزید النخعی وعبد[12] اللہ بن عتبۃ بن مسعود القاضی وخیثمۃ[13] بن عبد الرحمٰن وسلمۃ[14] بن صھیب ومالک[15] بن عامر وعبد[16] اللہ بن سنخرۃ وزر[17] بن جیش وخلاس[18] بن عمرو وعمرو[19] بن میمون الاودی وھمام[20] بن الحارث والحارث[21] بن سوید ویزید[22] بن معاویۃ النخعی والربیع[23] بن خیثم وعتبۃ[24] بن فرقد وصلۃ[25] بن زفر وشریک[26] بن حنبل وابو وائل[27] ابن سلمۃ وعبیدۃ[28] بن نضلۃ وھؤلاء اصحاب علی۔

سلہ اعلام الموقعین، فصل ۶، ص ۲۱

یہ سب حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں اور حضرت عبداللہؓ کے بھی[1]۔

مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے شاگرد بھی ایک سے زیادہ شریک ہیں آپ کی فضیلت کی یہ بہت بڑی بات ہے جو صاحب مشکوٰۃ المصابیح محدث الشیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ شافعی خطیب تبریزیؒ اپنی کتاب اکمال میں لکھتے ہیں کہ چاروں خلفائے راشدینؓ نے آپ سے روایت کی۔ صحابہؓ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عمران بن حصینؓ ابوامامہؓ باہلی، احنف بن قیسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نے آپ سے روایتیں کیں صحاح ستہ میں جن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے روایت کی وہ حسب ذیل ہیں:-

۱- انس بن مالکؓ ۲- الاحنف بن قیسؓ ۳- طارق بن شہابؓ ۴- ابو الطفیل عامرؓ بن واثلہ ۵- ابوموسیٰ اشعریؓ ۶- عمرو بن الحارثؓ ۷- عمرو بن حریثؓ مخزومیؓ ۹- کلثوم بن المصطلقؓ ۱۰- النزال بن سبرہؓ ۱۱- وابصہ بن معبدؓ ۱۲- ابو رافعؓ مولی النبیؐ ۱۳- زینب امراۃ عبداللہ بن مسعودؓ۔

ان ہی خصوصیات اور اپنی خدمات کی بناپر کبار صحابہ کی جماعت میں آپ ممتاز قرار پائے ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہؓ عرصہ تک اپنے گھربار اور عزیز و اقارب سے دور رہے۔ لیکن آپ کو بڑا صدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و خدمت سے محرومی کا تھا جس سے آپ کی علمی ترقی رک گئی تھی۔ مدینہ آجانے پر گو مدت تک عائلی زندگی سے محرومی رہی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جب نصیب ہوگئی تو علم کا سرچشمہ پاجانے سے

سلہ اعلام الموقعین، فصل الفقہا الکوفہ، ص ۲۵

آپ کو سب کچھ مل گیا آپ مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خدمتیں انجام دیتے تھے مدینہ میں پھر وہی خصوصی خدمتیں انجام دینے لگے۔ جلوت ہو یا خلوت، دن ہو یا رات سفر ہو یا حضر بشری ضرورتوں کو چھوڑ کر باقی سارا وقت آنحضرت کی خدمت میں صرف کرتے جو وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی اُسے سنتے اور سمجھتے۔ سب کام دل کی لگن سے کرتے۔ چنانچہ یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ تمام خصائل نبوت کو آپ نے اپنے میں سمو لیا تھا۔ اور اس قدر اس رنگ میں رنگ گئے تھے کہ سیرت و اخلاق و کردار میں آنحضرت سے مماثل عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کوئی اور صحابی نہیں۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں نے حذیفہؓ سے کہا مجھے ایسے آدمی کی نشان دہی کیجئے جو اپنے چال ڈھال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قریب ہو جس کی صحبت میں اختیار کروں تو حذیفہؓ نے کہا جہاں تک ہماری نظروں میں ہے میں چال ڈھال طور و طریق میں کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے قریب نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو کر ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

یہ روایت تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ بخاری میں بھی ہے۔

آپ کی یہ خواہش تھی کہ میری زندگی زیادہ سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مشابہ ہو جائے آپ کی اس نیت و ارادہ اس پہ استقامت کے ساتھ عمل کا نتیجہ تھا۔ جس کو آپ کے معاصر صحابہؓ اور شاگرد دونوں نقل کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ کا اعتراف اوپر نقل ہو چکا ہے۔

یزید بن خمیر نقل کرتے ہیں۔

لما حضر معاذ بن جبل الموت | جب حضرت معاذ بن جبلؓ کا وقت آخر

قیل یا ابا عبد الرحمن اوصنا، قال: اجلسونی ان العلم والایمان مکانهما من ابتغاهما وجدهما یقول ذالك ثلاث مرات التمس العلم عند اربعة رهط عند ابی الدرداء[۱] وعند سلمان الفارسیؓ[۲] وعند عبد الله بن مسعودؓ[۳] وعند عبد الله بن سلامؓ[۴]۔

قریب ہوا تو ان سے کہا گیا کہ وصیت فرمائیے

آپ نے فرمایا۔ مجھے بٹھاؤ اور اس کے بعد فرمایا علم و ایمان کے چند مرکز ہیں جو ان مرکزوں کو تلاش کرے گا وہ ایمان حاصل کرے گا۔

یہ چار اشخاص مرکز علم ہیں اور اس کے اہل ہیں کہ ان سے علم حاصل کیا جائے۔

۱۔ ابو درداءؓ ۲۔ سلمان فارسیؓ ۳۔ عبداللہ بن مسعودؓ ۴۔ عبداللہ بن سلامؓ۔

مالک بن یخامرؒ کہتے ہیں۔

لما حضرت معاذ الوفاة بکیت، فقال۔ ما یبکیك؟ قلت والله ما ابکی علی دنیا کنت اصیبها منك ولکن ابکی علی العلم والایمان الذین کنت اتعلمهما منك فقال: ان العلم والایمان مکانهما من ابتغاهما وجدهما اطلب

کہ جب حضرت معاذؓ کی وفات کا وقت آیا تو میں رونے لگا۔ حضرت معاذؓ نے مجھ سے پوچھا کس بات نے تم کو رلایا۔ میں کہا خدا کی قسم میں اس دنیا کے (مال) کے لئے نہیں رو رہا جو آپ کے ذریعہ مجھے حاصل ہوتا تھا اگر میں ایمان و علم کے چشمہ کے خشک ہونے کی وجہ سے رو رہا ہوں جو علم و ایمان میں آپ کے ذریعہ حاصل کرتا تھا حضرت معاذؓ نے فرمایا

---

[۱] سیر اعلام النبلاءؒ ص ۳۹۵ نیز ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبلؒ ج ۵ ص ۲۴۲

العلم عند اربعة: فذکر هؤلاء الاربعة۔

کہ علم اور ایمان کے چشمے میں جو انہیں تلاش کرے گا وہ ان کو پائیگا۔ پھر ان چاروں بزرگوں کا آپ نے تذکرہ کیا۔

آپ کے متعلق یہ بیان مالک بن یخامر کا ہے جن کی فضیلت اسی سے ظاہر ہوتی ہے۔

ثم قال: فان عجز عنه هؤلاء فسائر اهل الارض عنه أعجز فعليك بمعلم ابراهيم قال فما نزلت بی مسألة عجزت عنها الاقلت يا معلم ابراهيم.

مالک ابن یخامر کا کہنا ہے کہ کسی مسئلہ میں مجھے دشواری پیش نہ آئی مگر میں نے اللہ سے دُعا کی اے ابراہیم کو علم دینے والے (جن کے پاس کوئی علم وایمان کا ماحول نہ تھا) مجھ کو بھی علم دے۔

اعلام الموقعین کی روایت ہے۔

وادصاه معاذ عند موته ان يلحق بابن مسعود فيصحبه ويطلب العلم عنده ففعل ذالك۔[1]

اپنے آخر وقت حضرت معاذ بن جبلؓ نے ان کو وصیت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس پہنچ جائیں اور ان کی ہم نشینی اختیار کریں اور ان سے علم حاصل کریں چنانچہ انھوں نے اس پر عمل کیا۔

آپ کے ایک دوسرے شاگرد حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں۔

كان عبد الله يشبه بالنبی

حضرت عبداللہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] اعلام الموقعین، فصل الفقہا الکوفہ، ص ۲۵

صلی اللہ علیہ وسلم فی هديه ودله وسمته۔

سے بہت مشابہ تھے۔

آپ کے شاگردوں میں ابو وائل شقیق بن سلمہؒ بڑی عمر کے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے وہ فرماتے تھے۔

ما اعدل بابن مسعود احدًا

میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔

طبقات القراء اور تذکرۃ الحفاظ میں ذہبیؒ نے ان کے تمام شاگردوں سے یہ بات نقل کی ہے۔

كان تلامذته يفضلونه علیه احدًا من الصحابة فی العلم

آپ کے شاگرد صحابہ میں سے کسی کو آپ علم میں بڑھا ہوا انہیں سمجھتے تھے۔

آپ کے ایک اور دوسرے شاگرد حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں۔

شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمهم ينتهی الی ستة: الی علی وعبد الله وعمر وزيد بن حارثة وابی الدرداء وابی بن کعب ثم شاممت الستة فوجدت علمهم انتهی الی علی وعبد الله

میں نے صحابہ کا اندازہ لگایا تو ان کے علم کو ان چھ صحابہ میں جمع شدہ پایا۔ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زیدؓ بن حارثہؓ، ابو الدرداءؓ اور ابی بن کعبؓ۔ پھر ان چھ اصحاب کا اندازہ کیا تو حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ان سب کے علوم تھے۔

یہی مسروقؒ فرماتے ہیں۔

جالست اصحاب محمد صلی الله

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی

علیہ وسلم فکانوا کالاخاذ الا خاذۃ تروی الراکب، والاخاذۃ تروی الراکبین والاخاذۃ تروی العشرۃ والاخاذۃ لو نزل بھا اھل الارض لاصدرتھم وان عبد اللہ من تلک الاخاذۃ۔	صحبت اٹھائی وہ مثل تالابوں کے تھے کسی تالاب سے ایک سوار سیراب ہو جاتا ہے کوئی اتنا بڑا ہوتا ہے جو دو سواروں کو سیراب کر دیتا ہے اور کوئی اتنا بڑا کہ دس کو سیراب کر دیتا ہے اور منبع اتنا بڑا ہوتا ہے کہ سارے روئے زمین کے لوگ اگر اس پر آئیں تو سب کو سیراب کر دے عبد اللہ بن مسعودؓ ایسے ہی چشمہ ہیں۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں۔

مادخل الکوفۃ احد من الصحابۃ انفع علما ولا افقہ صاحبا من عبد اللہ۔	صحابہ میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ عالم و فقیہ کوئی شخص کوفہ میں نہیں آیا۔

آپ کی علمیت کا اعتراف صرف صحابہؓ اور تابعینؒ تک محدود نہ رہا بلکہ بعد کے علماء نے بھی آپ کا تراجم و تذکرہ کی کتابوں میں جو ذکر کیا ہے اس میں بھی آپ کے علمی کمالات کے ذکر کے ساتھ علمی حیثیت کو بہت نمایاں جگہ دی ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں آپ کے تذکرہ کا عنوان یہ بنایا ہے۔

"الامام الحبر فقیہ الامۃ ابو عبد الرحمن الھذلی المکی المھاجری البدری حلیف بنی زھرۃ کان من السابقین الاولین من النجباء العاملین شھد بدرا وھاجر الھجرتین وکان یوم الیرموک علی النفل ومناقبہ غزیرۃ روی علما کثیرا۔

انھوں نے اس میں آپ کے اکثر مناقب جمع کر دیئے ہیں۔ آپ کے خاندان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جو قدیم تعلقات تھے اس کا بھی

ذکر کیا ہے۔ آغاز کلام میں تین لفظوں سے آپ کی علمی فضیلتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ خاتمہ میں پھر اس کا ذکر کیا ہے کہ آپ نے اپنے علم سے بہتوں کو فائدہ پہنچایا۔ طبقات القراء میں بھی علامہ ذہبی نے کہا ہے وتفقہ بہ خلق کثیر۔

تذکرۃ الحفاظ میں بطور عنوان تقریباً یہی الفاظ ہیں۔ گو بیان میں اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ مگر علمی حیثیت کے اظہار میں اختصار کو روا نہیں رکھا گیا۔ علامہ ابو نعیم اصفہانی نے آپ کے فقر و زہد اور عبادت و نیکیوں کے شوق کا شرح و بسط کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ کے قرآن خوانی اور قرآن دانی، قرآن فہمی اور تبلیغ و توضیح مسائل میں امتیاز اور فقہی فضیلت کا ذکر کیے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ حلیۃ الاولیاء میں ہے۔

من طبقۃ السابقین المھاجرین المعروفین بالنسک من المعمرین القاریٔ الملقن الفقیہ المفھم والسابات والبدار اقربھم وسیلۃ وارجحھم فضیلۃ کان من الرفقاء والنجباء والوزراء والرقباء عبد اللہ بن مسعود الکلف بالمعبود والشاھد للمشھود والحافظ للعھود والسائل الذی لیس بمردود۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے آپ کے علمی فضائل کے بیان میں بڑی احتیاط برتی ہے پھر بھی فتح الباری میں آپ کے مناقب کے سلسلہ میں یہ درج کرنے پر مجبور ہوئے۔

وکان من علماء الصحابہ ومن اشتھر علمہ بکثرۃ اصحابہ والاٰخذین عنہ[1]۔

---

[1] فتح الباری، جلد ۷، ص ۱۰

یہاں حافظ ابن حجرؒ آپ کے شاگردوں کی کثرت کے تذکرہ پر مجبور تھے اس کی تمہید میں اتنا تحریر فرما دیا۔ وکان من علماء الصحابة۔

اس قدر محنت اور ذوق شوق سے آپ نے قرآن حاصل کیا کہ آگے چل کر آپ قرآن کے سب سے بڑے عالم کہلائے۔

حضرت ابومسعود بدریؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس کا علم رکھنے والا میں کسی اور کو نہیں جانتا۔ اسی طرح ابن القیمؒ نے عقبہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال عقبة بن عمرو ما اری احدا اعلم بما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم من عبد اللہ[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا میں اس کا جاننے والا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ آپ خود فرماتے ہیں۔

واللہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بضعا وسبعین سورة[2]

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اوپر ستر سورتیں یاد کی ہیں۔

طبقات القراء ذہبی میں ہے۔

اما من حفظه کله منهم و عرض علی النبی فجماعة من

اور صحابہ میں سے جن لوگوں نے قرآن کو کاملاً حفظ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اعلام الموقعین، جلد اول، ص ۱۷

نجباء واصحاب محمد امتدوا الاقرائه واسندوا الادائه فکان من جملتهم سبعة ائمة اعلام دارت علیهما اسانید القرآن وذکروا فی صدور الکتب والاجازات عثمانؓ۔ علیؓ، ابیؓ، ابن مسعودؓ، زیدؓ، ابوموسیٰؓ، ابوالدرداءؓ۔

کے روبرو پیش کیا تھا وہ معزز صحابہ کی ایک جماعت ہے جو قرآن کی تعلیم کے لئے تیار کی گئی تھی اور اس خدمت کے ادا کرنے کیلئے آپ نے انہیں مقرر فرمایا تھا۔ یہ لوگ حفاظ قرآن (یا حاملین قرآن) سے ہیں یہ سات بڑے بڑے امام ہیں۔ قرآن کی سب سندیں ان ہی تک پہنچتی ہیں۔ کتابوں کے شروع میں اور اجازت ناموں (سندوں) میں ان ہی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عثمانؓ، علیؓ، ابیؓ، ابن مسعودؓ، زیدؓ، ابوموسیٰؓ، اور ابوالدرداءؓ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فخریہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کب اور کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے۔[1]

قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے اس پر عمل پیرا بھی ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

عن ابن مسعودؓ کنا اذا تعلمنا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر آیات من القرآن لم نتعلم العشر التی بعدها حتی نعمل فیه۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اتباع کتاب و سنت اور ذوقِ عمل کی والہانہ تڑپ نے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنا دیا تھا۔

---

[1] اعلام الموقعین، ج اوّل، ص ۱۷

اجازت درس

جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخلاق و عادات وتحصیل علم کی تکمیل ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے ہی قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کی خصوصی سند دی اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگ ابن مسعودؓ سے استفادہ کرو۔ مفتی عبداللطیف صاحب تذکرہ اعظم میں لکھتے ہیں۔

جب استاد اپنے شاگرد کو اجازت دیتے ہیں تو سند اور اجازت نامہ میں دو طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ عام شاگردوں کی نسبت تو یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں تمہیں فلاں علم پڑھانے کی اجازت دیتا ہوں لیکن جو طلباء جیسی الاستعداد اور اپنی قابلیت میں ممتاز ہوتے ہیں ان کی نسبت سند میں یوں لکھتے ہیں کہ میں اجازت دیتا ہوں کہ طلباء ان سے فیض یاب ہوں اور ان سے پڑھیں۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو جو اجازت عطا فرمائی ہے اس میں اسی دوسرے قسم کے الفاظ ہیں۔ اور قرآن وحدیث کی تعلیم کی جدا جدا سند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دی۔ آپ کی قرآن کی سند و اجازت بخاری و ترمذی میں ہے جس کو بعینہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم استقرأوا القراٰن من اربعة من عبد اللہ بن مسعودؓ وسالم مولی ابی حذیفة وابی بن کعب ومعاذؓ بن جبل	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن ان چار آدمیوں سے سیکھو عبداللہ بن مسعودؓ، سالم مولی ابی حذیفہؓ، ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اُس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وان البداءة بالرجل فی الذکر علی غیرہ فی امر یشترک فیه مع غیرہ یدل علی تقدمه فیه۔	جو خوبی چند آدمیوں میں پائی جائے اس سلسلہ میں جس کا نام پہلے لیا جائے تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان فرماتے ہیں کہ ان اصحاب میں پہلا نام چونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کا آپ نے لیا اس لئے میں ان سے محبت کرنے لگا ہوں اور وہ میرے خاص محبوبوں میں ہیں اور قرآن کی سند کی بابت ترمذی کے الفاظ یہ ہیں۔

عن حذیفة قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اقرأکم عبد اللہ فاقرأوا۔	حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ جو تمہیں پڑھائیں وہ پڑھو۔

ایک بزرگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو حضرت عمرؓ کی جان پہچان کے تھے آپ سے کہا یا امیر المومنین میں کوفہ سے آرہا ہوں وہاں ایک ہستی ہے جو قرآن املاء کراتے ہیں حضرت عمرؓ بہت زیادہ غصہ ہوئے دریافت کیا تیرا برا ہو وہ کون ہے۔ انھوں نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ۔ ان کا نام سنتے ہی حضرت عمرؓ کا غصہ کم ہونا شروع ہوا۔ اور طبیعت آہستہ آہستہ اعتدال پر آگئی۔ ان سے کہا خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اس بات کا اہل کسی کو نہیں پاتا (کہ زبانی قرآن لکھائیں) اس کے بعد وہ واقعہ سنایا جو قراءت قرآن میں آرہا ہے جس میں آپ نے جنت الخلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہونے کی دعا کی ہے۔

علمی لطیفہ

امام شعبیؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سفر فرما رہے تھے کہ ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ پوچھو کہ تم کون ہو۔ اس میں حضرت عبداللہؓ بھی تھے آپ نے جواب دینے کے لئے کہلوایا اقبلنا من الفجّ العمیق۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دلوایا الی البیت العتیق۔ پھر حضرت عمرؓ نے پچھوایا کہ قرآن پاک کی کونسی سب سے زیادہ پُرعظمت آیت ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے آدمی سے کہا کہ آیت الکرسی بلند آواز سے پڑھ کر سنا دو حضرت عمرؓ نے اس کے بعد کہا کہ سوال کرو کہ وہ کونسی آیت ہے جس کے پڑھنے پر عمل ضروری ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دلوایا اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (سورہ نحل) پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دریافت کرو کہ قرآن کی سب سے جامع آیت کونسی ہے حضرت عبداللہؓ نے جواب دلوایا فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سوال کرو کہ قرآن کی وہ کونسی آیت ہے جو کپکپا دینے والی ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دلوایا۔ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتَابِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا یُّجْزَبِہٖ۔ پھر حضرت عمرؓ نے آواز دلوائی کہ دریافت کرو کہ قرآن کی سب سے زیادہ پُراُمید آیت کونسی ہے۔ حضرت عبداللہ نے جواب دلوایا۔ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کرایا کہ قافلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، تو قافلہ والوں نے جواب دیا کہ ہیں۔

آپ کی حدیث کی سند اور اجازت ترمذی میں یوں ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما حدثکم ابن مسعود فَصَدِّقُوا۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عبداللہ بن مسعودؓ کوئی حدیث بیان کریں تو اس کی تصدیق کرو۔

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ کو قرآن وحدیث کے علاوہ تخریج مسائل واستنباط اور قیاس کی بھی اجازت وسند عطا کی تھی۔ ترمذی میں ہے۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تمسکوا بعھد ابن ام عبد	حضور نے فرمایا کہ ابن مسعودؓ کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

ان کا قول تمہارے لئے کافی دلیل ہے۔ خطیب کی اکمال اور کنز العمال میں بھی یہی مضمون بہ تغیرِ الفاظ اس طرح پر آیا ہے۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رضیت لامتی ما رضی لھا ابن ام عبد وسخطت لھا ما سخط لھا ابن ام عبد	ابن مسعودؓ جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں۔

حضرت عبادۃ بن الصامت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کن صحابہ سے آپ کو محبت ہے تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں۔ ارشاد ہوا کہ میری زندگی میں اس راز کو ظاہر نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا ابوبکرؓ اور عمرؓ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاموش ہونے پر حضرت عبادہؓ نے پھر پوچھا تو آپ نے سترہ نام لیے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام بھی تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ

ـــــــــــــــ

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲۔ حالات عبادۃ ۲۵۲

آپ کی ان بزرگوں سے محبت فرمانے کی وجہ دین میں امتیاز ہی حاصل کرنا تھا۔

فہم و فراست کی نبوی توثیق

علم و فضل سیرت و کردار کی ان اعلیٰ سندوں کے یہ معنی نہ تھے کہ دنیا کے کاروبار کی کوئی قابلیت و اہلیت آپ میں نہ تھی اس خیال کو دور کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فہم و فراست اور انتظامی قابلیت کو بیان فرما دیا۔

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت مؤمرا احدا دون مشوری المسلمین لامرت ابن ام عبد

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اگر کسی کو بغیر مشورے کے امیر بنا دیتا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو بناتا۔

گو تقسیم کار کے اصول پر آپ نے ان کو ان کی مشغولیت سے ہٹا کر انتظامی کاموں میں ان کے اوقات کو مصروف نہیں کیا۔ اس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ انتظامی کاموں کی اہلیت و صلاحیت آپ میں نہ تھی۔ تو آپ نے یہ فرما کر اس شبہ کے احتمال کو بھی دور کر دیا۔ حضرات شیخینؓ نے بھی اس کا خیال فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سے قریب رکھنے کی ایک صورت نکالی جس کا تذکرہ عہدِ صدیقی میں گذر چکا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو کوفہ کا قاضی بنایا جہاں قضا کے کام کے ساتھ امت کو قرآن و حدیث کی آپ نے تعلیم دی اور ان کی تربیت فرمائی۔

معاصرین کی طرف سے آپ کے ہمہ گیر فضل و کمال کا اعتراف

ابوالاحوصؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ کے یہاں کسی مجلس میں شریک تھے جب

مجلس برخاست ہوئی اور عبداللہ چلنے کی نیت سے کھڑے ہوئے تو ابومسعودؓ (عقبۃ بن عمرو) نے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی اور شخص اس وقت موجود ہے۔ یہ سن کر ابوموسیٰ اشعریؓ نے تائید کی اور کہا کیوں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بارگاہِ نبوی میں اس وقت حاضر رہتے تھے جب ہم غائب رہتے تھے اور انھیں خلوت میں بھی باریاب ہونے کی اجازت حاصل تھی اور ہم اس شرف سے محروم تھے۔ شقیقؓ کہتے ہیں کہ ایک جلسہ میں میری موجودگی میں عبداللہ بن مسعودؓ نے دعویٰ کیا کہ تمام صحابہؓ کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں[1]۔ گو میں آپ سب سے بہتر نہیں۔ حضرت عبداللہؓ کے اس دعویٰ کے بعد میں نے گردن اٹھا کر تمام حاضرین کی طرف دیکھا مگر کسی نے بھی حضرت عبداللہؓ کے اس دعویٰ کو رد نہ کیا۔

ان فراخدلانہ اعترافات کا سلسلہ صرف حضرت عبداللہؓ کی زندگی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی لوگ ان کے فضل و کمال کے معترف رہے چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعود کو جب عبداللہ کی وفات کی خبر ملی تو حاضرین نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھا کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا نہیں (کیونکہ) وہ جلوت اور خلوت ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ جبکہ ہم لوگوں کے لئے یہ بات ممکن نہ تھی[2]۔ ایک روایت کے مطابق جب

---

[1] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس بیان کی ضرورت اس وقت ہوئی جب قرآن کی اشاعت کا سرکاری طور پر انتظام کیا گیا۔ اس کام پر حضرت زید بن ثابتؓ جو آپ سے بہت زیادہ کم سن تھے مامور ہوئے اور آپ یہ خدمت نہیں لی گئی۔ [2] مسلم باب فضائل صحابہ ذکر ابن مسعودؓ۔

انھوں نے دمشق میں حضرت عبداللہؓ کے انتقال کی خبر سنی تو فرمایا۔ اما انہ لم تخلف بعدہ مثلہ۔[1]

اعترافِ فضل کی دوسری مثال

ایک مرتبہ اہلِ کوفہ نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی کہ اہلِ شام کے وظائف بڑھا دیئے گئے ہیں لیکن ہم لوگ اضافہ سے محروم رہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ اہلِ شام کے وظائف میں بے شک اضافہ ہوا لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج کر تمہارے علوم کی ترقی کا جو سامان کیا گیا ہے وہ اس ترقی سے بہت بلند ہے جو وظیفہ کی شکل میں اہل شام کو حاصل ہوئی ہے۔ ابنِ مسعودؓ کا فضل و کمال اور حدیث و سنت کے زیادہ عالم ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگ آپ کے پاس نہ ہوتے تھے اور ابنِ مسعودؓ خلوت میں بھی ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے اور ہم اس سے محروم رہتے تھے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے موقعوں پر حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے علمی تبحر اور دیگر اوصاف حمیدہ کا صاف صاف اعتراف کیا ہے زید بن وہبؓ کہتے ہیں۔

کنت جالسا فی القوم عند عمرؓ	میں حضرت عمرؓ کے پاس لوگوں میں بیٹھا ہوا تھا
اذ جاء رجل نحیف قلیل اللحم	کہ ایک صاحب بہت دبلے جن کے بدن پر
فجعل عمر ینظر الیہ ویتھلل	بہت کم گوشت تھا، تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ

[1] تذکرہ اعظم ص ۷۲۔

وجھہ ثم قال کنیف	ان کو دیکھنے لگے اور خوشی کے مارے حضرت
مُلئ علماً کنیف	عمرؓ کا چہرہ دمک رہا تھا اور فرماتے تھے چھوٹی
مُلئ علماً انا ذا ھو	مشک ہے علم سے بھری ہوئی اور وہ عبداللہ
ابن مسعود۔	بن مسعودؓ تھے۔

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ نے ایک شخص کا تہبند ٹخنوں سے نیچے دیکھا تو اسے اوپر کر کے باندھنے کا حکم دیا۔ اُس نے پلٹ کر کہا کہ آپ خود بھی تہبند نیچا باندھے ہوئے ہیں اوپر باندھیے۔ آپ نے فرمایا میں معذور ہوں جبکہ تمہیں کوئی مجبوری نہیں۔ حضرت عبداللہ کی مجبوری یہ تھی کہ ٹانگیں پتلی ہونے کی وجہ سے تہبند اوپر کر کے باندھنے کے باوجود پھسل کر نیچے چلا آتا تھا جس میں ارادے کو دخل نہ تھا اور جس شخص کو آپ نے اس فعل سے باز رہنے کی تلقین کی اسے کوئی مجبوری نہ تھی اور جو بلا عذر کے کوئی ایسا لباس پہنے جو ٹخنوں کے نیچے لٹک آئے اس کے متعلق چونکہ بہت سخت وعید ہے اس لئے آپ نے اسے روکا تھا تو یہ شخص گناہ سے بچنے اور نادم ہونے کے بجائے الٹا الزام آپ پر عائد کر بیٹھا۔ اس کی خبر حضرت عمرؓ کو کسی طرح ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو کوڑے لگائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منہ زوری کی۔[1]

قراءت قرآن

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جس طرح قرآن کے بہت بڑے عالم تھے اسی طرح بہترین پڑھنے والے بھی تھے۔ روزانہ ایک منزل پڑھا کرتے تھے ہفتہ کو ختم

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۰، سیر اعلام النبلاء ص ۳۵۱۔

کرتے تو جمعہ کو ختم کرتے تھے۔ رمضان شریف میں تیسرے دن ختم کرتے تھے[1]۔

ایک مرتبہ آپ تہجد کی نماز میں سورہ نساء تلاوت کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تشریف لے آئے۔ آپؐ ان کی قراءت سے بہت خوش ہوئے اور نماز کے بعد فرمایا۔ اسئل تعطہ، اسئل تعطہ عبداللہ بن مسعودؓ نے دعا کی اللھم انی اسئلک ایمانا لایرتد ونعیما لاینفد۔ ومرافقۃ نبینا محمدؐ فی اعلیٰ درجۃ الخلد۔ اور فرمایا من اراد ان یقرأ القرآن غضا فلیقرأ علی قرأت ابن ام عبدؓ[2]

نماز کے علاوہ بھی حضرت عبداللہؓ عموماً تنہائی میں تلاوت کا شغل پورے ذوق سے فرماتے۔ کبھی کبھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے قرآن پڑھوا کر سنتے۔ خود حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے اور میں آپ کو سناؤں؟ ارشاد ہوا کہ ہاں میں دوسروں کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اور جب اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا[3]۔ تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا گئے۔

اکثر علماء نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں۔

---

[1] مبسوط سرخسی [2] سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۳۴۱ مسند احمد حنبل مسند عمر (۱۷۵ - ۲۶۵) مسند عبداللہ (۳۴۶ - ۳۷۹) [3] مسند جلد اول ص ۴، ۳ نیز بخاری شریف جلد دوم ص ۶۵۹

وکان عبد اللہ راسًا فی تجوید القرآن مع حسن الصوت۔	اور عبداللہ بن مسعودؓ قرآن کی تجوید میں سربرآوردہ تھے خوش آوازی اس پر مزید تھی۔

ابو عثمان نہدیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس میں قل ھو اللہ اس ترتیل اور خوش آوازی سے پڑھی کہ ہماری آرزو تھی کہ پوری سورۂ بقرہ اسی ترتیل اور اسی خوش الحانی سے پڑھیں۔

مضامین احادیث کی قرآن سے تطبیق اور توثیق۔

آپ کو قرآن کے مضامین پر پورا عبور تھا۔ ایک سے زیادہ بار ایسا ہوا کہ آپ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان ہوئی۔ آپ نے بے تکلف اسی مضمون کی قرآنی آیت پڑھ دی۔ ایک مرتبہ کسی مجلس میں یہ حدیث زیر بحث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال دبالے گا تو قیامت کے دن عذاب خداوندی سے نہ بچے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس حدیث کی توثیق و تائید میں فوراً یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لاخلاق لھم فی الاخرۃ	وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلہ میں تھوڑا نفع حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک مرتبہ دوران درس میں اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ شرک، اس کے بعد اولاد کا قتل، اس کے بعد ہمسایہ کی بیوی سے زنا۔ یہ فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی موافقت میں یہ آیت پیش فرمائی۔

والذین لایدعون مع اللہ	جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں پکارتے

اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا۔[1]	خون ریزی نہیں کرتے ہیں سوائے اجازت کے موقعہ کے۔ نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو بُرا کام کرتا ہے وہ بڑا گناہ کرتا ہے۔

زبان دانی میں آپ کا پایہ۔

قرآن مجید کی صحیح تفسیر کا دار ومدار زیادہ تر عربیت پر ہے اس کے محاورں اور اسلوب بیان پر قدرت اور مہارت ضروری ہے جو لفظ محذوف کر دیئے جاتے ہیں ان کے فہم کا صحیح ذوق ہو۔ ضمائر اور اشاروں کی تعین کا سلیقہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی پابندی میں ان ہی باتوں میں آپ نے درک پیدا کیا تھا۔ اس مثال کی وضاحت قرآن کی اس آیت کی تفسیر سے بخوبی ہوتی ہے۔

اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها

عام مفسرین نے امرنا کے معنے "ہم نے حکم دیا" کر دیئے ہیں جس کے معنی ہوئے کہ خدا ہی نے ان کو (نعوذ باللہ) برائیوں کا حکم دیا حالانکہ یہ بات خدا کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بُرے کام کا حکم دے۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ" یا اس پر مجبور کرے لطف یہ ہے کہ مفسرین نے خود ہی قابلِ اعتراض معنے بھی بیان کئے اور جب خود ان کے دل کو یہ بات کھٹکی کہ یہ تو خدا پر الزام ہے کہ وہ خود ہی برائیوں کا حکم دیتا ہے اور تعمیل حکم کے بعد بجائے انعام کے تباہی اور بربادی کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے تو ان مفسرین نے مختلف تاویلوں سے اس اعتراض کے جواب دیئے۔

[1] سورۃ الفرقان، آیت ۶۸

حالانکہ امرنا فیھا کے بعد بالاطاعۃ والانقیاد جو محذوف ہے اس کو سمجھ لیا جاتا تو آگے جو ارشاد ففسقوا فیھا ہے اس سے تائید آسانی سے سمجھ میں آجاتی کہ جو حکم دیا گیا تھا اس کی نافرمانی کی گئی۔ خصائص میں ابن جنی نے امر کے معنی "کثرت" کے بتائے ہیں اور اس پر متعدد شواہد پیش کئے ہیں کہ کلام عرب میں امر کے معنی کثرت کے بھی آتے ہیں تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ "جب ہم کسی شہر کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے لوگوں کی دولت بڑھا دیتے ہیں اب یہ لوگ دولت کا صحیح مصرف اختیار کرنے کے بدلے غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے پرواہ ہو کر فسق و فجور کی زندگی اختیار کرتے ہیں اور یہ تباہی کا پیش خیمہ ہے" اور اس تفسیر پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن سیکھا تھا۔ ان سے بڑھ کر قرآن کے معانی و مطالب سمجھنے والا، اور کون ہو سکتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس آیت کی ٹھیک یہی تفسیر کی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔

کنا نقول للحی اذا کثروا فی الجاھلیۃ امر بنو فلان۔	زمانہ جاہلیت میں جب کسی قبیلے کے افراد کی تعداد بڑھ جاتی تو ہم کہتے کہ فلاں قبیلے کے لوگ بڑھ گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جو اقوال ان صفحات میں حلیۃ الاولیاء سے نقل کئے گئے ہیں وہ ان کی زبان دانی مطالب آفرینی فہم معانی اور ادب والنشاء میں ید طولیٰ رکھنے کا بیّن ثبوت ہیں اہلِ لغت نے آپ کے فرمائے ہوئے کلمہ کو استشہاد کے طور پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ مختار الصحاح میں خلل کے مادہ میں اختل کے معنی احتاج کے بیان کئے ہیں اور سند میں آپ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ علیکم بالعلم

فانّ احدکم لا یدری متی یختل الیہ ای متی یحتاج الناس الی ما عندہ۔

غلط تفسیر پر آپ کی تنبیہ

بعض حضرات محض اٹکل سے کسی قرآنی آیت کی تفسیر کرتے ہیں جب کبھی آپ کو اس کا علم ہوتا کہ کسی نے بغیر کسی اسناد کے اپنی رائے اور قیاس سے تفسیر بیان کی ہے تو آپ خفگی کا اظہار فرماتے اور صحیح تفسیر فرما کر سنا واقف کو واقف فرماتے اور آئندہ اس شخص کو اس طرح تفسیر بیان کرنے سے باز رہنے کی تاکید کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا جو منافقین کو اندھا اور بہرا کر دے گا لیکن مسلمانوں کو اس سے صرف اس قدر تکلیف ہوگی جتنی زکام سے ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کو اس کی خبر ہوئی آپ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سن کر جوش میں آکر اٹھ بیٹھے اور فرمایا "جو علم رکھتے ہوں وہ بولیں اور جو نہ جانتے ہوں وہ کہیں کہ خدا سب سے زیادہ جانتا ہے یہ بھی ایک علم ہے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے کہ کہہ دو میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا اور جو بات نہیں جانتا اس کو زبردستی بتانے کی زحمت نہیں اٹھاتا۔ اس کے بعد آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ قریش نے جب اسلام قبول کرنے میں دیر کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قحط کی بددعا کی چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ لوگ مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے بھوک میں جب وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور نقاہت کی وجہ سے انھیں فضا دھویں سے بھری ہوئی نظر آتی تھی خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی زیادہ ایک ہولناک اور سخت دن آنے والا ہے اور وہ جنگِ بدر کا دن ہے[1]۔

[1] کتاب التفسیر بخاری ج دوم ص ۷۱۰ نیز مسند ج اوّل ص ۳۸۱

عہدۂ قضا

قاضیوں کے تقرر میں سب سے اہم کام قابل اور متدین اشخاص کا انتخاب ہے کیونکہ علم میں پختگی کے بغیر صرف قابلیت و ذہانت سے صحیح فیصلہ ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس اہم عہدہ کے لئے جن لوگوں کا انتخاب کیا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے آپ کو فیصلہ کی قابلیت و دیانتداری کے ساتھ علم میں بھی امتیازی درجہ حاصل تھا جس کی بناء پر آپ کو قاضی بنایا گیا۔ ۲۰ھ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قاضی بنا کر ان کے ساتھ کر دیا۔ اس کے علاوہ بیت المال کا انتظام و ذمہ داری بھی ان ہی کے سپرد رہی۔ مسلمانوں کی تعلیم و مذہبی امور کی نگرانی اور امیر کوفہ کی وزارت کے فرائض انہیں سونپے گئے۔ اہلِ کوفہ کے نام حضرت عمرؓ نے جو تقرر کا فرمانِ خلافت روانہ فرمایا اس میں حضرت عمارؓ (امیر) اور حضرت عبداللہؓ (قاضی) کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات ظاہر فرمائے۔

انّی بعثت الیکم عمار بن یاسرؓ	بے شک میں نے تمہارے لیے عمار بن یاسرؓ
امیرا و ابن مسعودؓ معلما و	کو امیر (گورنر) بنا کر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو استاد و
وزیرا و قد جعلت ابن مسعودؓ	وزیر بنا کر روانہ کیا ہے اور بیت المال کی نگرانی
علی بیت مالکم و انھما لمن	بھی ان ہی کے سپرد کی ہے یہ دونوں حضرات
النجباء من اصحاب محمد	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں خاص شرف
من اھل بدر فاسمعوا لھما	و عظمت کے حامل اور شرکاء بدر میں سے
واطیعوھما[1]۔	ہیں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

[1] اعلام الموقعین، فصل ۸۶ ص ۲۱۸ - ۲۱۹

یہاں تک تو عمار بن یاسرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے ایک جیسے الفاظ استعمال فرمائے مگر اسی فرمان کے آخری حصہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے حضرت عمرؓ کی نگاہِ جوہر شناس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کیا وقعت تھی وہ الفاظ اس طرح ہیں۔

وقد اثرتکم بابن ام عبد علی نفسی۔	حقیقت یہ ہے کہ ابنِ ام عبد کو تم لوگوں کے پاس بھیجنے کے بارے میں میں نے ایثار سے کام لیا ہے

یعنی ابن مسعودؓ کے علم و فضل فہم و تدبر دینداری و فراست سے فائدہ اُٹھانے کے محتاج جس قدر تم لوگ ہو میں بھی ان سے بے نیاز نہیں، مگر ایثار سے کام لے کر بغرض افادہ تمھارے پاس بھیجا جا رہا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تعلقات

حضرت عبداللہؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ خلافت نہیں پایا لیکن حضرت عبداللہؓ کو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے آپ کے علمی جلالت کے سبب بے انتہا تعلق تھا۔ جناب امیرؓ کے علاوہ حضرت ابو الدرداءؓ سلمان فارسیؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ جیسے دیگر اہلِ علم صحابہؓ سے بھی آپ کے بڑے گہرے مراسم تھے، جناب امیرؓ کو بھی عبداللہ بن مسعودؓ سے خاص تعلق تھا جس کا اظہار آپ نے مختلف موقعوں پہ فرمایا۔

ابو البختری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحابہؓ کے درمیان علمی درجات و مراتب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے دریافت کیا کہ تم کس کے بارہ میں پوچھتے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمائیے اس پہ آپ نے فرمایا۔

علم القرآن و علم السنۃ ثم انتھی و کفی بہ علما۔	انھوں نے قرآن سیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم حاصل کیا اور پھر اسی پہ جم گئے اور ان ہر دو کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ علم کامل اسی کا نام ہے۔

حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگلے زمانہ میں ہر نبی کے سات رفیق ہوا کرتے تھے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے چودہ ۱۴ رفیق دیئے ہیں۔ حمزہؓ، جعفرؓ، علیؓ، الحسنؓ، الحسینؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، حذیفہؓ، عمارؓ، سلمانؓ اور بلالؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ منتقل ہوئے اور وہاں علماء قراء فقہا کی کثرت تعداد دیکھی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعریف فرمائی۔[1]

جبہ بن جوینؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی کوفہ تشریف فرمائی پہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت سے شاگرد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت علیؓ نے ان سے سوالات کئے ان کے جوابات پہ مطمئن ہوئے شاگرد اپنے استاد کی تعریف کرنے لگے۔ اس پہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

وانا اقول فیہ مثل الذی قالوا وافضل۔	جو انھوں نے کہا وہ میں کہتا ہوں بلکہ اس سے زیادہ۔
قرأ القرآن احل حلالہ وحرم حرامہ فقیہ فی الدین عالم بالسنۃ۔[2]	انھوں نے قرآن پڑھا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا۔ وہ تفقہ فی الدین رکھتے تھے اور سنت کے عالم تھے

---

[1] شرح کشف الاسرار بزدوی

[2] سیر اعلام النبلا ۳۵۲

معاصرین کے علم وفضل کا اعتراف

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اپنے معاصرین کے علم وفضل کے اعتراف میں بڑے وسیع القلب واقع ہوئے تھے حضرت عمرؓ سے تو ان کو بڑی عقیدت تھی۔

حضرت ابن مسعودؓ کی حضرت عمرؓ کے متعلق رائے

آپ فرماتے تھے اگر تمام عرب کا علم ایک پلڑے میں رکھدیا جائے اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں تو عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے بالکل اسی طرح سے کہ جس طرح ابوموسیٰ اشعریؓ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت فرماتے تھے۔

لمجلس کنت اجالسه ابن مسعودؓ اوثق فی نفسی من عمل سنة۔

(ایک گھڑی جو میں عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت میں بیٹھا ہوں اس پر مجھے اپنی ایک سالہ عبادت سے زیادہ وثوق ہے کہ وہ میری نجات کا باعث بنے گی۔)

حضرت عمرؓ سے استفادہ

آپ نہ صرف حضرت عمرؓ کے فضل وکمال کے معترف تھے بلکہ کسی معاملہ میں ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ جو مسئلہ معلوم نہیں ہوتا تھا اسے حضرت عمرؓ سے پوچھنے میں اپنی کسرشان نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ نے اپنی بیوی سے ایک باندی خریدی اور باہم یہ شرط طے پائی کہ اب اگر وہ باندی بیچی جائے گی تو اس کی قیمت بجائے حضرت عبداللہؓ کے ان کی بیوی کو ملے گی۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سودا تو کرلیا مگر قلب میں کھٹک تھی اور اس بے اطمینانی کا ذکر حضرت عمرؓ سے کیا حضرت

عمرؓ نے اس بیع مشروط کو ناجائز بتلایا اور حضرت عبداللہؓ کو باندی سے متمتع ہونے سے منع فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے علاوہ دیگر معاصرین صحابہؓ سے بھی آپ استفادہ میں پس وپیش نہ فرماتے تھے۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ عمرؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ باہم ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل ایک دوسرے سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں اگر سنن کبریٰ بیہقی کو دیکھا جائے اس کا روشن ثبوت ملے گا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں چھ شخص درجہ اجتہاد پر فائز تسلیم کئے جاتے تھے اور باہم فقہی مسائل پر بحث ومذاکرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی ابن ابی طالبؓ، ابی بن کعبؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ ایک جانب اور حضرت عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ دوسری جانب۔

ثلاثة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعون قولھم بقول ثلاثة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ابن مسعودؓ یدع قوله بقول عمرؓ وکان ابوموسی الاشعریؓ یدع قوله بقول علیؓ وزید بن ثابتؓ یدع قوله بقول ابی بن کعبؓ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے تین صحابی ایسے ہیں کہ اپنے مختار مذہب کو تین صحابہ کی قول و مذہب کی وجہ سے دستبردار ہوجایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے مذہب کی وجہ سے اپنے مذہب سے دستبردار ہوجایا کرتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کے مذہب کی وجہ سے اپنے فتوے سے دست بردار ہوجایا کرتے تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے مذہب کی وجہ سے اپنے قول سے دست بردار ہوجایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہیں۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگوں کا سن پاتے تو کوئی ان کی ہمسری نہیں کر سکتا تھا یعنی جو عمر ہماری ہے اگر وہ عمر حضرت ابن عباسؓ کی ہوتی اور جتنا صحبت کا زمانہ ہم کو ملا تھا اتنا زمانہ ان کو ملتا تو کوئی ان کے علم میں ہمسری نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تو معاصرین کے متعلق حضرت عبداللہؓ کے قلب میں جو وسعت تھی وہ آپ نے معلوم کی اب ذرا اپنے شاگرد کے متعلق ان کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔ علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ کے مشہور شاگرد تھے ان کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ علقمہؒ کا علم میرے علم سے کم نہیں ہے۔

وعظ و تقریر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وعظ اور ان کی تقریر مختصر مگر جامع اور پُراثر ہوتی تھی۔ حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی۔ پھر آپ کے حکم سے حضرت شیخینؓ نے بھی تقریریں کیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر تقریر کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی تقریر حضرت ابوبکرؓ سے بھی مختصر کی۔ اُن کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کو بھی حکم ہوا کہ تقریر کریں تعمیلِ حکم کے لئے کھڑے ہوئے اور حمد و سلام کے بعد کہا۔

أيها الناس ان الله ربنا وان	اے لوگو! اللہ ہمارا رب ہے اور اسلام
الاسلام ديننا وان هذا	ہمارا دین ہے اور آپ ہمارے نبی ہیں
نبينا واوما بيده الى النبي	جس سے اللہ اور اس کے رسول
صلى الله عليه وسلم رضينا	خوش ہوں اس سے ہم بھی خوش ہیں
ما رضي الله لنا ورسوله السلام عليكم[1]	اور تم پر سلامتی ہو۔

اس کے بعد بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر اور جامع تقریر کی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا ابن ام عبد نے سچ کہا۔[2]

آپ اپنے مواعظ میں دینی عقائد خصوصاً اللہ تعالیٰ ہی کو الٰہِ واحد یقین کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ توحید نماز باجماعت اور دلوں میں خشیتِ الٰہی پیدا کرنے کے لیے مؤثر مثالوں سے کام لیتے۔ ایک مرتبہ خوفِ خدا دل میں بٹھانے کی اہمیت پر آپ تقریر فرما رہے تھے لوگوں کو بتلانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد یقین کرنا اور اس سے ڈرتے رہنا ہی تمام اچھے اعمال کی روح ہے اگر دل خوفِ الٰہی سے خالی ہے تو زندگی اطاعتِ الٰہی سے خالی ہے اس کی مثال میں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص کے اعمال نامہ میں توحید کے علاوہ اور کوئی نیکی نہ تھی۔ اس خوف سے اس نے مرنے سے پہلے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر راکھ کر دینا اور اس راکھ کو منتشر کر کے سمندر میں ڈال دینا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے ورثاء نے اس کی لاش کو راکھ بنا کر منتشر کر کے سمندر کی نذر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح سے سوال کیا کہ تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔؟ تو اس نے کہا کہ اے خدا! محض تیرے خوف اور ڈر سے یہ سن کر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا۔[3] آپ کی اس خصوصیت کی وجہ سے لوگ متمنی رہتے تھے کہ آپ اپنی تقریر کا سلسلہ دیر تک جاری رکھیں مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس نکتہ سے بخوبی واقف تھے کہ تقریر کی طوالت سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳ سیر اعلام النبلاء ص ۳۴۶

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳ ۔ [3] مسند احمد ۔ ج ۱ ص ۳۹۸ ۔

لوگ اکتا جاتے ہیں اور دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تقریر اقل و دلّ ہوتی تھی یعنی الفاظ تھوڑے مگر جامع ہوتے تھے اور مدلل چنانچہ عبداللہ بن مرّۃ کہتے ہیں۔

کان عبد اللہ بن مسعودؓ یخطبنا کل	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر پنج شنبہ کو وعظ
خمیس فیتکلم بکلمات فیسکت	کہتے تھے بہت مختصر باتیں فرماتے تھے
حین یسکت ونحن نشتھی ان	ہمارا شوق باقی رہتا تھا کہ آپ وعظ
یزیدنا۔	ختم کر دیتے۔

اسی طرح آپ شائقین کے اصرار کے باوجود گفتگو طویل کرنے اور وعظ گوئی سے احتراز کرتے۔ آپ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کثرتِ وعظ لوگوں کے دلوں سے نصیحت کی اہمیت کو کم کر دیتی ہے۔ ایک مرتبہ لوگ بہت دیر تک اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ حضرت ابن مسعودؓ تشریف لائیں تو ہم لوگ ان کی نصیحتوں سے مستفید ہوں۔ لیکن جب آپ کو گھر سے نکلنے میں دیر ہوئی تو یزید بن معاویہ نخعی نے اندر خبر بھجوائی کہ معتقدین بہت دیر سے منتظر ہیں آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا "مجھا بوجھ کر معلوم تھا کہ آپ لوگ دیر سے تقریر سننے کے شوق میں بیٹھے ہیں لیکن میں نے جان بوجھ کر دیر کی کیونکہ باربار کے بیان سے انسان اُکتا جاتا ہے اس لئے میری تقریر کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے اکثر ناغہ کر کے تقریر فرمایا کرتے تھے[1]۔

جمع قرآن میں حضرت عثمانؓ سے اختلاف

حضرت عبداللہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنے طور پر قرآن

[1] بخاری شریف و مسند احمد بن حنبل ج اوّل ص ۳۷۷

شریف جمع کیا تھا۔ اپنے قرآن کے ساتھ آپ نے اپنی یادداشتیں بھی لکھ لی تھیں مثلاً بعض ایسی آیات جن کی تلاوت اب باقی نہیں رہی تھی۔ کچھ آیتوں کے معنے اور مطالب۔ جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے طبقات القراء میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

وکان ممن جمع القرآن علیٰ	آپ ان صحابہؓ میں ہیں جنھوں نے آنحضرت
عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ	صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قرآن حفظ
وسلم وتلقی عامتہ منہ واقرأ	کر لیا تھا قرآن کا بڑا حصہ براہِ راست
کان یفتخر وحق لہ قرأ علیہ	آپ ہی سے پڑھا تھا اور آپ کی زندگی
علقمہ والاسود ومسروق	میں پڑھا آپ کا اس پر فخر حق بہ جانب تھا
وزر ابن جیش وزید بن	آپ سے علقمہ، اسود، مسروق اور زر بن جیش
وھب وابوعمرو الشیبانی وابو	زید بن وہب، ابوعمرو الشیبانی اور عبدالرحمٰن السلمی
عبدالرحمٰن السلمی وطایفۃ	کے علاوہ بے شمار لوگوں نے قرآن پڑھا[1]۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ حضرات شیخینؓ کے جمع کردہ قرآن کی اشاعت ہو اور اگر دوسرے مصاحف بھی باقی رہیں تو ان سے آئندہ اختلاف کا اندیشہ ہے لہٰذا انہیں تلف کر دیا جائے۔ حضرت ابن مسعودؓ اس خیال کے مؤید نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو قرآن انھوں نے جمع کیا تھا اس کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرستادوں سے کچھ گستاخی سرزد ہوئی جو حضرت عثمانؓ سے شکر رنجی کا موجب ہوئی مگر آخر میں یہ تکدّر رفع ہوگیا[2]۔ آپ کے انکار کی وجہ ظاہر تھی کہ جو مصحف آپ کے پاس تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

[1] کشف الغمام ج اول ص ۲۵۲۔

ہیں خود اُن کا جمع کردہ تھا۔ مصحفِ صدیقی کی تدوین و ترتیب حضرت زید بن ثابتؓ کے ہاتھوں ہوئی۔ جس زمانہ میں آپ قرآن کی تعلیم حاصل فرما رہے تھے اس وقت زید بن ثابتؓ اتنے صغیر سن تھے کہ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے[1]۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآنی علوم میں جو تبحر حاصل تھا اس کا حال گذر چکا ہے، علمائے متاخرین بھی آپ کا تذکرہ بدیں الفاظ کرتے ہیں۔

من کبار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومتقدمیھم وسادات فقھائھم[2]	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے اور ابتدائی صحابہ اور صحابہ میں جو فقیہہ حضرات تھے ان کے سردار

قرآن کے بارہ میں تو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من اراد ان یسمع القران غضا کما انزل فلیقرأ علی قراءۃ ابن ام عبدؓ۔	جو شخص قرآن کو تر و تازہ اس طرح پڑھے جیسا کہ وہ نازل ہوا تھا ابن مسعودؓ کی قراءت سے پڑھے۔

اس نبوی سند کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اپنا مصحف حوالہ کرنے میں غور و خوض کرنا بالکل درست تھا۔ امیر المومنینؓ کے حکم کی تعمیل بغیر پس و پیش کے کیوں نہیں کی آپ پر یہ الزام آپ کی وقعت کو کم کرنے والا نہیں ہے بلکہ علم و فہم کے جس درجہ پر آپ تھے آپ کے لیے غور و تأمل اور اس حکم کی تعمیل کے دور رس نتائج کو پیش نظر رکھنا لازمی ہے۔

آپ کا طریق روایت

حضرت ابن مسعودؓ حدیث کی روایت اس طور سے فرماتے کہ جس ذات اقدسؐ

---

[1] نسائی کتاب الزینہ [2] کتاب الانساب: علامہ سمعانی، [3] سیر اعلام النبلاء ص ۲۴۱

کی ہدایتیں امت کو پہنچا رہے ہیں اس کی اہمیت سننے والا محسوس کرے سننے والے کے پیشِ نظر وہ نقشہ ہو جاتا کہ وہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہی یہ حدیث سن رہا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے لوگوں کے سامنے ایک مفصل حدیث بیان کی جس میں مومنین کے لئے جنت میں باری تعالےٰ سے شرف کلام سے نوازے جانے کا تذکرہ تھا۔ حدیث ختم کرکے مخصوص انداز میں مسکرائے اور فرمایا کہ جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرایا؟ لوگوں نے کہا جی نہیں! آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اسی طرح مسکرائے تھے[1]۔

روایت حدیث میں احتیاط

پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتا تھا۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔	جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گھڑے تو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

ثابت بن قطبہ کہتے ہیں۔

کان ابن مسعودؓ یجلس ثنانی الشھر بالحدیثین والثلاثۃ[2]	آپ مہینہ میں دو تین حدیث بیان کرتے تھے۔

اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ روایت کرتے وقت اس کی نسبت براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے سے بچا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عمرو شیبانیؒ کہتے ہیں۔

---

[1] مسند احمد ج اوّل ص ۴۴۸

[2] دارمی: کتاب العلم۔

كنت اجلس الى ابن مسعودؓ حولاً لا يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ فاذا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم استقلته الرعدة وقال هكذا او نحو ذا او قريب من ذا۔[1]

کہ میں سال بھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھتا رہا مگر کبھی آپ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرماتے تھے اور اگر کبھی ان کے منہ سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا تو آپ پر کپکی طاری ہو جاتی تھی اور آپ فرماتے تھے کہ آپؐ نے یہی فرمایا اس جیسا فرمایا یا اس کے لگ بھگ فرمایا۔

علقمہ بن قیسؒ کہتے ہیں۔

ان عبد اللہ بن مسعودؓ کان یقوم قائما کل عشیۃ خمیس نما سمعتہ فی عشیۃ منہا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مرۃ واحدۃ قال نظرت الیہ وھو معتمد علی عصا فنظرت الی عصاہ تزعزع۔[2]

عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے مگر کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرماتے تھے مگر صرف ایک بار آپ کی زبان مبارک سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کانپ رہے ہیں جس عصا پر آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے وہ بھی ہل رہا تھا۔

طبقات میں ہی عمرو بن میمون کی ایک روایت اس سلسلہ میں یہ ہے۔

اختلفت الی عبد اللہ بن مسعودؓ سنۃ ما سمعتہ یحدث فیھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یقول

میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جاتا رہا میں نے نہیں سنا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوں

---

[1] ذہبی، ج اوّل، ص ۱۴
[2] طبقات ج سوم ق اوّل ص ۱۱۱

فیھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انہ حدث ذات یوم بحدیث فجری علی لسانہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلاہ الکرب حتی رأیت العرق یتحدر عن جبینہ ثم قال ان شاء اللہ اما فوق ذاک واما قریب من ذاک واما دون ذاک۔

اور نہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے مگر ایک دن آپ حدیث بیان کر رہے تھے کہ آپ کی زبانِ مبارک پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگیا میں نے دیکھا کہ آپ اتنے ڈر گئے کہ پسینہ آپ کی پیشانی سے بہنے لگا آپ نے فرمایا انشاء اللہ کچھ اس سے کچھ اونچی بات یا کچھ اس سے قریب یا کچھ اس سے کم بات۔

آپ کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے۔

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکن العلم الخشیۃ۔

علم بہت روایتیں کرنے کا نام نہیں ہے علم خوفِ خدا کا نام ہے۔

ابن حبان روضۃ الفضلاء میں لکھتے ہیں۔

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ انما العلم بالحسبۃ۔

علم بہت روایت کرنے کا نام نہیں بیشک علم اللہ سے ثواب طلب کرنے کی نیت کا نام ہے۔

تقریباً نبوت کی تمام مدت یعنی ۲۳ سال کے لگ بھگ آپ شرفِ صحبت نبوی سے سعادت اندوز رہے اور محدثین روایتوں کی تعداد صرف ۸۴۸ بیان کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ حدیث کی روایت میں آپ کس قدر احتیاط فرماتے تھے اس مقالہ کے سلسلہ میں صحاح ستہ سے آپ کی جو حدیثیں جمع کی گئی ہیں نفس مضمون کے لحاظ سے ان کا شمار ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہوتا۔

روایت کی قلت و کثرت تعداد کی بنیاد پر صحابہؓ کے چار طبقے ہیں۔

۱۔ مکثرین:۔ وہ صحابہؓ جن کی روایت ہزار یا اس سے زیادہ ہو۔

۲۔ متوسطین:۔ وہ صحابہؓ جن کی روایت ہزار سے کم اور پانچ سو سے زیادہ ہو۔

۳۔ وہ صحابہؓ جن کی روایت پانچ سو سے کم اور کم سے کم چالیس ہو۔

۴۔ مقلین:۔ جن کی روایت چالیس سے بھی کم ہو۔

اس لحاظ سے آپ کا شمار متوسطین میں ہوتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "لیکن عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا علی ابن ابی طالبؓ وغیرہ کو متوسطین کے طبقہ میں شمار کرنے میں مجھ کو کلام ہے کیونکہ ابن مسعودؓ، سیدنا علی بن ابی طالبؓ وغیرہ سے فقہ احسان وحکمت کے بہت سے مسائل منقول ہیں گو ظاہر میں وہ ان کے اقوال ہیں مگر درحقیقت وہ حدیثیں ہیں اور ان کے حدیث ہونے کی متعدد دلیلیں ہیں اور اس میں شک ہو اور اس بات پر یقین نہ ہو تو اس کی سچائی پرکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے تمام فتووں کا دوسرے صحابہؓ کی ان حدیثوں سے موازنہ کرو جو محدثین کے معیار پر صحیح ثابت ہو چکی ہیں۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان مسائل میں سے کس قدر آپ کے اقوال ان احادیث صحیحہ کے موافق ہیں بلکہ ان کے بہت سے اقوال مفہوم ومعنے کے لحاظ سے بالکل ایک ہی ہیں تو پھر ان حضرات کے موافق ہیں بلکہ ان کے بہت سے اقوال ومسائل ان احادیث کے موافق ہیں خود وہ صحیح حدیث ہیں ان مسائل وفتووں کے صحیح حدیث ہونے میں کسی سمجھ دار اور عقلمند آدمی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ پس اس بناء پر یہ دونوں حضرات حقیقۃً مکثرین میں ہیں[1]، اگرچہ اصطلاحاً نہ سہی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس دلیل کی بناء پر اگر دیکھا جائے تو حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ہزار سے بھی بہت اوپر پہنچ

---

[1] ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۱۴

جاتی ہے گو صحاح اور مسانید وغیرہ میں ان کی تعداد روایت ہم کو ۸۴۸ نظر آتی ہے ان میں سے ۶۴ بخاری ومسلم میں مشترک ہیں اور صرف بخاری میں ۲۱ اور مسلم میں ۳۵ غیر مشترک ہیں بمضمون کے لحاظ سے ڈھائی سو کی تعداد صحاح ستہ کی حدیثوں کی نہیں ہوتی۔

گو اصطلاحاً آپ کی روایت کردہ حدیثوں کی بنا پر آپ کا شمار متوسطین میں کیا گیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف عبدالرزاقؒ ومصنف ابن ابی شیبہؒ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت سیدنا علیؓ کے اقوال اور فتووں کو جمع کیجئے۔ پھر فقہ حنفی کے مسئلوں کو نگاہ میں رکھئے پھر دیکھئے کہ یہ اقوال اور فتاوی جو فقہ حنفی کے نام سے دنیا میں مشہور ہیں دوسرے صحابہؓ کی کتنی صحیح حدیثوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔

شاگردوں کو بھی احتیاط کی تاکید

علامہ ذہبیؒ حضرت ابن مسعودؓ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں بکان ممن یتحرّی فی الاداء ویشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ من التھاون فی ضبط الالفاظ۔ خود بھی بڑی احتیاط فرماتے تھے اور آپ اپنے شاگردوں کو بھی سہل نگاری سے سختی سے منع فرماتے تھے۔

ان کے ایک مخصوص شاگرد حضرت مسروق کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ اکثر افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ بہت جلد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اہل علم باقی نہ رہیں گے اور مذہبی ودینی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی جو اپنی جہالت کی وجہ سے ہر معاملہ میں قیاس آرائی کریں گے۔[1]

---

[1] اعلام الموقعین ص ۶۴۔

بڑی قدر و منزلت تھی[1]۔ محمدؒ بن جریر طبری کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اصحاب میں سے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا کوئی ایک بھی ایسا نہ ہوا جس کے فتاوی اور فقہی اجتہادات مرتب کئے گئے ہوں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کسی بات کو ناپسند فرمائیں اور حضرت عبداللہؓ کو اس سے منع کریں اور حضرت عبداللہ اس کو نہ مانیں۔

پھر آپ جس قدر روایت کرنے میں محتاج تھے اس کے پیش نظر قید کرنے کا واقعہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

ذوق محادثہ

حضرت ابن مسعودؓ کو روایت حدیث کے ساتھ فطری لگاؤ اور شیفتگی تھی۔ اکثر مجالس میں خود حدیث بیان فرماتے اور دوسرے صحابہؓ سے سنتے اس کے معانی و مطالب پر غور کرتے دوسروں کو غور و فکر کی دعوت دیتے۔ کبھی کبھی وہ شوق میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ہاں خود مذاکرہ کے لئے پہنچ جاتے۔ اپنے علم سے انہیں بہرہ ور کرتے اور ان سے کوئی نئی حدیث یا حدیث کے سلسلہ میں کوئی نئی بات معلوم ہوتی تو اس سے بخوشی استفادہ فرماتے اس میں اپنی کسی طرح کسر شان محسوس نہ کرتے۔ وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں اپنے گھر تھا دوپہر کا وقت تھا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس وقت کوئی میرے دروازے پر آنے کی زحمت اٹھائے گا۔ اچانک باہر سے السلام علیکم کی آواز آئی میں نے آواز نہیں پہچانی مگر جواب دیدیا اور معاً یہ دیکھنے کو کہ اس وقت کون اللہ کا بندہ یہاں تک تکلیف کر کے آیا ہے۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن بھلا یہ کونسا

---

[1] الاحکام ص ۱۳۶۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صریحاً کذب ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حدیث کی روایت میں حفظ و دیانت کے ساتھ فہم و فراست کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ روایت پہنچانے اور اس کے ادا کرنے میں لفظ و مطلب کے لحاظ سے کسی قسم کی غلطی نہ ہو۔ راوی پر اس کی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور آخرت کی جواب دہی اس پر مستزاد ہے۔ اس کی ذرا سی بے احتیاطی سننے والوں کی گمراہی کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں روایت کی کثرت سے روک دیا تھا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں۔

ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعودؓ وابا الدرداءؓ وابا مسعود الانصاریؓ فقال لقد اکثرتم الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عمرؓ نے ان تین آدمیوں کو حدیث بیان کرنے سے روک دیا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداءؓ (عویمر) اور ابو مسعودؓ (عقبہ بن عمرو بدری) انصاری۔

یہاں حبس[1] کے معنی قید کے نہیں ہیں بلکہ روک دینے کے ہیں جس کی وجہ سے بعض کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے ان بزرگوں کو کثرت روایت کی بنا پر قید کر دیا تھا یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کے دل میں حضرت عبداللہؓ کا جو مقام تھا اس کے پیش نظر یہ ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو روایتِ حدیث سے منع فرمایا اور یہ باز نہیں آئے تو عدول حکمی کی سزا میں انہیں قید کر دیا گیا۔ عقل اس کو بھی تسلیم نہیں کرتی کیونکہ خود حضرت عبداللہؓ کے دل میں بھی حضرت عمرؓ کی

---

[1] حبس عن الکلام، بات سے روک دینا بحوالہ مصباح اللغات۔ یہاں حبس کے معنی زبان بندی کے ہی ہیں۔

وقت ملاقات کا ہے؟ آپ نے بڑی زحمت اٹھائی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ آج فرصت ملی تو ارادہ کیا کہ کسی صحبت یافتہ سے باتیں کر کے عہد نبوی کی یاد تازہ کروں۔ میں نے کہا بصد شوق تشریف رکھیں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ بیٹھ گئے اور حدیثیں بیان فرمانے لگے۔ کافی دیر تک یہ پُر لطف اور روح پرور صحبت جاری رہی[1]

غلطی سے رجوع میں عار نہ فرماتے

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کتاب وسنت کے علم اور اجتہاد کی غیر معمولی قوت کے باوجود اگر کبھی یہ معلوم ہوجاتا کہ ان سے کسی فیصلہ میں کچھ غلطی ہوئی ہے تو وہ عالمانہ شان برقرار رکھنے کی کوشش غلط تاویل کے سہارے نہ کرتے بلکہ بلاپس وپیش غلطی کا اعتراف کر لیتے اور پھر سائل کو صحیح جواب دیتے۔ ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی نے نکاح کیا مگر ابھی تک اپنی بیوی کے ہاتھ نہ لگایا اور وہ اس کو طلاق دیدے تو کیا طلاق دینے کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواز کا فتویٰ دیا لیکن جب مدینہ آئے تو دوسرے صحابہؓ سے تذکرہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس صورت میں نکاح ناجائز ہے تو اہتمام کر کے حضرت ابن مسعودؓ کوفہ آئے تلاش کر کے مستفتی سے ملے اور نکاح کے فسخ کرنے اور اس بیوی سے علیحدہ ہونے کا حکم دیا[2]۔

نامعلوم مسائل پر رائے زنی سے احتراز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آجاتا جس کے فیصلہ میں کتاب وسنت کی کوئی ہدایت آپ کو نہ ملتی تو آپ فتویٰ دینے سے

---

[1] مسند احمد ج اوّل ص ۴۴۸ [2] موطا امام مالک ۱۹۳

انکار کر دیتے لیکن جب لوگوں کا اصرار بڑھ جاتا تو غور وفکر کے بعد اجتہاد سے کام لے کر اس کا فیصلہ کرتے اور جب بعد میں یہ معلوم ہوجاتا کہ ان کا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہوا ہے تو وہ اس موافقت بہت خوش ہوتے اور دلی مسرت کا اظہار کرتے۔ ایک عورت کا شوہر خلوت صحیحہ کئے بغیر مر گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ عورت مہر ووراثت کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ اس واقعہ کی کوئی نظیر آپ کے سامنے نہ تھی اس لئے جواب دینے سے انکار کر دیا اور لوگوں کے بے حد اصرار کے باوجود ایک ماہ تک اس مسئلہ میں بالکل خاموش رہے لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ اس عورت کو مہر مثل ملے گا اور میراث میں حصہ پائے گی اور عدت بھی اس پر واجب ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ خدا اور اس کا رسولؐ اس سے بری ہیں۔ اس وقت دو صحابی حضرت جراحؓ اور حضرت ابوسنانؓ (معقل بن سنان الاشجعی بعض روایتوں کے مطابق سلمہ بن یزید) موجود تھے انہوں نے فوراً اٹھ کر اس فیصلہ کی تائید کی اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے متعلق اس صورت میں یہی فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی[1]۔

معاصرین سے استفادہ

جو مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو بے تکلف دوسرے اہل علم سے پوچھ لیتے اور اس میں اپنی کسر شان محسوس نہ کرتے اپنی بیوی سے کونڈی خریدلی مگر بشرط کے ساتھ اس پر

---

[1] سنن نسائی۔

بے اطمینانی کی وجہ سے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا اور ان کے فیصلہ پر عمل کا واقعہ عہدِ فاروقی کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

درس و تدریس اور تلامذہ

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابنِ مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی، امیر کوفہ کا مشیر اور بیت المال کا نگران بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن آپ نے اہلِ کوفہ کی دینی و مذہبی تعلیم و تربیت میں اپنے وقت کا بڑا حصہ صرف کیا۔ کوفہ میں قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم کے لئے باضابطہ درس گاہ کھول دی اور شاگردوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ بیک وقت اتنی بڑی تعداد کا صرف ایک شخص کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کی مثال اس عہد میں کوئی اور نہیں مل سکتی۔ علامہ ذہبیؒ طبقات القراء میں لکھتے ہیں وتفقہ بہ خلق کثیر و کانوا لا یفضلون احداً فی العلم علامہ نووی تہذیب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں۔ سمع عنہ خلائق لا یحصون من کبار التابعین۔

اسرار الانوار میں ہے! کان ابن مسعودؓ بالکوفۃ ولہ اربعۃ آلاف تلمیذ متعلمون بین یدیہ کوفہ میں حضرت ابنِ مسعودؓ کے چار ہزار شاگرد تھے[1] کسی درس کی حسن و خوبی کا اندازہ دو باتوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) اول اس کے معلمین و اساتذہ (۲) دوسرے وہاں کے تعلیم پائے ہوئے طلباء سے۔ اگر کسی دار العلوم کے اساتذہ اپنے فضل و کمال اور علمی تبحر میں لاثانی ہوں تو اس دار العلوم کی عظمت کی دلیل ہے۔ اسی طرح وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ اگر مخصوص استعداد اور اچھی علمی صلاحیت کے حامل ہوں تو یہ بھی اس درس گاہ

---

[1] احکام القرآن ج اول ص ۱۱۔

کی عظمت و بلندی کی دلیل ہے اس اعتبار سے حضرت ابن مسعودؓ کا قائم کردہ دار العلوم کوفہ میں اپنے حسنِ تعلیم اور کثرت سے علماء پیدا کرنے میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے معلم اول تو خود حضرت ابنِ مسعودؓ تھے اس درس گاہ سے شاگرد بھی ایسے نکلے کہ قیامت تک اہلِ علم ان کے چشمہ علوم و فنون سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ تاریخ کے امام طبری لکھتے ہیں کہ اسلام میں ابنِ مسعودؓ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس کے درس سے ایسے نامور علماء نکلے ہوں اس کے بعد آپ کہتے ہیں

لم یکن احد لہ اصحاب معروفون حرروا فتیاہ

ومذاہبہ فی الفقہ غیر ابن مسعودؓ۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اہلِ کوفہ کو دینی رنگ دینے کا کام اس وقت سے شروع کیا جب کوفہ کی بنیاد سنہ ۱۷ھ میں پڑی اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اپنے قیام کوفہ تک آپ یہ خدمت انجام دیتے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ مفسرین، محدثین، فقہاء اور قراء سے بھر گیا۔ کوفہ کی علمی مرکزیت کا یہ حال ہوا کہ وقتاً فوقتاً بڑے بڑے صحابہ بھی اپنے مبارک قدموں سے اس سرزمین کو سعادت بخشتے رہے۔ حضرت علیؓ نے کوفہ تشریف لانے پر حضرت ابنِ مسعودؓ کے علمی کارنامہ پر جس حیرت و مسرت کا اظہار کیا اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ کوفہ اپنی علمی فضا کی وجہ سے اس قدر مشہور ہوا کہ سارے عالمِ اسلام میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم اور کوفہ لازم و ملزوم سمجھے جانے لگے۔ وہاں جتنے مفسرین، محدثین اور فقہاء تھے اتنے کسی اور اسلامی شہر میں نہ تھے۔ یہ فخر صرف کوفہ کو حاصل تھا۔ یاقوت الحموی کا بیان ہے کہ فاروق اعظمؓ نے کعب الاحبار

---

[1] معارف ابن قتیبہ

سے تمام اقالیم کو دریافت فرمایا۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد جو شے جس کو مناسب ہوئی اس کو وہی عطا کر دی۔ عقل نے اہلِ عراق (کوفہ) کو پسند کیا تو "علم" نے کہا میں تیرے ساتھ ہوں[۱]۔ عبدالجبار بن عباس کہتے ہیں کہ میرے باپ عباس نے عطاء بن رباحؒ محدث مکہ سے مسائل دریافت کئے تو پوچھا تمہارا مکان کہاں ہے؟ میرے والد نے جواب دیا کہ کوفہ میں عطاء نے فرمایا تعجب ہے کہ تم مجھ سے مسائل دریافت کرتے ہو حالانکہ مکہ میں علم کوفہ ہی سے آیا ہے[۲]۔ تمام بڑے بڑے شہروں کے اہل علم نے اپنے شہر میں آئے ہوئے صحابہؓ کا شمار کیا ہے اور کتابوں میں ان کی تعداد درج کی ہے۔ علامہ سیوطی نے مصر کو رونق بخشنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد لکھی ہے جو بمشکل تمام تین سو تک پہنچ سکی ہے اور العجلی نے صرف ان صحابہؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار گنائی ہے جنھوں نے کوفہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا انہ توطن الکوفۃ وحبہا من الصحابۃ الف وخمس مائۃ صحابی سوی من اقام بہا ونشر العلم بین ربوعہا ثم لم تحل الی بلاد آخر فضلا عن بلاد العراق[۳]۔ ان میں ستر تو بدری ہی تھے اور پندرہ سو کی اس تعداد کے علاوہ اور بہت بڑی تعداد ان کی ہے جو کوفہ میں تشریف لائے اور کچھ مدت رہ کر علم کی اشاعت کی پھر وہاں سے دوسرے شہروں کو منتقل ہو گئے۔ یہ حال تو عراق کے صرف ایک شہر کوفہ کا تھا اس کے علاوہ عراق کے اور شہروں میں جو صحابہ کرامؓ آکر مقیم ہوئے ان کی تعداد الگ ہے۔ علامہ رازی کہتے ہیں کہ جو قراء عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے ساتھ حجاج بن

---

[۱] معجم البلدان، ج اول، ص ۵۰ [۲] طبقات ابن سعد

[۳] مقالات کوثری، ص ۱۳۱

یوسف کے مقابلہ کے لئے ۸۳ھ میں نکلے تھے ان میں صرف قراء کی تعداد چار ہزار تھی۔ اسی ایک واقعہ سے کوفہ کی علمی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی آپ کے سوانح کے آخر میں ایک سو چالیس شاگردوں کی فہرست درج کی ہے جس میں حضرت علقمہ بن قیسؒ، حضرت اسودؒ، حضرت مسروقؒ، حضرت عبیدہؒ، حضرت حارثؒ، حضرت قاضی شریحؒ اور حضرت ابو وائلؒ وغیرہ جیسے یکتائے روزگار بھی شامل ہیں ان میں سے ہر ایک نے عالمِ اسلام میں بڑی شہرت حاصل کی حضرت ابن مسعودؓ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں جو خصوصیت حاصل تھی وہی خصوصیت حضرت علقمہ کو حضرت ابنِ مسعودؓ کے نزدیک تھی۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اخلاق اعمال اور سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھے۔ اسی طرح علقمہؒ اپنے استاد حضرت ابن مسعودؓ کا آئینہ کہلائے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبیدہ کا یہ حال ہے عن الاعمش عن تمیم بن سلمۃ کان ابو عبیدۃ اشبہ صلاۃ بعبد اللہ فرأیتہ یصلی لما یحرک شیئا وما یطرف۔

(التاریخ الکبیر۔ بخاری)

یوں تو حضرت علقمہؒ سفر میں بھی حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہتے تھے لیکن اگر کسی مجبوری کی بناء پر کبھی ساتھ نہ رہ سکے تو اپنے کسی خاص آدمی کو ساتھ کر دیتے کہ وہ حاضرِ خدمت رہے اور جو کچھ دیکھے اس سے مطلع کرے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت علقمہؒ کسی وجہ سے ان کے ہمراہ نہ جا سکے تو انھوں نے مجھ کو ان کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ ان کی خدمت میں رہو اور جو کچھ دیکھو اور سنو اس سے مجھے مطلع کرنا۔

حضرت خبابؓ نے ایک مرتبہ پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! کیا آپ کے یہ شاگرد بھی آپ کی طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں؟ حضرت ابنِ مسعودؓ نے کہا اگر آپ کہیں

تو کسی سے پڑھوا کر سنواؤں۔ حضرت خبابؓ نے کہا کہ ضرور سنوائیے۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے اس پورے مجمع میں حضرت علقمہؒ سے کہا کہ پڑھو۔ انھوں نے تعمیل حکم کی۔ پچاس آیتیں اس طرح پڑھیں کہ سماں بندھ گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ کہئے کیا رائے ہے۔ حضرت خباب نے بہت سراہا۔[1]

معتقدین کا ہجوم

تلامذہ کے غیر معمولی ہجوم کے علاوہ معتقدین بھی بڑی کثرت سے آپ کو گھیرے رہتے تھے اور ظرف کے مطابق علم و فن کے بحر ذخار سے کسب فیض کرتے رہتے تھے۔ شقیق بن سلمہ ابو وائلؒ الکوفی کہتے تھے کہ ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر حضرت ابن مسعودؓ کے مکان پر ان کے باہر آنے کا انتظار کرتے رہتے[2] (تاکہ ان کے وعظ و پند سے استفادہ کر سکیں)

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں بیٹھتے اور ان سے علم حاصل کرتے۔ ایک روز حسب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص یا ابا عبدالرحمٰن کہتا ہوا داخل ہوا۔ آپ نے بجائے جواب سلام کے فرمایا صدق اللہ و رسولہ یعنی خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا یہ کہا اور گھر میں چلے گئے ہم کو سلام کے اس جواب پر سخت حیرت ہوئی مگر آپ اندر جا چکے تھے کچھ پوچھ نہ سکے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے پوچھا اس شخص کے سلام کا جو جواب آپ نے دیا وہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہچان پہچان کر سلام کرنا، تجارت میں ترقی اور تجارت میں عورتوں کی شرکت اور اعزہ کے ساتھ بدسلوکی جھوٹی شہادت اور کتمان حق قرب قیامت کی

[1] بخاری ج دوم ص ۶۳۰ [2] مسند احمد ج اول ص ۲۷۷۔

نشانیاں ہیں۔[1]

یوں تو آپ کے ہاں ہجوم رہتا تھا لیکن طلوع آفتاب کے بعد کا وقت قسم قسم کے مسائل کے جواب دینے کے لئے تھا۔ ابو وائلؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ صبح کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں گئے اور انہیں تسبیح و تہلیل میں مشغول پایا جب آفتاب نکل آیا تو ایک شخص نے کہا کہ میں نے رات نماز میں پوری آخری منزل پڑھی عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہاں شعر کی طرح جلد جلد پڑھی ہو گی۔ پھر فرمایا کہ ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور ہمیں وہ دو دو ملتی جلتی سورتیں یاد ہیں جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ آپ دس سورتیں مفصل کی اور دو سورتیں حم کی پڑھتے تھے۔[2]

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا استفتاء آیا کہ ایک شخص اپنی ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑ کر مرا اب اس کا ترکہ ان تینوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی حق دار ہیں اور پوتی کو کچھ حصہ نہیں ملے گا اور وہ محروم الارث ہوئی۔ اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مستفتی کو تاکید کی کہ اس کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جا کر کر لو۔ مستفتی نے یہ مسئلہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے جواب کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں پیش کیا اور ان کی رائے پوچھی۔ انھوں نے استفتاء اور اس کا جواب دیکھا تو فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ابوموسیٰ کے فیصلہ کو ترجیح دوں (یعنی ان کے اس جواب کی تصدیق کر دوں) تو میں غلطی کروں گا۔ اس کے بعد انھوں نے استفتاء کا جواب اس طرح دیا کہ بے شک بیٹی نصف حصہ کی حقدار ہو گی لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لئے چھٹا پوتی کو بھی ملے گا۔[3]

[1] الادب المفرد امام بخاری باب ۸۰، ۴۸ حدیث ۱۰۴۹ باب من کرہ تسلیم الخاصہ
[2] ترمذی بخاری باب السلام بالمعرفۃ۔ [3] بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷

چنانچہ یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا آج معمول ہے۔

فرائض کے ابواب میں کثرت سے آپ کے فتوے نقل کئے گئے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کسی نے پوچھا کہ اگر غلطی سے کسی کے حلق میں بیوی کا دودھ چلا جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی یا نہیں! حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا ہاں حرام ہو جائے گی۔ حضرت ابن مسعودؓ پاس ہی بیٹھے تھے انھوں نے یہ جواب سنا تو تعجب سے پوچھا کہ آپ نے کس طرح یہ فتویٰ دیا۔ رضاعت تو صرف دو سال ہے اور جب رضاعت ثابت نہیں ہوئی تو بیوی کس طرح حرام ہو جائے گی۔؟ حضرت ابو موسیٰؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور بروقت اصلاح کے لے حضرت ابنِ مسعودؓ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھنے والے سے کہا کہ دیکھو جب تک تم میں یہ بڑا عالم موجود ہے ہم سے مسئلے مت پوچھا کرو۔

شرک و بدعت کے فہم میں آپ کی دقیقہ رسی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی خصوصیتوں میں سے یہ بہت وقیع امر ہے کہ بدعت کی حقیقت کو آپ نے خوب سمجھا اور بڑی سختی سے بدعت کی راہ اختیار کرنے سے امت کو روکا۔ بدعت سے بچنے کی تاکید آپ نے جس قدر کی ہے کسی دوسرے صحابی سے ممانعت کی اتنی روایتیں نہیں ہیں آپ کی وہ حدیث جس میں آنحضرت

ل؎ جس بات کے متعلق ہمارا یہ تصور ہو کہ اس کے کرلے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے پاس یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہم مقبول بندہ ٹھہریں گے یا ہماری مقبولیت بڑھ جائے گی یا اس عمل سے ہمارے بال بچوں کے رزق میں وسعت یا برکت ہو گی یا اس عمل کی برکت سے ہماری مصیبتیں دور ہوں گی اس قسم کی تمام باتیں دینی کہلاتی ہیں۔ اگر ان کا پکا ثبوت شریعت سے نہ ہو یا کبار صحابہؓ نے اُسے نہ کیا ہو تو وہ بدعت کہلائے گی۔ اس طرح کسی جائز کام کی شریعت کی طرف سے انجام دینے کی ایک سے زیادہ طریقوں کی اجازت ہے مگر ہم کسی ایک خاص طریقے اور ہیئت کو بغیر کسی شرعی دلیل کے متعین کریں اور یہ سمجھیں کہ اس میں ثواب زیادہ ہو گا تو پھر اس کا شمار بھی بدعت میں ہوگا، ہاں اگر اس کام کے کسی خاص طریقے کو صرف اپنی سہولت کے لئے اختیار کرتے ہیں یا کسی کام کو صرف دنیا کے نفع کے لئے اختیار کریں تو اس کو بدعت نہ کہیں گے یعنی وہ دینی بات نہیں ہے۔ ایسی باتوں کے متعلق ہم سے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا شرعی ثبوت کیا ہے اور نہ ایسے کام کو بدعت کہیں گے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے اور بدعت سے بچنے کا حکم دیا ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال خطلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمینہ وعن شمالہ وقال ھذہ سبل علی کل سبیل منہ شیطان یدعوا الیہ وقرأ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (رواہ الدارمی واحمد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس خط کے داہنے بائیں آڑے ترچھے خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ سیدھا خط اسلام ہے اور جتنے آڑے ترچھے خط ہیں ان سب کے سروں پر شیطان بیٹھا ہے اب جو بھی اس سیدھے خط کو چھوڑ کر ان میں سے کسی خط پہ چلیگا شیطان اس کو نہیں چھوڑے گا اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ان ھذا صراطی .... الخ

اسلام اسی کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے معبود و حاجت روا ہونے کا انکار کرے اور (بغیر کسی شرکت کے) صرف اللہ تعالیٰ ہی کے معبود ہونے کا یقین یعنی توحید کا اقرار کرے۔ یہ کلمہ کا پہلا جزء ہے۔ اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول ماننے یعنی زندگی گذارنے کے جس طریقے سے اللہ تعالیٰ خوش ہے اس کے بتلانے والے اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں زندگی گذارنے کے دوسرے طریقہ کو خدا کی مرضی کے مطابق جاننے اور ماننے سے انکار کرے یہ کلمہ کا دوسرا جزو ہے اگلے انبیاء کرام نے بھی اپنی امتوں کو یہی تعلیم دی تھی لیکن ہمارے سامنے ان کے واقعات ہیں کہ وہ گمراہ ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ان دو قسم (شرک و بدعت) کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جانے سے بہت ڈرایا ہے کہ مبادا انسان ان میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو کر جہنم کا مستحق نہ بن جائے۔

آپ نے اپنی عقل وفہم سے کام لے کر ایمان کی دولت حاصل کی ہے۔ اسلام کے

بعد بھی عقل وفہم سے کام لے کر اپنے علم و عمل میں چوکنا رہنا ہے کہ ایمان میں شرک کی آمیزش اور عمل میں بدعت کا دخل نہ ہونے پائے۔

شرک و بدعت کا ربط و تعلق حقیقت و نتیجہ دونوں کے لحاظ سے

کلمہ طیبہ کے پہلے جزء لا الہ الا اللہ کو پوری طرح سمجھنے میں سہل انگاری برتیں اس کے تقاضوں پر نظر نہ رکھنے میں شرک میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور دوسرے جزء محمد رسول اللہ کو پوری طرح نہ سمجھیں تو بدعت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے جب کہ شرک و بدعت دونوں حقیقت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں کلمہ کے پہلے جزء کا انکار شرک دوسرے جزء کے تقاضوں سے بے پروائی بدعت، پھر دونوں کے نتیجوں کا ایک ہونا بالکل مطابق عقل و فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی حاجت روائی میں شریک سمجھنا شرک ہے[1]۔ اور جو بات دین کی نہ ہو اس کو دین سمجھنا بدعت ہے۔ مومن یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ (معبود) و رب (حاجت روا) نہیں ہے۔ مشرک دوسروں کو بھی حاجت روائی میں کسی درجہ میں شریک سمجھتا ہے۔ دونوں میں اصلی فرق علم ہی کا ہے۔

متبع سنت صرف انھیں باتوں کو دین جانتا و مانتا ہے جن کا پختہ ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے[2]۔ مبتدع (بدعتی) دین میں اضافہ کی تجویز پیش کرتا ہے، اس میں بھی اصلی فرق علم ہی کا ہے۔ یہ دونوں غلطیاں علمی ہوئیں۔

آپ سوچئے تو سہی کہ اسباب سے بھری دنیا میں یہ یقین کہ جو کچھ نفع نقصان ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اس کے سوا نہ کوئی ہماری حاجت روائی کر سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے کام میں روڑے اٹکا سکتا ہے، عقل وفہم سے

---

[1] اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی مرضی اور اس کا حکم اس کے سوا سب کے حکم سب کی مرضی پہ غالب رہے۔

[2] جن باتوں کا ثبوت خلفاء راشدینؓ یا کبار صحابہؓ میں سے کسی سے ہو اس کو بھی بدعت نہ کہا جائے گا۔

کام لئے بغیر کیسے ممکن ہے؟ آنکھوں پر جو اسباب کا پردہ ہے اس کو دور کرکے اس حقیقت کو پالینا کہ ہر نفع و نقصان اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور حاجت روا صرف اسی کی ذات ہے، اس کے حکم کے بغیر ہمارا بال بیکا نہیں ہو سکتا انسان کی بڑی دانائی و فرزانگی ہے۔

شرک دور کرنے اور بدعت سے بچے رہنے میں انسان کو بڑی محنت اٹھانی پڑتی ہے۔ انسان کی حاجتیں اس دنیا میں اسباب ہی کے ذریعہ پوری ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے حاجت روا سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ اسباب ہی کو حاجت روا سمجھ بیٹھتا ہے۔ درحقیقت حاجت روائی میں اسباب کو کوئی قدرت نہیں۔ یہ صرف ذریعہ اور واسطہ ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سبب اور واسطہ بنا لیتا ہے۔ حاجت روا بغیر کسی شرکت کے اللہ ہے۔ مگر انسان اپنے مقصد پورا ہونے کے لئے غیر اللہ کی طرف نظر دوڑاتا رہتا ہے۔ غیر اللہ سے حاجت روائی کی تمنا و آرزو رکھتا ہے۔

انسان لازوال دائمی راحت (جنت) کا فطرتاً طالب ہے اس کی طلب میں نیکیوں میں اضافہ چاہتا ہے دین کے احکام کی پابندی شاق ہوتی ہے۔ مگر لازوال دائمی راحت (جنت) کا شوق انسان کی فطرت ہے کبھی انسان شیطان کے بہکانے میں آجاتا ہے۔ اس حرص و جلد بازی میں چند کاموں کے متعلق فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ نیک کام ہیں اس فیصلہ کے وقت شریعت کے معیار اس کے پیش نظر نہیں رہتے۔ اپنے خیال سے ایسے چند کاموں کو نیکی قرار دے لیتا ہے جسے دوررس دینی بصیرت صحیح نہیں سمجھتی۔

شرک و بدعت یہ دونوں گمراہیاں وہ ہیں جن میں انسان کے مبتلا ہو جانے کا اندیشہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔[۱]

للشرك فيكم اخفى من دبيب النمل۔	چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ آہستہ چال سے شرک تم میں سرایت کر جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔

هل الشرك الامن جعل مع الله الهاً آخر۔	شرک یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی معبود قرار دیا جائے۔

تو اس کے جواب میں ارشاد ہوا:۔

والذی نفسی بیده للشرك اخفى من دبيب النمل۔	قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، شرک چیونٹی کی چال سے بھی آہستہ چال چلتا ہے۔

اس کے بعد اس کے دور کرنے کا یہ علاج بتلایا کہ جب تم یہ پڑھ لیا کرو گے تو شرک کے چھوٹے بڑے حصے نکل جایا کریں گے۔

اللهم انی اعوذ بك ان اشرك بك وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم۔	میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس شرک سے جو میرے علم میں ہے اور استغفار کرتا ہوں اس سے جو میرے علم میں نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ شرک سے بچنے کے لئے قلب کی نگرانی سے صدیق کو بھی غفلت جائز نہیں۔[۲]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔

---

[۱] الادب المفرد حدیث (۷۱۶) باب ۲۹۶

[۲] الادب المفرد، حدیث ۶۷۷، باب ۱۷ - ۲۹۶

ان اخوف ما اخاف علی امتی الشرك الاصغر[1] ایک طرف یہ خوف دوسری طرف یہ اطمینان کہ شیطان کے بہکانے میں مسلمان نہ آسکے گا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ مسلمان اس کی اطاعت کریں[2]۔

اب یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ کیا شرک ہے؟ جس سے اتنا ڈرایا گیا ہے۔

ہم زبان سے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک، روزی دینے والا (رزاق) اور حاجتوں کا پورا کرنے والا (رب) کہتے رہتے ہیں پھر بھی دین و دنیا کے جب مختلف کام پڑتے ہیں تو ہم غیر اللہ سے اُمیدیں قائم کر بیٹھتے ہیں کہ وہ ہمارا کام بنا دیں گے۔ یہ توقع غیر شعوری طور پر ہم کو شرک میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ہمارے مرشد و پیر اخوش ہو جائیں گے تو دنیا کی حاجتیں بغیر اختیار اسباب پوری ہو جائیں گی یا بغیر اختیار اسباب حصول برکت دین کی بہت سی برکتیں ہم کو ملیں گی۔ یا دنیا کے کاموں میں پیر و مرشد کے خوش رہنے سے ہم کو آسانیاں میسّر ہوں گی اور اگر پیر ناخوش ہو جائیں گے تو عاقبت تباہ ہو جائے گی۔ حالانکہ لا الہ الا اللہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ نہ غیر اللہ سے ہم کو نفع کی امید ہو نہ غیر اللہ سے کسی خطرہ کا احساس اس توقع اور اُمید قائم کرنے کے باوجود جب مسلمان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم غیر اللہ سے امید رکھتے ہو تو اسے شرک سمجھتا ہے اور شرک سے بیزار ہونے کی وجہ سے اس سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ دل کے چور کو ظاہر نہیں کرتا اور یہ بات زبان پر نہیں لاتا۔ یہاں مثال میں اُس جذبہ کو پیش کیا گیا ہے جس سے دین دار طبقہ بھی بچتا نظر نہیں آتا۔

---

[1] احمد [2] مسلم

الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔

حدیث شریف میں ریا کو بھی شرک اصغر بتلایا گیا ہے جس میں صرف غیر اللہ کی خوشنودی کا خیال کر لیا جاتا ہے۔ غیر اللہ کا خوش کرنا مقصد نہیں بنایا جاتا۔ جہاں مقصد بنا لیا جائے اور اس سے زیادہ درجہ دیا جائے تو اس کے شرک ہونے میں کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔

لا الہ الا اللہ پر صحیح فہم کے ساتھ پختہ یقین ہو تو جہنم سے نجات یقینی ہے اللہ تعالیٰ کے تنہا الہ و رب ہونے کے عقیدۂ توحید کو شرک کے شائبہ سے بچانا جہنم سے نجات پانے کے لئے بے حد اہم ہے اسی طرح کلمہ کے دوسرے جز (محمد رسول اللہ) کا مفہوم یہ ہے کہ نجات کے لئے وہی طریقۂ زندگی صحیح اور اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اللہ سے پہنچایا ہے تو ہمارے اس اقرار سے ہم پہ ضروری ہو گیا کہ ان ہی باتوں کو ہم اللہ کی بات (دین) مانیں جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بات بتلایا جن باتوں کے متعلق ہمارے پاس ثبوت نہیں ہے کہ وہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہے تو ہم اس کو دین قرار نہیں دے سکتے ایسی کسی بات کو دین قرار دینا بدعت ہوگا۔ اس لئے بدعت کا سنت سے امتیاز بھی بے حد اہم ہے۔

نجات حاصل کرنے کے لیے پورے کلمہ یعنی ہر دو جز کی تصدیق اور ان پر پختہ یقین لازمی ہے جس طرح شرک سے انسان نار کا مستحق قرار پاتا ہے اسی طریقہ سے بدعت سے بھی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے بغیر کسی جز کو دین قرار دینے سے) انسان مستحق ناری ہو جاتا ہے توحید کے فہم میں نقصان سے شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو سنت کا بدعت سے امتیاز نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رسالت کے دائرۂ حدود سے ہم نابلد ہیں ہمارے دماغ میں

اس کی وسعت کا پیمانہ صحیح نہیں ہے اس وجہ سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو یہ مشورہ دینا جائز سمجھتے ہیں کہ فلاں بات اور اس کام کا دین میں شمار کرنا مناسب اور بہتر ہے۔ (نعوذ باللہ) اللہ کے رسولؐ پر الزام لگاتا ہے کہ آپ نے اپنے فرض رسالت کو پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ دین کی تمام باتوں کو نہیں بتلایا۔ آپ کے بتلانے سے کئی باتیں چھوٹ گئی ہیں (نعوذ باللہ) آپ بھول گئے ہیں ہم یاد دلاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ پھر اس کے بعد کسی چیز کو دینی بات بتلانا اس کو اللہ اور رسول کے مشورہ دینے کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

اس لئے شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے لکھ دیا ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے بعد دین میں زیادتی دین میں نقص ثابت کرنا ہے[1] تمالاً انسان اسلام اختیار کرنے کے بعد بھی ذکر و عبادت کے من مانے طریقے خود یا دوسروں کے ایجاد کردہ طریقے اختیار کر لیتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے جن پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے خوش ہو جانے کا کوئی ثبوت اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہے وہ بدعت ہی کا ارتکاب کر رہا ہے کیونکہ جس امر کو شرعی قرار دیا جائے اس کا مضبوط دلیلوں سے شرعی ثابت ہونا ضروری ہے۔

نیک نیتی سے کسی کام کو کر لینا اجتہادی غلطی ہے لیکن شرعی ثبوت اس کو قرار نہیں دیا جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنے کے لئے چند تجویزیں اپنے ذہن میں گھڑ لیتا ہے کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے

[1] فتوحات مکیہ لعقبیہ جز ۳ ص ۶۱۶۔

بچ جائیں گے حالانکہ اس کو جاننے کی اس کے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنے کا طریقہ ہے۔

جو عمل کسی دوسرے کے اعتماد پر کیا جائے اسے ارتکاب بدعت سے مستثنیٰ قرار نہیں دے سکتے۔ کلمہ کے کسی جزء کے فہم میں انسان غلطی کرے تو اس سے نار کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔[1]

احسن الھدی، ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وشر الامور محدثاتھا۔	بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور بدترین کام بدعتیں ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے۔

اتبعوا ولا تبتدعوا فقد کفیتم۔	تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔ دین میں نئی بات نہ نکالو۔ اللہ کا رسول دین کی باتوں کو بتلانے کے لئے کافی ہے۔

آپ کا یہ قول دوسرے طریقے سے بھی مروی ہے۔

عن ابی قلابۃ قال قال عبد اللہ بن مسعودؓ ایاکم والتنطع والتعمق والبدع وعلیکم بالعتیق[2]	ابی قلابہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بچو تم کرید کرنے سے اور عمل کی گہرائی میں جانے سے اور بچو تم بدعتوں سے لازم کر لو قدیم باتوں کو (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ کی باتوں کو)
وعنہ نعلیکم بالعلم وایاکم	قرآن و سنت کے علم کو لازم پکڑو اور بدعتوں سے

[1] بخاری [2] دارمی، ص ۵۴

والبدع وایاکم والتنطع وایاکم والتعمق وعلیکم بالعتیق[1]

بچو تم کرید کرنے سے اور بلا ضرورت گہرائی میں جانے سے بچو۔ اپنے لئے لازم کر لو قدیم باتوں کو (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے زمانہ کی باتوں کو)

آپ کے ایک دوسرے شاگرد حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔

ایھا الناس انکم ستحدثون ویحدث لکم فاذا رأیتم محدثۃ فعلیکم بالامر الاول[2]

اے لوگو! تم کو نئی باتیں سوجھیں گی اور دوسرے بھی نئی باتیں پیش کریں گے جب تم نئی بات دیکھو تو تم پہلی باتوں کو لازم پکڑو (یعنی ابن مسعودؓ کے زمانہ سے پہلے کی باتوں کو۔)

آپ نے ایک بڑی عمدہ بات فرمائی ہے۔

القصد فی السنّۃ خیر من الاجتہاد فی البدعۃ۔[3]

میانہ روی سے سنت پر عمل، بدعت میں بہت محنت اٹھانے سے بہت بہتر ہے۔

آپ کی زندگی کے کارنامے بھی اس بات کا بڑا ثبوت ہیں کہ ہر وہ بات جس میں شرک وبدعت کا ذرا شائبہ بھی ہوتا تھا اس سے خود بھی دور رہتے تھے اور دوسروں کو بھی دور رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے زنانہ میں تشریف لے گئے۔ بیوی کے گلے میں ایک دھاگا (ڈورا) بندھا ہوا دیکھا، آپ نے دریافت کیا تو جواب ملا کہ فلاں بیماری کا ٹوٹکا ہے۔ آپ نے پوری قوت سے دھاگے (ڈورے) کو کھینچا۔ وہ دھاگا (ڈورا) ٹوٹ گیا۔ اگر نہ ٹوٹتا تو آپ کی بیوی

---

[1] دارمی، ص ۵۴ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

منہ کے بل بری طرح سے گر جاتیں[1]۔ آپ نے فرمایا ٹوٹکا منتر سب شرک ہے یعنی یعنی اسباب عادیہ اختیار کرنے پر انسان مامور ہے اٹکل پچو کو یا کسی چیز کو کسی کا سبب وذریعہ سمجھ لینا نادانی ہے۔ اسباب یا تو طبعی وفطری ہوں گے یا شرعی جو سبب نہ طبعی ہے نہ شرعی اس کو سبب سمجھ لینا غیبی نافع مان لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیبی نفع کا حامل سمجھنا بڑے خطرہ کی بات ہے اسی طرح سنت کو آپ بڑا خطرناک عمل سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ان پانچ وقتوں کی نماز کی مسجد میں پابندی کرو، جہاں تم کو اذان کے ذریعہ بلایا جاتا ہے۔ جماعت سے نماز پڑھنا ہدایت کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان ہدایات کے طریقوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شریعت بنا دیا ہے۔ صحابہ یہ دیکھتے تھے کہ جماعت سے بجز منافق کے کوئی محروم نہیں رہتا۔ بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد پہنچتا تھا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ تم میں سے ایسا کوئی نہیں جس کے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو۔ اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے اور مسجد نہ آؤ گے تو تم اپنے نبیؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے اور تم نے اگر اپنے نبیؐ کا طریقہ چھوڑ دیا تو گویا تم کفر کے مرتکب ہوئے[2]۔

---

[1] آپ کی یہ سختی دینی حمیت کی بنیاد پر تھی ورنہ مزاج وطبیعت کے لحاظ سے آپ شیریں خلق اور نرم خو واقع ہوئے تھے۔ آپ یہ یقین رکھتے تھے کہ شرک توحید کی ضد ہے۔ بالکل اسی طرح بدعت سنت کی ضد ہے۔ شرک لا الٰہ الا اللہ کی نفی ہے تو بدعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سے انکار۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کو واضح کیا ہے کہ شرک و بدعت رافع سنت ہے اس لئے دونوں کا انجام نار جہنم کا استحقاق ہے یہ بات حضرت مجدد صاحبؒ اپنی طرف سے نہیں کہتے ان کا قول مسند احمد میں غضیف بن الحارث الثمالی کی روایت سے ماخوذ ہے ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ فالتمسک بالسنۃ خیر من احداث البدعۃ کتاب الایمان دارمی میں حضرت حسان نے فرمایا ما ابتدع قوم بدعۃ فی دینھم الا نزع اللہ من سنتھم مثلھا ثم لا یعیدھا الی یوم القیامۃ (مشکوٰۃ)

[2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۶۔

عن ابی البختری اخبر رجل عبد اللہ بن مسعود ان قوما یجلسون فی المسجد بعد المغرب فیھم رجل یقول کبّروا اللہ کذا وسبحوا اللہ کذا وکذا واحمدوا اللہ کذا وکذا قال عبد اللہ فاذا رأیتھم فعلوا ذالک فأتنی واخبرنی بمجلسھم فاتاھم فجلس فلما سمع ما یقولون قام وکان رجلا حدیدا فقال انا عبد اللہ بن مسعود واللہ الذی لا الٰہ غیرہ لقد جئتم ببدعة ظلما ولقد فضلتم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمرو بن عتبة استغفر اللہ فقال علیکم بالطریق فالزموہ ولئن اخذتم

ابوالبختری سعید بن فیروز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر دی کہ مسجد میں مغرب کے بعد کچھ لوگ جمع ہوتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ اتنے بار اللہ اکبر پڑھو، وہ پڑھتے ہیں پھر وہ کہتا ہے کہ اتنے بار سبحان اللہ پڑھو۔ پھر وہ کہتا ہے اتنے بار الحمد للہ پڑھو آپ جب واقعہ سنتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ جب تم ان کو ایسا کرتے دیکھو تو میرے پاس آجاؤ اور مجھے ان کے بیٹھنے کی اور ذکر کرنے کی اطلاع دو چنانچہ وہ شخص آیا اور اس نے حضرت عبداللہؓ کو اطلاع دی آپ ان کے پاس آئے اور بیٹھ گئے جو وہ ذکر کر رہے تھے اس کو جب آپ نے سنا تو کھڑے ہوگئے، آپ کی طبیعت میں کسی قدر تیزی تھی، اور فرمایا لوگو! میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں قسم ہے اس کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ ذکر جو تم کر رہے ہو یہ ظالمانہ بدعت ہے جو تم نے ایجاد کی ہے۔ کیا تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے بڑھ کر درجہ رکھتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کا جو طریقہ وہ نہ پا سکے تم نے اس کو پا لیا ہے تم ان سے بڑھ گئے یہ تمہاری علمی فضیلت ہو گی اور دین کا علم صحابہؓ سے زیادہ تم کو نہیں ہو سکتا، اس پر عمرو بن عتبہ نے کہا ہم توبہ کرتے ہیں ہم صحابہ سے بڑھ کر کیسے ہو سکتے ہیں،

یمینا وشمالا لتضلوا ضلالا بعیدا۔[1]

تو فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی یاد کا جو طریقہ چلا آ رہا ہے صرف اس کی پابندی کرو، اگر تم نے ذرا بھی اس سے دائیں بائیں کی راہ اختیار کی تو تم بدترین گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

محدث دارمیؒ نے اس واقعہ کو یا اس جیسے دوسرے واقعہ کو اس سے زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے۔

قال کنا نجلس علی باب عبد اللہ بن مسعودؓ قبل صلوٰة الغداة فاذا خرج مشینا معه الی المسجد فجاءنا ابو موسیٰ الاشعری فقال أخرج الیکم ابو عبد الرحمٰن بعد قلنا لا فجلس معنا حتی خرج فلما خرج قمنا الیه جمیعا فقال له ابو موسیٰ یا ابا عبد الرحمٰن انی رأیت فی المسجد آنفا امرا انکرته ولم ار والحمد للہ الا خیرا قال فما

یہ راوی نقل کرتا ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازے پہ صبح کی نماز سے پہلے آکر بیٹھ جایا کرتے تھے کہ حضرت عبداللہؓ گھر سے نکلیں تو ہم بھی نماز کے لیے ان کے ساتھ ہو جائیں اسی حالت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ تشریف لے آئے اور دروازوں پہ بیٹھنے والوں سے پوچھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ باہر نکلے یا نہیں؟ ان لوگوں نے جتایا کہ ابھی تو نہیں نکلے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی باہر ہی بیٹھ گئے اتنے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ باہر تشریف لائے جب وہ باہر نکلے تو ہم سب چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ میں ابھی مسجد میں بالکل ایک نئی بات دیکھ کر آیا ہوں اور خدا کی قسم کوئی خراب بات نہیں ہے اچھی بات ہے مگر بدعت معلوم ہوتی ہے حضرت عبداللہؓ

---

[1] ابن جوزی: تلبیس ابلیس، ص ۳۶

هو فقال ان عشت فستراه قال رأيت في المسجد قوما حلقا جلوسا ينتظرون الصلاة في كل حلقة رجل وفي ايديهم حصا فيقول كبروا مائة فيكبرون مائة فيقول هللوا مائة فيهللون مائة ويقول سبحوا مائة فيسبحون مائة قال فماذا قلت لهم قال ما قلت لهم شيئا في انتظار رأيك او انتظار امرك قال افلا امرتهم ان يعدوا سيئاتهم وضمنت لهم ان لا يضيع من حسناتهم ثم مضى ومضينا معه حتى اتى حلقة من تلك الحلق فوقف عليهم فقال ما هذا الذي اراكم تصنعون قالوا يا ابا عبد الرحمن حصا نعد به التكبير والتهليل والتسبيح قال فعدوا سيئاتكم

نے فرمایا کہ آپ کیا دیکھ کر آئے ہو؟ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ ایک مسجد میں میں نے یہ دیکھا کہ کچھ لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں ہوتی ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے کہ سو بار اللہ اکبر پڑھو وہ لوگ سو بار اللہ اکبر پڑھتے ہیں پھر وہ کہتا ہے سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ سو بار لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں. پھر وہ کہتا ہے سو بار سبحان اللہ پڑھو. تو وہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے پوچھا آپ نے ان سے کیا کہا؟ انھوں نے فرمایا کہ میں آپ کے مشورے اور حکم کا منتظر تھا. تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ تم نے ان سے کیوں نہ کہا کہ تم یہ اپنی برائیاں گن رہے ہو (تمھارا یہ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ پڑھنا نیکی نہیں بلکہ گناہ ہے) اور میں ضامن ہوں کہ تم نے جو نیک کام کئے ہیں وہ برباد نہ ہوں گے. اس کے بعد جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چل پڑے اور ہم بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور ذکر کے حلقوں پر پہنچے آپ وہاں کھڑے ہوئے اور آپ نے پوچھا کہ میں تم کو یہ کیا کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں. انھوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن یہ کنکریاں ہیں جن پر ہم اپنی تکبیریں اور تسبیحوں کو گن رہے ہیں کہ ہمارا ثواب بڑھ جائے. آپ نے فرمایا کہ تم اپنے گناہوں کو گن رہے ہو اور گناہ میں اضافہ کر رہے ہو میں ضامن ہوں کہ تمھاری کوئی نیکی برباد نہیں جائے گی. اے امت محمدؐ تمھارا برا ہو تم کتنی جلد برباد ہو گئے تمھارے نبی

فانا ضامن ان لا يضيع من حسناتكم شيء ويحكم يا امة محمد ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة نبيكم صلى الله عليه وسلم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل وانيته لم تكسر والذي نفسي بيده انكم لعلى ملة هي اهدى من ملة محمد او مفتتحوا باب ضلالة قالوا والله يا ابا عبد الرحمن ما اردنا الا الخير قال وكم من مريد للخير لن يصيبه.

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کثرت سے زندہ ہیں۔ ان کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور ان کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے. قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کیا تمھارا طریقہ عبادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ عبادت سے بہتر ہے یا تم سب گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اے ابوعبدالرحمٰن ہم تو نیک کام سمجھ کر کر رہے تھے آپ نے فرمایا بہت سے لوگ نیکی کی توقع کرتے ہیں لیکن نیکی نہیں پا سکتے۔[1]

اب اس میں غور کریں کہ یہ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے کسی قہوہ خانہ یا کسی بری جگہ نہ بیٹھے تھے بیٹھنے کا مقصد بھی ذکرِ الٰہی تھا۔ مشغول بھی وہ ذکرِ الٰہی میں تھے۔ مگر ذکرِ الٰہی کا یہ طریقہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو بڑی سختی سے روکا۔ یہ آپ کے فہم اور علم کی گہرائی تھی کہ آپ نے اسے بدعت قرار دیا اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ طبیعت کی درشتی و تنک مزاجی کو اس میں ذرا دخل نہ تھا۔ باوجود بڑے مقتدا بن جانے کے آپ نے ان باتوں کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر

---

[1] دارمی، ص ۶۸

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے چند شاگردوں کو درس کی مجلس سے غیر حاضر پایا۔ پتہ چلا کہ ان کے کپڑے صاف نہ تھے تو آپ ایک ہی کپڑے میں جو معمولی تھا تین دن تک متواتر تشریف لاتے رہے تاکہ وہ حضرات معمولی لباس پہن کر آنے میں اپنی توہین محسوس نہ کریں۔ (ایسا شخص دین کے معاملے میں جب بھی سختی کرے گا وہ سختی نہیں بلکہ دین کے معاملہ میں مضبوطی کہلائے گی)[۱]۔

عن عمرو بن زرارة قال وقف علیّ عبد اللہ یعنی ابن مسعودؓ وانا اقص فقال یا عمرو لقد ابتدعت بدعة ضلالة او انک لاھدی من محمدؐ واصحابہ فلقد رأیتھم تفرقوا عنی حتی رأیت مکانی ما فیہ احد[۲]۔

ابن زرارہؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نصیحت آمیز واقعات بیان کر رہا تھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس جگہ آکر کھڑے ہو گئے اور مجھ سے فرمایا، تم بڑی گمراہی کی بدعت میں مبتلا ہو یا تم صحابہؓ سے زیادہ صداقت کا راستہ پا چکے ہو۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ لوگ میرے ارد گرد سے منتشر ہو گئے اور میں اس جگہ اکیلا رہ گیا۔

آپ کے علمی کمالات کے باب کو شرک و بدعت کے فہم میں آپ کی دقیقہ رسی کے واقعات پر ختم کیا جا رہا ہے کیونکہ اس کے بعد جو تین باب ہیں ان میں بھی آپ کے علمی کمالات آگئے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں سے ہر ایک کا مستقل

---

[۱] ازالۃ الخفاء جزء ۲ مقصد دوم ص ۲۰۸ مطبع صدیقی بریلی۔

[۲] رواہ الطبرانی فی الکبیر باسنادین احدہما صحیح (الترغیب للمنذری ص ۴۲ باب الترہیب من ترک السنۃ وارتکاب البدع والاہواء)

عنوان ہے، اس لئے ہر ایک کو ایک باب بنا دیا گیا۔

اس باب کے بعد آپ کے خطبے اور اقوال ہیں اس کے بعد دوسرے باب میں آپ کے مدلل علمی جوابات ہیں۔ سب سے آخر میں آپ کے فتاویٰ اور فقہی اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ سب علمی چیزیں اپنی اپنی جگہ آگئی ہیں۔

آپ کے خطبات واقوال کے متعلق چند کلمات

یوں تو ہر مذہب میں آخرت کا تذکرہ اور اس پر ایمان لانے کی دعوت ہے مگر اسلام انسان کو نہ صرف آخرت پر یقین کی دعوت دیتا ہے بلکہ ایمان کے لئے آخرت کی زندگی کا پورا نقشہ سامنے رکھتا ہے اور اس پورے نقشہ پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے۔ دوزخ سے نجات پانے اور مغفرت کے مستحق ہونے کے لیے اپنی پیش کردہ ہر بات پر ایمان اور قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ پر بغیر زیادتی اور کمی کے عمل کو لازمی قرار دیتا ہے۔

اگلی امتیں جن خیالات میں گھر کر آخرت کے صحیح تصور سے بے بہرہ ہو گئیں اسلام ان میں سے ایک ایک غلط فہمی پر انگلی رکھ کر صاف صاف نشان دہی کرتا ہے۔

اسلام کی صحیح تعلیم سے اس کے ماننے والوں کے لئے نہ کسی خوش فہمی کا موقع رہتا ہے نہ ان کے دل و دماغ میں کسی بے جا آرزو کا گذر ہو سکتا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم پر جو ایمان لاتا اور یقین رکھتا ہے اس میں آخرت کی تمنائیں ضرور پیدا ہوتی ہیں مگر انسان کو بے راہ نہیں ہونے دیتیں اسلام کی ہدایتوں کے

استقامت سے زندگی نہ صرف پاکیزہ اور مسرور ہو جاتی ہے بلکہ فتنہ و فساد سے دور اور خیر و صلاح سے بھرپور ہو جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسلامی تعلیم کو اپنے آپ میں کس قدر سمویا تھا کس قدر آپ کو آخرت کا یقین تھا اور کس قدر آپ کا پختہ ایمان تھا۔ ایمان کی یہی پختگی دوسروں میں پیدا کرنے کے لیے آپ جس جدوجہد میں لگے رہے اس کا اندازہ آپ کی زندگی کے مشاغل اور آپ کے شاگردوں کے حالات سے تو ہوتا ہی ہے، آپ کے خطبے اور اقوال جہاں اس کا بہترین ثبوت ہیں وہیں آپ کی دلی آرزو کا مظہر بھی ہیں۔ آپ کے خطبے اور اقوال پڑھیے، آپ کے فہم کی گہرائی، علم کی وسعت اور عقل کی دقیقہ رسی کے درجوں کی بلندی کا علم ہوگا۔ آپ کے دل و دماغ میں جو افکار اور جس قسم کے خیالات موجزن رہا کرتے تھے اس کا عکس آپ کے عمل خصوصاً تعلیم و تدریس کی شبانہ روز سعی میں تو نظر آتا ہی ہے آپ کے خطبے اور اقوال بھی اس کا اچھا منظر پیش کرتے ہیں، ان میں آپ کی آخرت کی تمناؤں کا شوق اور اس کے حاصل کرنے کے لئے آپ کے دل کی بیتابی جھلکتی ہے۔ بڑی بلند حوصلگی سے آپ دنیا کی مرغوب باتوں اور پر لطف لذتوں سے بے نیاز رہے اور دنیا کے بڑے بڑے عہدے چھوڑنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ اس کی وجہ ان سچی آرزوؤں کی بہتات ہے۔ صحیح علم ہی کا یہ اثر ہے کہ جگہ جگہ خطبات اور اقوال میں آخرت کے خوف سے آپ لرزہ بر اندام معلوم ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رح نے آپ کی فقہی دیدہ ریزی، ذوق اجتہاد و فقہ و حدیث کی وسیع پیمانہ پر تعلیم و تدریس کا جہاں طویل تذکرہ کیا ہے وہاں آپ کی "زاہدانہ زندگی" کو بھی پیش کیا ہے۔ اور "زہدیات" کا عنوان دے کر آپ کے مواعظ کا مفید اور دلپذیر انتخاب بھی ایک جگہ کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا کلام پھر شاہ ولی اللہؒ کا انتخاب، اس میں سے کوئی بات چھوڑ دی جائے تو بڑی محرومی اور بے ذوقی کی بات ہوگی اس لئے شاہ ولی اللہ نے آپ کے حالات میں "زہدیات" کا عنوان دے کر کچھ جمع کر دیا ہے اُسی کو ہم نے پورے مقالہ کا جز بنا لیا ہے۔ دوسری کتابوں سے آپ کے خطبات اور اقوال کے اقتباسات لے کر کافی اضافہ بھی کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے ایک سے زیادہ آپ کے شاگرد اور صحبت یافتہ حضرات آپ کی آخرت کے بہتر بنانے کی فکر اور سعی میں منہمک رہا کرتے تھے۔ پہلی صدی کے جن علماء اور بزرگوں کو علمی سیادت حاصل ہوئی ہے اور اُنھوں نے اپنے وقت کے مقتداؤں میں ممتاز درجہ حاصل کیا ہے ان میں کثرت آپ ہی کے شاگردوں کی ہے۔

آپ کے اقوال وخطبات کی جان ایجاز ہے۔ یعنی تھوڑے الفاظ نے بہت سے مضمون کو سمیٹ لیا ہے۔ جو ایک فصیح اللسان بلیغ الکلام خطیب کا کمال ہے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بننے کے لئے محبت وشفقت بھرے الفاظ سے انسانوں کو بیدار کیا ہے۔ اس کی رحمت کی توقع دلائی ہے۔ پڑھنے والے میں ان کی وجہ سے رحمت حاصل کرنے کا جذبہ اُبھرتا ہے جن باتوں سے انسانوں کا آخرت میں نقصان ہوتا ہے بڑی دل سوزی سے ان سے دور رہنے اور رُکنے پر آپ نے آمادہ کیا ہے۔ مغفرت سے محرومی کا افسوس نظر میں اتنا اہم بن جاتا ہے اور دوزخ کی ہیبت ایسی طاری ہوتی ہے کہ انسان بُرے کاموں سے بچنے کے لئے جرأت وہمت کو کام میں لاتا ہے۔

آپ نے پیش کرنے کے لئے ان ہدایتوں کا انتخاب کیا ہے جن کی طرف بہت سے آدمیوں کو ضرورت وحاجت پیش آتی ہے اپنی طبیعت کی جولانی دکھلانے

کے لئے نہ آپ نے الفاظ کا انتخاب کیا اور نہ لطف ادا سے مسحور کر لے کے لئے جملوں کی بناوٹ وساخت میں تصنع سے کام لیا۔ دل کی تمنا اور آرزوؤں کو بے تکلفی سے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر پیش کیا کہ زیادہ سے زیادہ انسان آپ کے دلی جذبات سے متاثر ہو کر حق قبول کریں۔

آپ کے نقروں کی برجستگی دل لبھانے والی ہے۔ ان ہدایتوں کی تمثیل و تشبیہ بے مثل ہے۔ آپ کا کلام حسن بیان کے ساتھ بے حد صاف اور غایت درجہ سادہ ہونے پر بھی نہایت لطیف انداز سے پُرکار ہے۔ میٹھے بولوں اور شستہ الفاظ میں سنجیدہ خیالات کے علاوہ بڑی دل آویزی ہے۔ آپ کا کلام دل پر اثر کرنے والا ہے اور اس میں بڑی کشش ہے۔ یہ حلاوت اور ملاحت کا خوشگوار امتزاج ہے۔ پھر کمال یہ کہ سارا کلام بلند درجہ کا ہے اور کوئی بھی نقرہ فصاحت وبلاغت کے معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ کہیں بلند اور کہیں پست یہ فرق آپ کے کلام میں نظر نہ آئے گا۔ نہج استدلال اچھوتی طرز ادا انوکھی۔ کہیں کہیں ہدایتوں کو اہم ظاہر کرنے کے لئے بھاری بھرکم الفاظ لائے گئے ہیں۔ ان سے ہر قسم کے کلام پر آپ کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ہدایت کی وقعت بھی دل میں بیٹھتی جاتی ہے مگر یہ تخیم الفاظ اس سلیقہ سے مناسب طریقہ پر اپنی اپنی جگہ پر جمائے گئے ہیں کہ نہ زبان پہ بار نہ کان کے لئے ناگوار۔

آپ نے خطیبوں کی سجع اور شاعرانہ قافیہ بندی سے اجتناب کیا ہے لیکن جہاں الفاظ بے ساختہ ایک ہی سجع اور ایک ہی قافیہ میں آگئے ہیں کلام کی لذت دوبالا ہو گئی ہے۔

آپ کے مسجع اور مرصع فقروں میں نصیحت کی سادی سیدھی باتیں ایسی ملیں گی جیسے پشمینہ کی شال میں رنگ برنگ کے تار

کلام کی قدر وقیمت کا اندازہ اس کے مطالعہ سے آپ خود کر لیں گے زبان میں

لوح ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گوناگوں رنگ کے ریشم کے گچھوں کو گرہ درگرہ ایک دوسرے سے ٹانک دیا گیا ہے۔

اس مقالہ کے پانچویں حصے میں فتاویٰ اور مسائل ہیں۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ان مسائل وفتاویٰ کا تعلق انسانی اعمال وعقائد سے ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان سب کا تعلق خود آپ کے اعمال سے ہو۔ ان میں بہت سے فتاویٰ دوسرے لوگوں کے اعمال سے متعلق ہیں۔ اس لئے خطبات اقوال کا یہ تیسرا حصہ اس نقطۂ نظر سے بڑا قیمتی ہے کہ یہ آپ کے دل کی دنیا یعنی اندرونی زندگی کا آئینہ ہے۔

بہارِ عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد
برنگ اصحابِ صورت را بہ بو ارباب معنی را

مقالات عبداللہ بن مسعودؓ

(۱) ان اصدق الحدیث کتاب اللہ عزوجل۔	سب سے زیادہ سچی بات اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔
(۲) واوثق العریٰ کلمہ التقویٰ۔	اور سب سے زیادہ مضبوط رشتہ ذکرہ[۱] تقویٰ ہے
(۳) وخیر الملل ملۃ ابراھیم	اور بہترین ملت ابراہیمؑ کی ملت ہے۔
(۴) واحسن السنن سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔	اور بہترین سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔
(۵) وخیر الھدی ھدی الانبیاءؑ	زندگی گذارنے کا بہترین طریقہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔
(۶) واشرف الحدیث ذکر اللہ	سب سے زیادہ عزت کی بات اللہ کی یاد (ذکر) ہے۔

---

[۱] جو موقع اور محل ہو اور اس محل و موقع کی جو ہدایت ہو اس موقع پر وہ پیش نظر رہے جیسے پریشانی اور الجھنوں میں دعا، کاموں میں توکل، مصیبتوں میں صبر، نعمتوں میں شکر، خلاصہ یہ کہ بندہ ہر حال پہ اللہ کی طرف اس کے بتلائے ہوئے طریقوں سے متوجہ رہے۔

(٧) وخير القصص هذا القرآن۔	بہترین قصہ (جو بات بار بار دہرائی جاتی ہے) قرآن ہے۔
(٨) وخير الامور عواقبها۔	سب کاموں میں اچھا کام[1] اپنے نتیجہ کے لحاظ سے ہے۔
(٩) وشر الامور محدثاتها	اور سب سے بری بات بدعتیں ہیں۔
(١٠) وما قل وكفى خير مما كثر والهى۔	اور جو تھوڑا ہو اور بس کافی ہو جائے[2] وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو بہت ہو اور اللہ سے غافل بنا دے۔
(١١) ونفس تنجيها خير من إمارة لا تحصيها۔	وہ نفس جو اپنے تئیں نجات دلائے یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ سردار بنے اور (پھر) ماتحتوں کی نگرانی نہ کر سکے۔[3]
(١٢) وشر المعذرة حين يحضر الموت	بدترین معذرت موت کے وقت کی معذرت ہے۔[4]
(١٣) وشر الندامة ندامة يوم القيامة	بدترین پچھتاوا قیامت کا پچھتاوا ہے۔[5]
(١٤) وشر الضلالة الضلالة	ہدایت پا جانے کے بعد دنیا کے فائدے کی خاطر

[1] کام کے وقت اس کا انجام پیش نظر رہے کانٹ نے بھی اپنے فلسفہ اخلاق کی بنیاد نتیجہ ہی کو بنایا ہے۔

[2] دنیا کی دولت کی تم حفاظت نہیں کر سکتے وہ ختم ہو کر رہے گی۔ دین و ایمان کی حفاظت کر سکتے ہو تمہارا بہتر کام یہ ہے کہ تم نجات کی فکر میں لگے رہو۔

[3] دنیا کے مشاغل بقدر ضرورت اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق رہیں، حاجت اصلی سے زائد مشغول بننے سے اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو ہمارے لئے ضروری نہیں ان کا اختیار تو اور پریشانیوں کو دعوت دیتا ہے۔

حرص قانع نیست ورنہ اسباب معاش — آنچہ ما در کار داریم اکثر در کار نیست

[4] موت کے وقت نفس کو ملامت بے سود ہے۔

[5] ندامت وہی کام کی ہے جس کے بعد اصلاح کا موقع ہو۔ اس ندامت کے بعد کوئی موقع اصلاح کا نہیں ہے۔

بعد الهدى	گمراہی کی راہ اختیار کرنا بدترین گمراہی ہے۔[1]
(١٥) وخير الغنى غنى النفس	نفس بے نیاز ہو جائے[2] یہ بہترین دولت ہے (دل سے دنیا کی حرص نکل جائے)
(١٦) وخير الزاد التقوى۔	بہترین زاد راہ تقویٰ (پرہیز گاری) ہے۔
(١٧) وخير ما القي في القلب اليقين۔	دلوں میں جو باتیں ڈالی جاتی ہیں اس میں بہترین بات "یقین (ایمان)" ہے۔
(١٨) والريب من الكفر۔	(اللہ کی ہدایت میں) شک و تردد کفر کا دوسرا نام ہے
(١٩) وشر العمى عمى القلب	بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔[3]
(٢٠) والخمر جماع كل اثم	اور شراب ہر گناہ کو سمیٹنے والی ہے
(٢١) والنساء حبالة الشيطان	شیطان کے شکار کا پھندا عورتیں ہیں۔
(٢٢) والشباب شعبة من الجنون	جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے۔[4]
(٢٣) والنوح من عمل الجاهلية۔	مردے پر رو دھو کر بکا کرنا کفر کا کام ہے (مسلمان کا شیوہ صبر ہے)
(٢٤) ومن الناس من لا ياتي الجمعة الا دبرا۔	بہت سے[5] لوگ جمعہ کی نماز کو نہیں آتے مگر بے دلی سے
(٢٥) ولا يذكر الله الا هجرا۔	اور بے دلی سے اللہ کی یاد اسے دور کر دیتی ہے۔[6]

[1] كيف يهدي الله قوما كفروا بعد اسلامهم واشهدوا ان الرسول حق ہدایت کو پا جانے کے بعد جو گمراہی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ والله لا يهدي القوم الظلمين [2] اصل غنا یہی ہے کہ دنیا اور دنیا پرستوں سے نفس مستغنی رہے [3] حق کو سامنے رکھ کر بھی حق کو نہ دیکھے [4] جوانی کے جذبات میں انسان اندھا ہو جاتا ہے [5] جمعہ میں پہلے آنے والوں کو فضیلت ہے پیچھے آنے والا محروم ہے [6] زبان پر ذکر جاری ہے مگر اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کی ہمت و جرات نہیں ہوتی ایسی یاد سے اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں قرار پاتا۔

(۲۶) واعظم الخطایا الکذب۔

اور سب سے بڑا گناہ جھوٹ ہے[۱]۔

(۲۷) وسباب المؤمن فسوق وقتاله کفر وحرمة ماله کحرمة دمه۔

مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے مسلمان سے جھگڑا کرنا کفر ہے مسلمان کے مال کی عزت اس کے خون کی عزت کے برابر ہے۔

(۲۸) ومن یعف یعف الله عنه ومن یکظم الغیظ یأجره الله ومن یغفر یغفر الله له ومن یصبر علی الرزیة یعقبه الله

جو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرتا ہے[۲]۔ جو غصہ پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ثواب دیتا ہے جو جرم سے درگزر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر کرتا ہے جو مصیبت میں صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ دیتا ہے

(۲۹) وشر المکاسب کسب الربا وشر المآکل مال الیتیم۔

بدترین کمائی سود کی کمائی ہے اور سب سے بری چیز جس سے انسان پیٹ بھرے وہ یتیم کا مال ہے[۳]۔

(۳۰) والسعید من وعظ بغیره والشقی من شقی فی بطن امه۔

سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرتا ہے[۴] اور بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو گیا ہو۔

(۳۱) وانما یکفی احدکم ما قنعت به نفسه وانما یصیر الی اربعة

بے شک تمہارے لیے وہی کافی ہے جس پر تمہارا نفس قناعت[۵] کرے۔ بے شک آدمی چار گز کے فاصلے

---

[۱] البیان والتبیین میں ہے اعظم الخطایا اللسان الکذوب

[۲] جو لوگوں کی خطا معاف کرتا ہے تو اللہ اس کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

[۳] الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا۔

[۴] دوسروں کی برائیوں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے اور برائیوں سے دور رہتا ہے ہر بری بات پر جھک جانا اچھائی کے پاس نہ آنا اپنے قوت اختیار کا بڑا غلط استعمال ہے۔

[۵] قناعت میں بڑی راحت ہے حرص سے دل میں آگ لگی رہتی ہے کام کی پستی و بلندی انجام کے لحاظ سے ہے

اذرع والامر الی آخرة وملاک العمل خواتمه۔

پر ہو جاتا ہے اللہ کا معاملہ آخرت کے لحاظ سے ہوتا ہے کام کی خوبی اس کے خاتمہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

(۳۲) وشر الروایا روایا الکذب

بدترین قصے جھوٹے قصے ہیں۔

(۳۳) واشرف الموت قتل الشهداء

عزت کی موت شہادت کی موت ہے

(۳۴) ومن یعرف البلاء یصبر علیه ومن لا یعرفه ینکر۔

جو شخص امتحان کو پہچان لیتا ہے وہ برداشت کرتا ہے جو نہیں پہچانتا وہ گریز کرتا ہے[۱]۔

(۳۵) ومن یتکبر یضعه الله

جو غرور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتا ہے[۲]

(۳۶) ومن یتولی الدنیا یعجز عنه

جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ دنیا سے عاجز ہو جاتا ہے[۳]۔

(۳۷) ومن یطع الشیطان یعص الله ومن یعص الله یعذبه۔

جو شیطان کا کہا مانتا ہے وہ اللہ کا نافرمان ہو جاتا ہے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی اللہ اس کو عذاب دیتا ہے[۴]۔

(۳۸) حب الکفایة مفتاح المعجزة۔

کفایت شعاری کو پسند کرنا معجزہ کی کنجی ہے[۵]۔

(۳۹) بحسب المرء من العلم ان یخاف الله وبحسبه من الجهل ان یعجب بعمله

یہ بہت بڑا علم ہے کہ انسان خدا سے ڈرے اور یہ انتہائی جہالت ہے کہ انسان اپنے عمل پر اترائے۔

(۴۰) کفی بخشیة الله علما وکفی بالاغترار به جهلا۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا علم کی زبردست شہادت ہے اور پوری جہالت یہ ہے کہ انسان تمناؤں میں مبتلا ہے (اور عمل و تدبیر سے غافل و بے نیاز)

---

[۱] بلا کو من اللہ جانتا ہے جس کا علم اس درجہ کا نہیں ہے وہ فرار کی راہ چلتا ہے۔

[۲] غرور کا نتیجہ۔ [۳] جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اس کی محبت میں مبتلا ہو کر پریشان ہوتا ہے۔

[۴] حلیة الاولیاء ص ۱۳۸ ص ۱۳۹

[۵] البیان والتبیین جاحظ۔

ترغیب تحصیل علم

(۴۱) علیکم بالعلم فان احدکم لایدری متی یختل الیہ ای متی یحتاج الناس الی ما عندہ[1]۔

تم علم ضرور سیکھو تم کو پتہ نہیں کہ لوگوں کو تم سے پوچھنے کی ضرورت کب پیش آئے گی۔

علم کن سے حاصل کیا جائے

(۴۲) لایزال الناس بخیر ما اتاھم العلم[2] عن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعن اکابرھم فاذا جاءُ من قِبَل اصاغرھم فذٰلک حین ھلکوا۔

لوگ ہمیشہ بہتری میں رہیں گے جب تک ان کے علم کا چشمہ حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ان کے بڑے رہیں گے۔ اور جب ان کے چھوٹوں سے علم حاصل کرنے لگیں تو یہ تباہی کا وقت ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ ہر جگہ تاکید کرتے ہیں کہ جن بڑی عمر کے صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی زیادہ صحبت اٹھائی ہے ان سے علم حاصل کیا جائے۔

علم

(۴۳) عن عون بن عبد اللّٰہ قال قال لی عبد اللّٰہ لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکن العلم الخشیۃ۔

علم بہت اقوال بیان کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ خشیت[3] کا نام علم ہے۔

ابن خزیمہؒ کے الفاظ یہ ہیں: العلم بالحسیۃ علم ثواب کی نیت کرنے کا نام ہے۔

(۴۴) قال الشعبی مر رجل بعبد اللّٰہ

امام شعبیؒ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا عبد اللّٰہ بن مسعودؓ

---

[1] مختار الصحاح مادہ خلل [2] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۹

[3] اللّٰہ کے علم سے عجب و غرور نہیں ہوتا بلکہ خشیت پیدا ہوتی ہے۔

بن مسعودؓ فقال لاصحابہ ھذا لا یعلم ولا یعلم انہ لا یعلم ولا یتعلم ممن یعلم[1]۔

پر گذر ہوا، حضرت عبد اللّٰہؓ نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ یہ بے علم ہے اور اس کو اپنی بے علمی کا احساس بھی نہیں ہے اور اہل علم سے سیکھنا بھی نہیں چاہتا۔

(۴۵) قال عبد اللّٰہ بن مسعود ان الرجل لا یولد عالما وانما العلم بالتعلم۔

آپ نے فرمایا کہ آدمی ماں کے پیٹ سے لکھا پڑھا نہیں پیدا ہوتا بے شک علم لکھنے پڑھنے سے آتا ہے[2]۔

(۴۶) عن علقمۃ: قال قال عبد اللّٰہ تعلموا العلم فاذا اعلمتم فاعملوا[3]۔

حضرت عبد اللّٰہؓ نے فرمایا کہ پہلے تم علم سیکھو جب علم آجائے تو عمل کرو[4]۔

علم کے باوجود بے عملی

(۴۷) قال ابن مسعودؓ: ویل لمن لا یعلم ولو شاء اللّٰہ لعلمہ وویل لمن یعلم ثم لا یعمل سبع مرات[5]۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ بے علم بڑا بد قسمت ہے اگر اللّٰہ چاہتا تو اس کو علم دے دیتا۔ اور کتنا بد قسمت وہ ہے جو علم تو رکھتا ہے مگر عمل نہیں کرتا[6]۔

(۴۸) قال ابن مسعود انی لاحسب الرجل ینسی العلم کان یعلمہ للخطیئۃ یعملھا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ انسان علم پڑھ کر بھول جاتا ہے، میرا خیال ہے یہ صرف گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

---

[1] العقد الفرید ج ۲۔ طبقات الرجال ص ۲۹۷

[2] واللّٰہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئا شاعر نے یوں نظم کیا ہے۔

تعلم فلیس المرء یولد عالما ؛ ولیس اخو عالم کمن ھو جاھل دوسرے شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

تعلم فلیس المرء یخلق عالما   وما عالم امر کمن ھو جاھل

[3] حلیۃ الاولیا ص ۱۳۱ [4] علم کے بعد بے عملی بڑا گناہ ہے گناہ سے دینی بصیرت چھین لی جاتی ہے۔

[5] حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۱ [6] حاشیہ کے مطابق۔ [7] ایضاً

علم (قرآن)

(۴۹) اقرؤا[1] القرآن وحرکوا به القلوب لا یکون همّ احدکم اخر السورة

قرآن پڑھو اور اس سے اپنے دلوں کو حرکت دو، اور تمہارا مقصد سورۃ ختم کر دینا نہ ہو۔ (تدبر و نصیحت حاصل کرنا مقصود ہو)

(۵۰) قال عبد اللہ انما هذه القلوب اوعیة فاشغلوها بالقرآن[2] ولا تشغلوها بغیره[3]۔

حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ انسانی قلوب ظروف ہیں اُس کو قرآن سے بھر دو۔ قرآن کے علاوہ اور چیزوں سے نہ بھرے۔

(۵۱) عن ابی الاحوص قال قال ابن مسعود ان هذا القرآن مأدبة اللہ فمن استطاع ان یتعلم منه شیئًا فلیفعل فان اصغر البیوت من الخیر الذی لیس فیه من کتاب اللہ شیٔ کخراب البیت لا عامر له وان الشیطان یخرج من البیت الذی تسمع فیه سورة البقرة[4]

حضرت فرماتے ہیں بے شک یہ قرآن اللہ کا دسترخوان ہے جو قرآن سیکھ سکتا ہے اس کو ضرور سیکھنا چاہیئے اور وہ گھر (دل و سینہ) خیر سے بالکل خالی ہے جس میں اللہ کی کتاب کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اس کی مثال ایسے ویرانے کی سی ہے جس کا کوئی آباد کرنے والا نہ ہو بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر سے وہ سورہ بقرہ سنتا ہے۔

۱؎ السنن الکبریٰ۔ بیہقی۔ ج ۲ ص ۱۳

۲؎ قرآن علم و ہدایت سے معمور ہے۔ ۳؎ بغیرہ کے لفظ پر خوب غور کرو۔ بزرگوں کے اقوال اور کشف غیر قرآن میں داخل ہیں۔ وہ قرآن و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں ۴؎ حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۰، ص ۱۳۱ وہ گھر جس میں قرآن شریف سمجھ کر پڑھا جائے وہ گھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خالی ہے۔

(۵۲) أتاه[1] رجل فقال یا ابا عبد الرحمٰن علمنی کلمات جوامع نوافع فقال اعبد اللہ ولا تشرک به شیئًا وزل مع القرآن حیث زال ومن جاءک بالحق فاقبل منه وان کان بعیدًا بغیضًا ومن جاءک بالباطل فاردد علیه وان حبیبًا قریبًا۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اس نے درخواست کی اے ابو عبدالرحمٰن مجھ کو جامع اور نافع کلمات بتلا دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کا شریک بالکل نہ کرو۔ اور ادھر ڈھل جاؤ جدھر قرآن ڈھال دے اور جو شخص کہ حق تمہارے پاس لے کر آئے اس کو قبول کر لو اگرچہ وہ تم سے بے تعلق اور دشمن ہو اور جو جھوٹ لے کر آئے وہ اس کے منہ پر مار دو اگرچہ وہ تمہارا دوست اور قریبی کیوں نہ ہو۔

(۵۳) قال[2] عبد اللہ بن مسعود الحوامیم دیباج القرآن وقال اذا رتعت رتعت فی ریاض دمثة أتانق فیهن۔

حم کی سورتیں) قرآن کی زینت ہیں حضرتؓ نے فرمایا جب میں پڑھتا ہوں تو زم باغوں میں چرتا ہوں اس میں لطف اٹھاتا ہوں۔

(۵۴) قال[3] عبد اللہ بن مسعود انزل القرآن لیعمل به فاتخذ الناس تلاوته عملا قال سعد بن ابی وقاص من قرأ خلف الامام فسدت صلاته۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن عمل کے لیے ہے اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے نازل ہوا ہے لوگوں نے قرآن کی تلاوت کو نیک عمل قرار دیا ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۱؎ حلیۃ الاولیاء، جلد اوّل، ص ۱۳۴ ۲؎ العقد الفرید ج ۲ فی حملة القرآن ص ۲۳۹

۳؎ مبسوط سرخسی باب الحدیث فی الصلوٰۃ ص ۲۰۰ - ۱۹۹ علامہ سرخسیؒ اس کی دلیل فرماتے ہیں۔ والمعنی عنه لان القراءة غیر مقصودة لعینها بل للتدبر والتفکر والعمل به صحابہ رضوان اللہ علیہم قرآن سے کیا فائدہ اٹھاتے تھے اور آج ہم نے قرآن کا کیا مصرف قرار دے رکھا ہے۔

آداب قرآن

(۵۵) عن[1] معن قال قال عبد اللہ بن مسعود ان استطعت ان تکون انت المحدث واذا سمعت اللہ یقول یا ایھا الذین آمنوا فارعھا سمعک فانہ خیر یأمر بہ او شر ینھی عنہ۔

حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا اگر تم سے ہوسکے تو اللہ سے گفتگو کرنے والے بن جاؤ۔ جب اللہ سے سنو کہ فرما رہا ہے یا ایھا الذین آمنوا تو کان لگا دو۔ کیونکہ اس کے بعد کسی نیکی کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے یا کسی برائی سے تم کو روکا جا رہا ہے۔

(۵۶) عن[2] عبد اللہ بن مسعود قال ینبغی[3] لحامل القرآن ان یعرف بلیلہ اذا الناس نائمون وبنھارہ اذا الناس یفطرون وبحزنہ اذا الناس یفرحون وببکائہ اذا الناس یضحکون وبصمتہ اذا الناس یخلطون وبخشوعہ اذا الناس

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ حامل قرآن پر یہ فرض ہے کہ جب لوگ سوئے ہوں تو وہ قرآن پڑھ رہا ہو، اور اس قرآن پڑھنے کی وجہ سے لوگ اس سے واقف ہوں اور دن میں جب لوگ کھانے پینے میں مشغول ہوں تو وہ روزہ دار ہو اور جب لوگ خوشی میں مگن ہوں تو وہ آخرت کے غم میں غمگین ہو اور جب لوگ ایک دوسرے سے مل رہے ہوں

---

[1] حلیۃ ص ۱۳۰ [2] حلیۃ ص ۱۳۰ [3] تلاوت قرآن کے وقت یہ سمجھیں کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ بتلا رہا ہے ان کا ہم سے مطالبہ ہو رہا ہے نہ صرف یہ کہ تیرہ سو برس پرانی بات ہو رہی ہے یوں خیال نہ کریں۔ معلم قرآن کے صفات بیان کئے جا رہے ہیں۔ دانوں کو قرآن زیادہ پڑھتا ہے۔ آخرت کا سامان نہ دیکھ کر قرآن پڑھنے والا فکرمند رہتا ہے عاقبت سے بے خبر رہنے والے دنیا پاکر خوشیاں مناتے ہیں انہ کان فی اھلہ مسرورا۔ حامل قرآن دنیا میں مشغول بھی رہتا ہے پھر بھی آخرت کی فکر اس کو دامن گیر رہتی ہے فضول باتوں سے خاموش رہنے کو بہتر سمجھتا ہے اس کی روش متکبرانہ ہوتی ہے وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا۔ ان کی چال متکبرانہ نہیں ہوتی۔

یختالون وینبغی لحامل القرآن ان یکون باکیا، محزونا حکیما حلیما، علیما، سکیتا ولا ینبغی لحامل القرآن ان یکون جافیا ولا غافلا ولا صخابا ولا صیاحا ولا حدیدا۔

تو وہ خاموش ہو اور جو لوگ اتراتے ہوں تو وہ اللہ کی بارگاہ میں سر جھکائے ہوئے ہو، قرآن کے حامل پر ضروری ہے گناہوں پر رونے والا اور آخرت کی فکر میں ڈوبا ہوا بہت حکیم، بردبار، بردبار خاموش اور علم والا ہو۔ قرآن کے حامل کو خشک مزاج مناسب نہیں اور نہ ہی وہ غافل ہو، وہ شور و غل کرنے والا یا چلانے والا نہ ہو اور نہ ہی لوہے کے مانند سخت ہو۔

بے عمل کی زندگی

(۵۷) عن[1] یحیی بن وثاب قال قال ابن مسعودؓ انی لاکرہ ان اری الرجل فارغا لا فی عمل الدنیا ولا فی عمل الآخرۃ

حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ انسان بالکل بیکار رہے نہ دنیا کا کام کرے نہ دین کا۔

(۵۸) عن المسیب بن رافع قال قال عبد اللہ بن مسعود انی لامقت الرجل ان اراہ فارغا لیس فی شیئ من عمل الدنیا ولا فی عمل الآخرۃ[2]

یہ روایت یحیی بن وثاب اور مسیب بن رافع آپ کے دونوں شاگردوں نے کی ہے۔ مجھے سخت ناگوار ہے کہ میں کسی شخص کو فارغ دیکھوں وہ نہ دنیا کا کام کرے نہ آخرت کا۔

اہمیت معاش

(۵۹) کفی[3] بالمرء اثما ان یضیع من یقوت

انسان کے لئے یہ بڑے گناہ کی بات ہے کہ اپنے ذریعہ معاش کو کھو دے یعنی جائز ذریعہ معاش کا چھوڑنا اللہ کو پسند نہیں، دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ جن کی کفالت کا ذمہ ہے ان کی کفالت سے غفلت برتے [illegible]۔

---

[1] حلیہ ص ۱۳۰ [2] حلیہ ص ۱۳۰ [3] بیہقی ج ۱ ص ۲۵، باب الرجل لا یجد ما ینفق۔

بے کاری سے نفرت

(۶۰) عن خیثمۃ[1] قال قال عبد اللہ لا الفین احدکم جیفۃ لیل قطرب نہار۔

حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو رات کا مردہ اور دن کا قطرب نہ پاؤں۔

خرچ میں میانہ روی

(۶۱) النفقۃ[2] فی غیر حق ھو التبذیر

بے محل خرچ کرنا تبذیر ہے۔ یعنی لہو و لعب اور ممنوع باتوں پر خرچ کرنا تبذیر ہے

اکتساب میں بے صبری نہ کی جائے

(۶۲) فرغ[3] عن الخلق والخُلق والرزق والاجل فلیس احد اکسب من احد والصحف قد جائرۃ تبضت ام لم تقبض۔

اللہ چار باتوں سے فارغ ہو چکا ہے (۱) اعضائے بدنی کی قوت و ضعف اس کی خوبصورتی و بدصورتی (۲) خوش خلقی و بد خلقی (۳) رزق کی تنگی و فراخی (۴) زندہ رہنے کی مدت۔ یہ چیزیں صرف اللہ کے اختیار میں ہے کسی بندہ کے اختیار میں نہیں۔

آخرت

(۶۳) عن ابی وائل قال سمع عبد اللہ رجلا یقول این الزاھدون فی الدنیا الراغبون فی الآخرۃ

حضرت ابی وائل کہتے ہیں کہ حضرت نے ایک آدمی کو کہتے سنا دنیا سے بیزار اور آخرت کے طالب کہاں ہیں، آپ نے جواب دیا کہ وہ لوگ جابیہ والے

---

[1] رات کا کچھ حصہ بیدار رہ کر اللہ کو یاد کرو۔ دنیا کے کاروبار میں بھی اللہ کو یاد رکھو قطرب ایک جانور ہے جو کودتا پھرتا ہے ابھی یہاں بیٹھا ابھی وہاں بیٹھا۔

[2] بیہقی ج ۶ ص ۶۲ - [3] بیہقی ج ۶ ص ۱۶۲ -

فقال عبد اللہ اولئک اصحاب الجابیۃ اشترط خمس مائۃ من المسلمین ان لا یرجعوا حتی یقتلوا فحلقوا رؤسھم فلقوا العدو فقتلوا الا مخبر عنھم

تھے پانچ سو مسلمانوں نے یہ عہد اللہ سے کیا تھا کہ کبھی پیچھے نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ شہید ہو جائیں گے انھوں نے اپنے سر منڈوا لیے اور دشمنوں سے جا بھڑے یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے مگر وہ شخص جس نے آکر یہ خبر پہنچائی

آخرت کی رغبت

(۶۴) قال انتم اکثر صیاما واکثر صلاۃ واکثر اجتھادا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم کانوا خیرا منکم قالوا لم یا ابا عبد الرحمن قال کانوا ازھد فی الدنیا وارغب فی الآخرۃ۔

تم لوگ بہت روزے رکھتے ہو، بہت نمازیں پڑھتے ہو، بڑی محنت اٹھاتے ہو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے روزے رکھنے والے اتنی نمازیں پڑھنے والے نہ تھے لیکن وہ تم سے بہتر تھے لوگوں نے پوچھا عبد اللہ یہ کیوں؟ تو آپ نے فرمایا وہ دنیا سے بہت بے نیاز اور آخرت کے بڑے ہی شوقین تھے۔

(۶۵) لیس للمؤمن راحۃ دون لقاء اللہ فمن کانت راحتہ فی لقاء اللہ فکان قد

مسلمان اللہ کے لقاء (دیدار) کے سوا کسی چیز میں راحت محسوس نہیں کرتا اور جس کی یہ تمنا ہو گی تو یقین کیو کہ اسے اللہ کا لقاء حاصل[1] ہو کر رہے گا۔

---

[1] جنات عدن میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کو دعوت دیں گے کہ وہاں سب کو لقاء الٰہی حاصل ہو گا کسی کو ہر ہفتہ کسی کو مہینہ میں ایک بار سب سے اعلیٰ جنتی وہ ہے جس کو دن میں دو بار لقاء الٰہی ہو گا۔ طالب لقا کو لقاء کا شرف بخشا جائے گا۔

اہمیت آخرت

(۶۶) واللہ الذی لا الہ غیرہ ما یضر عبداً یصبح علی الاسلام و یمشی علیہ ما اصابہ فی الدنیا۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے کہ انسان اگر مسلمان رہتا ہے تو دنیا میں جو بھی مصیبت ہو اس مصیبت سے اس کو کوئی نقصان نہیں۔

دنیا و آخرت کا مقابلہ

(۶۷) من اراد الدنیا بالآخرۃ ومن اراد الآخرۃ اضر بالدنیا فاخروا الفانی للباقی

جس نے دنیا کو مقصود بنایا آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت کو مقصود بنایا اس نے دنیا کا نقصان برداشت کیا اے لوگو باقی رہنے والی آخرت کے مقابلہ میں فنا ہونے والی دنیا کا نقصان برداشت کر لو۔[1]

خوف آخرت و خشیت

(۶۸) لو قفت بین الجنۃ والنار فقیل لی نخیرک ایہما تکون احب الیک او تکون رمادا لاخترت ان اکون رمادا۔

اگر مجھ کو جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے کہیں کہ ان میں سے جو تم کو پسند ہے اس میں چلے جاؤ اور چاہو تو خاک ہو جاؤ تو میں خاک ہو جانا پسند کروں گا۔

نیکیوں میں ہمت کی ضرورت

(۶۹) ان الجنۃ حفت بالمکارہ وان

جنت چھپی ہوئی ہے[2] ناگوار باتوں سے اور جہنم پر

[1] حلیۃ ص ۱۳۸۔ [2] انسان بغیر ناگواری برداشت کئے نیک اعمال نہیں کر سکتا اور جب عمل نیک نہ ہوں گے تو جنت سے محرومی ہوگی ناگواریوں کو برداشت کرنے کے لیے نیکیوں سے محبت کرنا ضروری ہے۔ نفس کی ہر کرنے کو پورا کرنے کا انجام جہنم ہے۔

النار حفت بالشہوات فمن اطلع واقع ما وراءہ۔

پردہ ہے نفسانی خواہشات کا جو جھانکتا ہے تعجب نہیں کہ پیچھے گر پڑے۔

افضل اعمال صالحہ

(۷۰) اذا اصبح احدکم صائما فلیترجل واذا تصدق بصدقۃ بیمینہ فلیخفہا عن شمالہ واذا صلی صلاۃ او صلی تطوعا فلیصلہا فی داخلہ۔

جب تم روزہ رکھو (تیل لگاؤ) کنگھی کرو تمہاری صورت شکل سے تمہارے روزے کا پتہ نہ چلے اور جب تم داہنے ہاتھ سے خیرات کرو تو بائیں ہاتھ سے چھپاؤ اور جب تم نفل پڑھو تو اندر کے حصے میں پڑھو لوگوں کو علم نہ ہو۔[1]

التجاء الی اللہ

(۷۱) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داووا مرضاکم بالصدقۃ وحصنوا اموالکم بالزکوۃ واعدوا للبلاء الدعاء۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علاج کرو اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ اور نگرانی کرو اپنے مال کی زکوۃ کے ذریعہ اور مصیبتوں کے لئے دعا کو تیار رکھو۔[2]

تقوی

(۷۲) کنا ندع تسعۃ اعشار

ہم دس[3] میں سے نو حلال چیزوں کو چھوڑ دیتے

[1] حلیۃ ص ۱۳۲ حضرت عبداللہ کی دوسری روایت میں ہے کہ روزہ میں تیل لگاؤ، روزہ میں تیل لگانے سے تسکین رہے گی۔

[2] بیہقی ج ۴ ص ۳۸۲ [3] مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۱۷۹ جہنم سے بچنے کے لئے بڑی کوشش کی ضرورت ہے اور جب تک وہ احتیاط نہ برتیں تو ہم جہنم سے نہیں بچ سکتے یعنی نو حلال چیزوں کو ہم اس لئے چھوڑ دیں کہ دسویں حرام چیز کی طرف ہم کو رغبت ہو کیونکہ انسان کا حال یہ ہے کہ جب ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو اس کو تسکین نہیں ہوتی بلکہ دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ جب اس کو پورا کر لیتا ہے تو بس نہیں کرتا بلکہ اور خواہشیں پیدا ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سر چشمہ باید گرفتن بہ بیل
چو پر شد نہ باید گرفتن بہ پیل

للحلال مخافة الحرام۔
تھے اس ڈر سے کہ کہیں حرام میں گرفتار نہ ہو جائیں

اللہ تعالیٰ سے دل لگانے کا طریقہ

(۷۳) من استطاع منکم ان یجعل کنزہ فی السماء حیث لایاکله السوس ولاینالہ السراق فلیفعل فان قلب الرجل مع کنزہ۔
تم میں سے جس سے ہو سکے اپنا خزانہ آسمان میں محفوظ کرے جہاں نہ کیڑے کھا سکتے ہیں نہ چور چرا سکتے ہیں آدمی کا دل اپنے خزانہ سے لگا رہتا ہے۔ (تو انسان کا دل اللہ سے لگا رہتا ہے)

نماز کا فائدہ

(۷۴) قال مادمت فی صلاۃ فانت تقرع باب الملك، ومن یقرع باب الملك یفتح لہٗ۔
جب تم نماز میں ہوتے ہو تو شاہ کے دروازہ کو دستک دیتے ہو اور جو شاہ کے دروازے کو دستک دیتا رہے گا ایک نہ ایک دن دروازہ کھل ہی جائے گا۔

اہمیت صلوٰۃ

(۷۵) قال امشوا الی الصلوٰۃ مقتصدین ایھا من ھو خیر منکم ابوبکر و عمر و المهاجرون والانصار قاربو الخطی واکثروا ذکر اللہ عزوجل ولاعلیك ان لاتصحب احدا الرحمن اعانك علی ذکر اللہ[۲]
چلو تم نماز کی طرف کیونکہ تم میں سے جو بہتر تھے ابوبکرؓ و عمرؓ اور مہاجرینؓ و انصار یہ سب نماز کے لئے پیدل کر آتے تھے اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھو اور اللہ کو خوب یاد کرو اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی نہ ہو، مگر جو اللہ کی یاد پر تمھیں مدد دے۔

بچوں کو نماز کی تاکید

(۷۶) حافظوا علی ابنائکم فی الصلوٰۃ
پابند بناؤ اپنے بچوں کو نماز کا اور پھر نیکی

---

[۱] بیہقی ج ۲ ص ۴۸۶ نمازی جب نماز پڑھتا ہے درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے لئے صدا لگاتا ہے۔ فقیرانہ آئے صدا کر چلے۔ [۲] بیہقی ج ۳ ص ۲۷۹۔

ثم تعودوا الخیر فانما الخیر بالعادۃ[۱]
کا عادی بناؤ، کیونکہ نیکی عادت ڈالنے ہی سے ہوتی ہے۔

احتیاط کرنے کی باتیں

(۷۷) قولوا الخیر تعرفوا بہ واعملوا بہ تکونوا من اھلہ ولاتکونوا عجلا مذاییع بذرا۔
اچھی بات کہو تاکہ اچھائی سے پہچانے جاؤ اور نیکی پر عمل کرو تاکہ اچھے ہو جاؤ، جلد باز اور برائی پھیلانے والے، راز ظاہر کرنے والے نہ بنو۔

امانت کی اہمیت

(۷۸) اوّل ما تفقدون من دینکم الامانة وآخر ما تفقدون الصلوٰۃ وسیصلی قوم لادین لھم[۲]
سب سے پہلی چیز جو تمہارے دین کی جاتی رہے گی وہ امانت ہے اور سب سے آخر میں لوگ نماز سے بے پرواہ ہونے شروع ہوں گے پھر یہ بے دین قوم جہنم میں جائے گی (امانت میں خیانت سے دین میں نقص آجاتا ہے اور نماز سے بے پروائی سے دین جاتا رہتا ہے۔)

(۷۹) القتل فی سبیل اللہ یکفر کل ذنبه الا الامانة یوتی الصاحبها وان کان قتل فی سبیل اللہ فیقال لہٗ اد امانتك فیقول
اللہ کے راستہ میں شہادت امانت کے سوا ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے جو شخص اللہ کے راستہ میں شہید ہوگا تو اس سے کہا جائے گا تو اپنی امانت ادا کر تو وہ شہید کہے گا کہ دنیا تو ختم ہو گئی میں کہاں سے ادا کروں

---

[۱] بیہقی ج ۳ ص ۸۴ صرف کسی کام کا بہتر ہونا اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ انسان اس پر عمل کر ہی لے بزرگوں کو چاہیئے کہ اپنے زیردستوں کو بار بار نصیحت کریں اور محبت سے شوق دلائیں، نیکی کا عادی بنالیں تب جا کر انسان نیک بنتا ہے۔ [۲] بیہقی ج ۶ ص ۲۸۹۔

رب ذهبت الدنيا فمن ابن آدم يهانيقول اذهبوا به الى الهاوية حتى اذا انتهى به الى قرار الهاوية مثلت له امانته كيوم دفعت اليه فيحملها على رقبته فى اثرها ابدا ثم قرأ عبد الله ان الله يامركم ان تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا۔[۱]

اللہ تعالیٰ کہے گا اس کو جہنم میں لے جاؤ جب وہ جہنم کی تہ میں پہنچے گا تو اس کی امانت اس کے سامنے لائی جائے گی جیسی کہ امانت کے سپرد کرنے کے وقت تھی اس کو وہ اپنی گردن پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اٹھائے رہے گا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالک کے پاس پہونچاؤ۔

تقدیر پر ایمان

(۸۰) ما كان كفر بعد نبوة قط الا كان مفتاحه التكذيب بالقدر[۲]

نبوت کے بعد کوئی کفر نہیں ہوا ہے مگر اس کی ابتداء تقدیر پر ایمان لانے سے ہوتی ہے (یعنی مذہبی آدمی تقدیر کا انکار کر کے کفر کی راہ اختیار کرتا ہے)

(۸۱) انشد فرج بن سلام فى ذم الزمان هذا الزمان الذى كنا نحذره[۳] فيما يحدث كعب عن ابن مسعود ان دام ذا الدهر لم نحزن على احد يموت منا ولم نفرح بمولود۔

یہ وہ زمانہ ہے جس سے ہم ڈرائے جاتے تھے اس حدیث میں جو کعب رضی اللہ عنہ نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کی ہے۔ اگر یہ زمانہ باقی رہ گیا تو کوئی شخص جو ہم میں مرے گا اس کا غم نہ کریں گے اور نہ کسی بچے کی پیدائش پر خوش ہوں گے۔

---

[۱] بیہقی ج ۶ ص ۲۸۸۔ [۲] العقد الفرید ج ۲ ص ۱۳۸۱ القول فى القدر [۳] العقد الفرید ج ۲ باب ذم الزمان ص ۱۳۴۱ دوسرا شعر اس طرح بھی منقول ہے۔ ان دام هذا ولم يحدث له فرج لم يبك ميت ولم يفرح بمولود۔

(۸۲) اياكم وحزائز القلوب وما حزّ فى قلبك من شئ فدعه[۱]

آپ نے فرمایا کہ تم دلوں کی کھٹک سے بچو اور جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دو۔

آئینہ خود شناسی

(۸۳) لا يشبه الزيُّ الزيَّ حتى تشبه القلوبُ القلوبَ۔[۲]

وضع سے وضع نہیں ملتی جب تک دل سے دل نہ ملے۔

ریاکاری سے اجتناب

(۸۴) من ارى فى الدنيا راءى الله به يوم القيامة ومن يسمع فى الدنيا يسمع الله به يوم القيامة ومن يتطاول تعظما يضعه الله ومن يتواضع تخشعا يرفعه الله[۳]

جو دنیا میں دکھانے کے لئے کام کرتا ہے اللہ بھی قیامت میں اس کے ساتھ دکھاوے کا برتاؤ کرے گا اور جو دنیا میں سنانے کے لئے کام کرتا ہے اللہ میاں قیامت کے دن اس کی بے عزتی سنائے گا جو اپنے کو بڑا سمجھ کر بڑا بنتا ہے اللہ اس کو ذلیل کرے گا اور جو اللہ سے ڈر کر تواضع[۴] کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرے گا۔

ایمان و عمل صالح کی اہمیت

(۸۵) لوددت انى علمت ان الله غفر لى ذنبا من ذنوبى وانى لا ابالى اى

میری تمنا ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ نے میرے گناہ معاف کر دئیے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں

---

[۱] ازالۃ الخفاء کے الفاظ میں دعوا الحکاکات فانها الاثم الاثم ما حک فى صدرک ج ۲ ص ۱۸۵ مقصد دوم [۲] دو شخص کی تمناؤں کو جب ہم اپنے میں پیدا کرتے ہیں تو ہم ان ہی کی جیسی صورت شکل رنگ ڈھنگ اختیار کر لیتے ہیں جب تک مقصد میں اتحاد نہیں ہوتا دوسرے کی بات میں کمال نظر نہیں آتا ۱۲) [۳] حلیۃ ص ۱۳۸ اس کو قیامت کے دن ایک ایسے مقام پر رکھا جائے گا جس کو وہ جنت خیال کرے گا اس سے کہا جائے گا کہ اس میں چلے جاؤ وہ ذوق و شوق سے جائے گا تو وہ دوزخ ہو گی ۱۲ [۴] انکساری سے سربلند ہوتی ہے۔

ولمن آدم ولمن نی۔

کہ میں کس کا بیٹا ہوں[1]۔

تھوڑے تھوڑے عمل کے تسلسل سے اپنا مقصد حاصل کرنا اہم بات ہے[2]

(۸۶) مثل المحقرات من الاعمال مثل قوم نزلوا منزلا لیس به حطب و معهم لحم فلم یزالوا یلقطون حتی جمعوا ما انضجوا به لحمهم۔

چھوٹے چھوٹے عملوں کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک قوم ایسی جگہ اتری جہاں لکڑی نہ تھی اور اس کے پاس گوشت تھا وہ لوگ لکڑیاں برابر چنتے رہے یہاں تک کہ گوشت پکانے کے لائق لکڑیاں جمع کرلیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی پہچان

(۸۷) ان الله یعطی الدنیا من یحب و من لا یحب ولا یعطی الایمان الا من یحب فاذا احب الله عبداً اعطاه الایمان[3]۔

بے شک اللہ دنیا کو دیتا ہے جو اس کا محبوب ہو اور اس کو بھی جس کو اللہ ناپسند کرتا ہے مگر ایمان نہیں دیتا سوائے اپنے محبوب کے تو اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتا ہے اس کو ایمان کی دولت دے دیتا ہے۔

(۸۸) والذی لا اله غیره ما اصبح عند آل عبد الله ما یرجو

آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں میرے خاندان میں کوئی ایسی

[1] آخرت کی عزت نجات میں ہے۔ نجات کے بعد دنیا کی عزت کی پرواہ نہیں کرتا خاندان کی اہمیت نہیں ہے جہنم سے نجات حاصل کر لینا اہم بات ہے۔ [2] الادب المفرد امام بخاری۔

[3] حلیۃ الاولیاء ص ۱۲۲ شرک ترک کرے توحید کی برکت سے انسان کو اللہ تعالیٰ استدراج و عذاب دونوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ لا اله الا الله حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی (حصن حصین)

جو مصیبت مومن پر آتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے یعنی مصیبت اس امتحان کے لئے آتی ہے کہ ہمارے ایمان میں کس قدر پختگی ہے کتنا صبر کرتے ہیں کتنے راضی بر قضا رہتے ہیں۔

ان یعطیهم الله به خیراً او یدفع عنهم به سوءً الا ان الله قد علیم ان عبد الله لا یشرک به شیئاً۔

چیز نہیں جس سے مجھے توقع ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے عطا کرے گا، یا مجھ سے کسی مصیبت کو دور کرے گا۔ بجز اس عقیدے کے کہ میں اللہ کا کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(۸۹) فقال ما منکم من احد الا ربه تعالیٰ سیخلو به کما یخلو احدکم بالقمر لیلة البدر فیقول یا ابن آدم ما غرک بی ابن آدم ماذا اجبت المرسلین؟ ابن آدم ماذا عملت فیما علمت[1]

تم میں سے کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ تخلیہ کرے گا جیسا کہ تم چاند کے ساتھ چودھویں رات میں تخلیہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میرے بارے میں کس چیز نے تم کو دھوکہ میں رکھا اے ابن آدم تم نے رسولوں کی اور قرآن کی دعوت قبول کی یعنی فقط زبان سے یا عمل سے علم پہ کیا عمل کیا۔

(۹۰) یعرض الناس یوم القیامة علی ثلثة دواوین دیوان فیه الحسنات ودیوان فیه النعیم ودیوان فیه السیئات فیقابل بدیوان الحسنات دیوان النعیم فیستفرغ النعیم الحسنات وتبقی السیئات ومشیتها الی الله ان شاء الله عذب وان شاء غفر۔

لوگوں کے سامنے قیامت میں تین دفتر پیش کئے جائیں گے ایک میں نیکیاں ہوں گی دوسرے میں نعمتیں اور تیسرے میں برائیاں۔ نیکیوں کے دفتر کا مقابلہ نعمتوں کے دفتر سے کیا جائے گا۔ اب نعمتیں نیکیوں کے مقابلہ میں شمار کردی جائیں گی۔ اور برائیاں باقی رہ جائیں گی ان کا اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے معاف کرے اور چاہے سزا دے۔

[1] حلیۃ الاولیاء ص ۱۲۱۔ کیا میں نے اختیارات کسی کو دے دیئے تھے کہ اس کے خوش کر لینے کو تم نے کافی سمجھا کیا کوئی میرا مقرب بندہ کسی کی سفارش اس کی نافرمانی کے باوجود کر سکتا ہے؟ میری نافرمانی بھی ہو پھر بھی سعی و سفارش سے کام چل جائے؟

(۹۱) وددت أني صولحت على تسع سيئات وحسنة۔

میں تمنا کرتا ہوں کہ نو نیکیاں ایک برائی کے بدلے لے لی جائیں تو میں راضی ہوں[1]۔

(۹۲) إني لا أخاف عليكم في الخطاء ولكن أخاف عليكم في العمد إني لا أخاف عليكم أن تستقلوا أعمالكم ولكني أخاف عليكم أن تستكثروها۔

خطا اور غلطی سے تم کوئی کام کرو تو مجھے اس کے بارے میں ڈر نہیں ہے مگر جان بوجھ کر جو گناہ کرتے ہو تو وہ پناہ مانگنے کی چیز ہے میں اس سے نہیں ڈرتا کہ تم اپنے اعمال کو کم خیال کرو بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم کہیں اپنے اعمال کو بہت نہ سمجھ لو[2]۔

(۹۳) المؤمن يرى ذنبه كأنه صخرة يخاف أن تقع عليه والمنافق يرى ذنبه كذباب وقع على أنفه فطار فذهب۔

مومن اپنے گناہ کو پہاڑ برابر یقین کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور منافق اپنے گناہ کو مثل مکھی خیال کرتا ہے جو ناک پر بیٹھی اور اڑ گئی۔

(۹۴) لا يستر الله على عبد في الدنيا إلا ستر عليه في الآخرة[3]۔

جس بندے کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا (اس کے فضل سے) توقع ہے کہ آخرت میں بھی اس کو پردے میں رکھے گا۔

(۹۵) عن عبد الله قال، ما أحد

آپ نے فرمایا قیامت کے دن ہر شخص اس کی تمنا

---

[1] برائی سے اتنا کانپتے تھے کہ ایک برائی معاف کر دیئے جانے کے بدلے میں دس نیکیوں سے دستبرداری پر راضی تھے ایسا شخص کس قدر برائیوں سے دور رہتا ہوگا۔ اس کا اندازہ کر لیا جائے۔

[2] بھول چوک سے آدمی سے گناہ ہو جائے تو یہ اتنی خطرے کی بات نہیں ہے جتنی یہ بات خطرے کی ہے کہ آدمی دنیا کا نفع حاصل کرنے کے لئے برے کام کر گزرے اور ان کی پرواہ نہ کرے یا یہ کہ تھوڑی بہت عبادت کرے یا کچھ نیک کام۔ تو اسی کو نجات کے لئے کافی سمجھے۔ [3] حلیۃ ص ۱۳۷

من الناس يوم القيامة إلا يتمنى أنه كان يأكل في الدنيا قوتاً وما يضر أحدكم على ما أصبح وأمسى من الدنيا إلا أن تكون في النفس حزازة ولأن يعض أحدكم على جمرة حتى تطفأ خير من أن يقول لأمر قضاه الله ليت هذا[1]

کرے گا کہ دنیا میں تھوڑی روزی ملتی تم کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ صبح شام میں جو تمہاری حالت ہو صرف دل میں اک کھٹک رہتی ہے تم انگارہ کو دانت سے دبا لو یہاں تک کہ وہ بجھ جائے وہ اس سے بہت بہتر ہے کہ کسی تقدیری امر کو یہ کہو کہ کاش یہ نہ ہوتا۔

(۹۶) عن أبي عثمان عن ابن مسعود أنه كان يجالسه بالكوفة فبينما هو يوماً في صفة له وتحته فلانة وفلانة امرأتان ذواتا منصب وجمال وله منهما ولد كأحسن الولد إذ شقشق على رأسه عصفور ثم قذف أذى بطنه فنكته بيده وقال لأن يموت آل عبد الله ثم أتبعهم أحب إلي من أن يموت هذا العصفور[2]

ابو عثمان کہتے ہیں کہ کوفہ میں میری مجلس عبد اللہ ابن مسعود کے پاس ہوا کرتی تھی ایک دن آپ ایک چبوترے پر بیٹھے تھے اور اس وقت آپ کے پاس آپ کی دو بیویاں بڑی خاندانی اور حسین تھیں اور ان دونوں کے بیچ میں ایک ہی لڑکا تھا نہایت خوبصورت ایک چڑیا چہچہائی اور اس نے بیٹ کر دی آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے پونچھ دیا اور فرمایا کہ میرا پورا خاندان مر جائے پھر میں مر جاؤں اس سے بہت بہتر ہے کہ یہ چڑیا مرے۔

---

[1] تقدیر پر اعتراض بہت بری بات ہے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ پر اعتراض، دین، ایمان، اخلاص کی موت ہے الاعتراض على الحق عند نزول البلاء موت الدين، موت الايمان، موت الاخلاص۔ [2] حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۲ اگر چڑیا کے بیٹ کرنے سے مجھے غصہ آجائے اور میں اسے مار دوں اس سے زیادہ یہ بہتر ہے کہ میرے بال بچے مر جائیں۔

فتنہ و فساد

(۹۷) ذهبت صفو الدنيا وبقي كدرها فالموت اليوم تحفة لكل مسلم[1]

صاف دنیا ختم ہو گئی۔ گدلی دنیا رہ گئی کہ آج موت ہی مسلمان کے لیے تحفہ ہے۔

جزا سزا

(۹۸) لا يجعل الله عز وجل من له سهم في الاسلام كمن لا سهم له ولا يتولى الله عبدا في الدنيا الا تولاه غيره يوم القيامة ولا يحب رجل قوما الا جعله معهم[2]

اللہ تعالیٰ جس شخص کا اسلام میں حصہ ہے اس کو ویسا نہ بنائے گا جس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں اور کوئی بندہ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ اس کو چھوڑ کر اللہ دوسرے سے محبت کرے اور کوئی شخص قوم سے محبت نہیں کرتا مگر اس کا حشر ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۹۹) انه كان يقول اذا انكم في ممر الليل والنهار في آجال منقوصة واعمال محفوظة والموت ياتي بغتة فمن يزرع خيرا يوشك ان يحصد رغبة ومن يزرع شرا يوشك ان يحصد ندامة ولكل زارع مثل ما زرع لا يسبق

حضرت ابن مسعودؓ جب بیٹھتے تو فرماتے کہ تم بہت تھوڑی عمر میں دن اور رات کی گذرگاہ میں ہو۔ اعمال محفوظ رہ جائیں گے موت اچانک آجانے کی قریب ہے کہ جس چیز کی تخم ریزی کرے گا وہ اپنی بوئی ہوئی چیز خوش کن لے گا اور جو برائی کی تخم ریزی کرے گا بہت قریب ہے کہ اس کو پچھتاوا ہو۔ لیکن ہر بونے والے کو وہی ملے گا جو اس نے بویا ہے جو عمل میں دیر کرتا ہے وہ اپنا حصہ جلد نہیں

[1] حلیۃ ص ۱۲۱ صحابہ کا دور ختم ہو گیا فتنہ فساد شروع ہو گیا۔

[2] حلیۃ ص ۱۳۷۔

بطوء بحظه ولا يدرك حريص ما لم يقدر له فمن اعطي خيرا فالله تعالى اعطاه ومن وقي شرا فالله تعالى وقاه المتقون سادة والفقهاء قادة ومجالستهم زيادة۔

پا سکتا۔ کسی حریص کو وہ چیز نہیں ملے گی جو اس کی قسمت[1] میں نہ ہو جس کو نیکی ملی وہ اللہ کا عطیہ ہے۔ جو کسی مصیبت سے بچا لیا گیا تو اسے اللہ ہی نے بچایا ہے متقی لوگ سردار ہیں اور فقہا ہمارے رہنما ان کی ہم نشینی نیکیوں میں اضافہ کا سبب ہے۔

(۱۰۰) ما منكم الا ضيف وماله عارية والضيف مرتحل والعارية مؤداة الى اهلها۔

تم میں ہر شخص مہمان ہے اور اس کا مال عاریت ہے مہمان کو جگہ چھوڑ دینی (سفر) لازمی ہے اور عاریت مالک کو واپس کر دینی ضروری ہے۔

دنیا کس طرح گذاری جائے

(۱۰۱) وددت اني من الدنيا فرد كالغادي الراكب الرائح۔

میری آرزو ہے کہ میں ایسا بے تعلق رہوں جیسے صبح شام چلنے والا مسافر الگ تھلگ رہتا ہے

تواضع کی پہچان

(۱۰۲) ان من رأس التواضع ان ترضى بالدون من شرف المجلس وان تبدأ بالسلام من لقيت[2]

تواضع میں چوٹی کی چیز یہ ہے کہ کم درجہ کی جگہ پر بیٹھنے سے تم ناراض نہ ہو اور جو تمہارے سامنے آئے اسے سلام کرنے میں تم پہل کرو۔

[1] ہم وہ چیز طلب کرتے ہیں جو مقدر میں نہیں یہ ایمانی تعلیم اس دعا میں دی گئی ہے۔ اللهم لا ياتي بالحسنات الا انت ولا يصرف السيئات الا انت ولا حول ولا قوة الا بالله

[2] ازالۃ الخفاص ۱۸۶۔

شانِ مومن

(۱۰۳) المومن مالف ولا خیر فی من لا یالف ولا یؤلف۔

مومن الفت مزاج ہوتا ہے اس شخص میں خیر نہیں جو نہ کسی کی محبت کرتا ہے نہ اس سے محبت کی جاتی ہے۔[1]

خواہشاتِ نفس کا انجام

(۱۰۴) الحق ثقیل مری والباطل خفیف ربئ ورب۔ شھوۃ تورث حزنًا طویلًا۔

حق دشوار ہے (دیر میں) اس کی لذت کا ادراک ہوتا ہے ناحق آسان ہے دیر سے اس کی ناگواری محسوس ہوتی ہے اور بہت سی شہوتیں غم کا سبب بن جاتی ہیں۔

عمل میں تسلسل اور تواتر

(۱۰۵) لا تفتروا نتھلکوا

اعمال میں سستی نہ کرو (اعمال سے) نہ تھکو برباد ہو جاؤ گے۔

اپنے عمل اور بے عملی کے نتیجہ کو دور نہ سمجھو

(۱۰۶) کل ما ھو آتٍ قریب

ہر چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے۔

نیکی کے اوقات

(۱۰۷) ان للقلوب شھوۃ واقبالا وان للقلوب فترۃ وادبارا فاغتنموھا

آپ نے فرمایا دل کو کسی وقت رغبت ہوتی ہے اور متوجہ ہوتا ہے اور کسی وقت بے رغبت ہوتا ہے اور بے توجہ، جس وقت اس کو توجہ ہو

---

[1] از التخلص ۸۶، [2] اس نے اپنا مزاج ایسا بنا لیا ہے کہ کوئی اس سے بے تکلف نہیں ہوتا۔ اور نہ اس سے محبت کرتا ہے [3] حلیۃ ص ۱۳۴

[4] ذوق وشوق کی عبادت نفس کو راحت پہنچاتی ہے۔

عند شھوتھا ودعوھا عند فترتھا وادبارھا۔

چاہیے کہ اس کو غنیمت سمجھو اور اللہ کو یاد کر لو اور جس وقت کند ہو اور بے توجہ ہو اس وقت چھوڑ دو۔

بیکار باتوں سے اجتناب

(۱۰۸) قال رجل لعبد اوصنی یا ابا عبد الرحمٰن قال ولیسعک بیتک واکفف لسانک وابک علی ذکر خطیئتک۔

ایک شخص نے آپ سے فرمائش کی کہ مجھے وصیت کیجئے آپ نے فرمایا کہ تمہارا گھر تم کو گھیرے رہے اپنی زبان کو روک رکھو، اپنے گناہوں کو یاد کر کے روؤ۔

(۱۰۹) قال واللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو ما علی ظھر الارض شی احوج الی طول سجن من لسان۔

آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ زمین میں سب سے زیادہ قید میں رکھنے کی چیز زبان سے زیادہ کوئی نہیں۔

حسد

(۱۱۰) لا تعادوا نعم اللّٰہ قیل لہ ومن یعادی نعم اللّٰہ قال الذین یحسدون الناس علی ما آتاھم اللّٰہ من فضلہ۔

اللہ کی نعمتوں سے دشمنی مت کرو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ کی نعمتوں سے کون دشمنی کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے۔

بدعت

(۱۱۱) الاقتصاد فی السنۃ احسن

سنت میں میانہ روی بدعت میں بڑی محنت

---

[1] فضول باتیں نہ کرو، اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رہنے کی اجازت نہیں آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کے بیان میں یہ نصیحت گزر چکی ہے اس میں کف لسان کے بجائے اوصیک بتقوی اللّٰہ ہے۔ [2] حلیۃ ص ۱۳۴

[3] باب الحسد ص ۳۲۰ العقد الفرید ج ۲۔

من الاجتهاد فی البدعة — اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔

عزت نفس

(۱۱۲) قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم الایدی ثلاثة اید فید الله العلیا وید المعطی تلیها وید السائل سفلی الی یوم القیامة فاستعفوا عن السوال ما استطعتم

فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہاتھ ہیں اللہ کا ہاتھ سب سے بلند ہاتھ ہے اور دینے والے کا ہاتھ اللہ سے ملا ہوا ہے اور سائل کا ہاتھ قیامت تک نیچے ہے۔ جہاں تک ہو سکے تم سوال سے دور رہو۔

(۱۱۳) لا تعجبوا بحمد الناس ولا بذمهم فان الرجل یعجبک الیوم ویسوءک غدا ویسوءک الیوم ویعجبک غدا وان العباد یغیرون والله یغفر الذنوب یوم القیامة والله ارحم لعباده یوم القیامة من ام واحد فرشت له فی ارض قیء ثم قامت تلتمس فراشه بیدها فان کانت لدغة کانت بها وان کانت شوکة کانت بها۔

لوگوں کی تعریف و مذمت کی کچھ پروا نہ کرو کیونکہ آدمی آج خوش ہوتا ہے اور کل ناراض ہو جاتا ہے آدمی ادلتا بدلتا رہتا ہے اور اللہ قیامت کے دن اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ماں سے زیادہ مہربان ہوگا جس نے سایہ میں اپنے بچہ کے لئے بچھونا بچھایا ہو پھر اس کے نیچے ہاتھ ڈال کر دیکھتی ہو کہ اگر کوئی کاٹنے والا جانور ہو تو اس کے ہاتھ میں کاٹ لے اور اگر کوئی کانٹا ہو تو اس کے ہاتھ میں چبھے

؎ بیہقی ج ۴ ص ۱۹۸

اندھی تقلید سے ممانعت

(۱۱۴) قال عبد الله لا یکونن احدکم امعة قالوا وما الامعة یا ابا عبد الرحمن قال یقول انا مع الناس ان اهتدوا اهتدیت وان ضلوا ضللت الا لیوطنن احدکم نفسه علی ان کفر الناس ان لا یکفر۔

آپ نے فرمایا امعہ نہ بنو لوگوں نے پوچھا امعہ کیا ہوتا ہے آپ نے فرمایا جو لوگوں سے کہتا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں اگر وہ سیدھی راہ چلیں تو میں بھی اسی راہ پر رہوں گا اپنے نفس کو اس کی عادت ڈالو کہ اگر لوگ کفر کی راہ پر جا رہے ہیں تو تم ہرگز نہ چلو۔

جہالت کی گرم بازاری

(۱۱۵) عن عبد الله قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم کیف انتم اذا لبستکم فتنة یربو فیها الصغیر ویهرم فیها الکبیر اذا ترک منها شیء قیل ترکت سنة قالوا ومتی ذلک یا رسول الله؟ قال اذا کثرت قراؤکم وقلت علماؤکم

آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب فتنے گھیر لیں گے تو تم کیا کرو گے۔ ایسا طریقہ اختیار کریں گے کہ بچہ بڈھا ہو جائے گا اور بڈھا بوڑھا ہو جائے گا اور کوئی چیز چھوڑ دی جائے گی تو کہا جائے گا کہ سنت چھوڑ دی گئی صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اذا کثرت قراؤکم وقلت علماؤکم یعنی جب قاری لوگ بہت ہو جائیں گے اور

؎ المحتسب و بنیہ الرجال فصل ۸۴ ص ۱۷۵ ابن القیم

؎ ص ۱۳۶ حلیۃ الاولیاء زمانہ کی پرواہ نہ کرو۔ حق پر قائم رہو خواہ کچھ ہی ہو جائے۔

زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ ستیز

وكثرت امراؤكم وقلت امناؤكم والتمست الدنيا بعمل الآخرة وتفقه لغير الله قال عبد الله ناصبحتم فيها :

علماء کم ہو جائیں گے اور دیانتدار کم ہو جائیں گے اور آخرت کے عمل سے دنیا حاصل کی جائے گی اور دین کا علم اللہ کی مرضی کے علاوہ اور مقصد کے لیے حاصل کیا جائے گا آپ نے فرمایا یہ باتیں ہیں تم میں دیکھ رہا ہوں۔

یادِ رفتگاں

(۱۶) قال عبد الله بن مسعودؓ من بر الحی بالمیت ان یصلی من کان یصل ابله۔

حضرت نے فرمایا ایک زندہ کا نیک سلوک مردہ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے جو اس کے باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا۔

ولی کی ذمہ داری

آپ کی خدمت میں ایک شخص اپنے بھتیجے کو لے کر آیا۔ جو شراب میں مست تھا آپ نے اسے اتنی دیر روکا کہ اس کا نشہ اتر گیا۔ اس کے بعد درخت کی ایک شاخ منگوائی اور اس کے پتے توڑ کر جلاد کو بلایا اور اس سے کہا تم اس کے چمڑے پر اس کوڑے سے ہاتھ کو ہاتھ کی حد تک اٹھا کر مارو۔ اس قدر اوپر نہ کرو کہ بغل نظر آنے لگے۔ چنانچہ جلاد کوڑا مارتا جاتا تھا اور حضرت گنتے جاتے تھے یہاں تک کہ اس نے اسی درے مارے تو اس لڑکے کے چچا نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن یہ میرا بھتیجہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور میرے اولاد نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا۔

شر العم والی الیتیم انت کنت

تم یتیم کے مربی چچا کا برا ہو، خدا کی قسم تم نے نہ

ؔ العقد الفرید ج ۱ - باب مواصلات لمن کان یواصل اباک ص ۸۰ ا یعنی نے اس کے باپ پر احسان کیا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا باپ کا حق ادا کرنا ہے۔

واللہ ما احسنت ادبہ صغیرا ولا سترته کبیرا۔

بچپن میں اس کو اچھا ادب سکھایا اور نہ ہی بڑے ہونے پر اس کی پردہ پوشی کی۔

اس کے بعد بیان فرمایا کہ اسلام میں سب سے پہلے حد یوں جاری ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جس کی گواہی گذرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جب چور کو ہاتھ کاٹنے کے لئے لے جانے لگے تو وہ بڑی مایوسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بعض صحابہؓ کو اس پر ترس آیا اور انھوں نے آپ سے درگذر کرنے کی خواہش کی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

افلا کان ھذا قبل ان تاتونی بہ فان الامام اذا انتهى اليه حد فليس لاحد ان يعطله ؔ

یہ بات اس چور کو میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ ہوئی جب حاکم کو حد جاری کرنے کی شہادت پہنچائی جائے تو پھر کسی کو حق نہیں ہے کہ غلط قرار دے۔

ؔ مسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۴۸ (طبع حلب)

ہمہ وقت حاضر باش صحابی پر غلط الزام

قرآن کریم نے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو بتلایا ہے کہ اللہ کی اطاعت کی شکل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (جس نے رسول کی اطاعت کر لی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی) اس لئے صحابہؓ کے زمانہ سے آج تک مسلمانوں کو آپ کی ذات مبارک کے ساتھ ہر زمانہ میں بڑی گرویدگی رہی ہے صحابہ کرامؓ کو آپ کے ساتھ جو والہانہ شیفتگی تھی اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے صحابہؓ اور ان کے بعد امت نے آپ کی زندگی کی ایک ایک بات ایک ایک جزئیہ کو حرز جاں بنایا۔ ہاں ایسا ہوا ہے کہ آپ کی حیات طیبہ کے مختلف اوقات میں آپ کے عمل میں اختلاف ہوا۔ امت نے ان جزئیات کو بھی نہیں بھلایا بلکہ تمام و کمال اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کیا۔

ہر شخص ہر بات کو یاد رکھے یہ مشکل کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نظم کیا کہ ایک صحابی نے ایک بات یاد رکھی تو دوسرے صحابی نے دوسری بات یاد رکھی۔ ایسے بھی صحابی ہیں جنھوں نے کسی کسی واقعہ میں ایک سے زیادہ وقتوں کی باتوں کو یاد رکھا

غرض کہ آپ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ جو امت کی نظر سے اوجھل ہو۔ مختلف اوقات میں اپنی عمر کی مختلف حصوں میں آپ نے جو کچھ فرمایا بلکہ عمل کے مختلف پہلوؤں کو بھی اسلاف نے اخلاف تک پہنچایا ہے یہ ضرور ہوا کہ بعد کے حضرات میں سے کچھ لوگوں نے ایک پہلو پہ زور دیا تو دوسرے حضرات نے دوسرے پہلو پر۔

انھیں باتوں نے آگے چل کر اختلافی مسائل کی شکل اختیار کر لی یہ مسائل عادت سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور عبادت سے بھی۔ صلح کی ان تدبیروں سے بھی اور جنگ کی ان ضروریات سے بھی، نماز سے بھی اور روزہ سے بھی۔ غرض یہ کہ زندگی کے تقریباً سارے مسائل کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ نماز جیسی پرسکون عبادت کے جن مسائل میں اختلاف ہے ان میں رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے؟ یا دوسرے انتقالات (رکوع، قومہ اور سجدہ کے قبل بھی) رفع یدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طرق پہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تکبیر تحریمہ پہ ہاتھ اٹھایا پھر نہیں۔ دوسرے صحابہؓ نے رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت، سجدہ کو جاتے وقت، سجدہ سے اٹھتے وقت، حتیٰ کہ سلام کے وقت بھی رفع یدین نقل کیا ہے۔ ہر فریق اپنے مذاق کی روایت کو قوی قرار دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دونوں قسم کی روایتیں ہیں (۱) پوری نماز میں صرف ایک بار تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھایا، جس کو اس سلسلہ کے فقہ[1] کے

---

[1] یہاں فقہ سے مراد فقہ مدینہ ہے۔

تو بس حضرت امام مالکؒ نے اختیار فرمایا۔ (۲) رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت دونوں حالتوں میں بھی ہاتھ اُٹھایا۔ یہ حدیث صحیحین میں عن الزہری عن سالم عن ابن عمرؓ کی سند کے ذریعہ مروی ہے کہ جس سند کے ذریعہ پہلی روایت ہے۔

ہندوستان میں جن چند مسائل کا کسی زمانہ میں چرچا ہوتا رہا ہے ان میں صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس کی سند کے متعلق یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے والے اس کے مقابل کی سند نہیں پیش کر سکتے۔ ان سے کہا گیا کہ سلسلۃ الذہب کی یہ روایت ہماری تائید میں ہے اور تمہارے پاس سلسلۃ الذہب کی روایت نہیں ہے اور ان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ تم اپنی تائید میں سلسلۃ الذہب کی کوئی حدیث پیش کرو۔ سب سے پہلے اس مقابلہ میں اسی سند کی حدیث پیش کی جاتی ہے حضرت سالمؒ اور حضرت نافعؒ کا اس روایت مرفوع موقوف ہونے میں جو اختلاف ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس مقالہ کے سوا کسی اور جگہ یہ استدلال نظر نہیں آ گے۔ چونکہ حضرت ابن عمرؓ کی ایک ہی لیند سے دونوں حدیثیں (تینوں وقت رفع یدین)، اور صرف تحریمہ کے وقت رفع یدین کی حدیثیں مروی ہیں۔ اگر اذا تعارضا تساقطا کے اصول پر اس حدیث کو استدلال کے قابل نہ قرار دیں تو پھر عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ کی حدیثوں کے پایہ کی کوئی حدیث تینوں وقت رفع یدین کی نہیں پیش کی جا سکتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر نسیان کا غلط الزام

اور

اس پر محققانہ بحث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے: الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا اول مرۃ[1] انتہی

---

[1] ابوداؤد باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع (جلد ا ص ۱۱۶) وحسنہ الترمذی باب رفع الیدین وصححہ ابن حزم فی المحلی والنسائی ولفظہ، فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد۔ واحمد

بالکل یہی روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی سند سے ہے کہ جس سند سے رفع یدین کی روایت بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے دونوں روایتوں کے راوی ایک ہی ہیں۔ ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ملا محمد عابد سندھی المواہب اللطیفہ فی الحرم المکی علی مسند الامام ابی حنیفہ میں لکھتے ہیں[2]۔ (بقیہ صفحہ ۲۰۲ پر)

---

[2] مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد

اس روایت پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابو بکرؒ احمد بن اسحاق بن ایوب نیشاپوری[1] نے کہا کہ "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے اور آپ کا بھولنا کوئی عجیب بات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱۔

قلت قد ورد فی معنی حدیث ابن مسعود ایضاً ما اخرجه البیهقی فی خلافیاته من حدیث مالکؒ عن الزهری عن سالم عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح فی الصلوٰۃ ثم لا یعود قال الحاکم والبیهقی حدیث ابن عمر هذا باطل موضوع لا یجوز ان یذکر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے ہم مضمون حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بھی روایت ہے جس کو بیہقیؒ نے اپنے خلافیات میں اس سند سے روایت کیا ہے۔ عن مالک عن الزہری عن سالم عن ابن عمرؓ۔ عبداللہ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے حاکم اور بیہقی نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث باطل ہے۔

[1] ان کا پورا نام ابو بکر بن اسحاق بن ایوب ابن یزید بن عبدالرحمن بن نوح نیشاپوری ہے ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے آپ مذہباً شافعی ہیں۔ علامہ سبکی نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کی رائے فاتحہ کی قرأت کے متعلق یہ تھی کہ جس کو رکوع مل جاتا ہے مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا تو اس کی رکعت نہیں ملی علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں پہلے یہی تحقیق کی تھی لیکن بعد میں اس تحقیق سے رجوع کر لیا۔ (ملاحظہ ہو عون المعبود جلد ا ص ۱۳۵ باب ترک رفع الیدین عند الرکوع) ان کا ایک مسئلہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ کہیں گر گئے تھے اور ان کی آستینوں میں ایسی کیچڑ لگ گئی تھی جس پر کتا لوٹا تھا۔ انھوں نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ اسے دھو ڈالے اور آخر میں مٹی سے بھی دھوئے۔ لونڈی نے پوچھا کیا کیچڑ میں مٹی نہیں ہوتی! اس وقت علامہ ابو بکرؒ نے بڑے انصاف سے کام لیا اور کہا۔ احسنت انت افقه منی۔ [2] طبقات الشافعیة الکبری للعلامة السبکی ج ۱ ص ۸۱، ۸۲۔

نہیں ہے"، کیونکہ اور چند باتیں بھی آپ بھول گئے ہیں۔ اور چند باتیں انھوں نے

بقیہ حاشیہ سابقہ۔

الا علی سبیل التعجب والقدح فیه فقد روینا بالاسانید الزاهرة عن مالکؒ خلاف هذا انتهی۔

موضوع ہے اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں ہے مگر تعجب کے طور پر یا اس پر اعتراض کرنے کی غرض سے کیونکہ ہم نے بڑی اچھی اچھی سندوں سے امام مالکؒ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔

اس پر ملا عابد سندھی تحریر فرماتے ہیں۔

قلت تضعیف الحدیث لا یثبت بمجرد الحکم وانما یثبت ببیان وجوه الطعن وحدیث ابن عمر الذی رواه البیهقی فی خلافیاته رجاله رجال الصحیح فما اری له ضعفا بعد ذلک۔

کسی حدیث کو ضعیف بتایا جائے تو صرف زبان سے ضعیف کہہ دینے سے وہ حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی صرف ضعف کا حکم لگا دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس حدیث کی سند یا متن میں جو اعتراضات ہیں وہ اعتراضات بیان کرنے چاہئیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ حدیث جسے بیہقیؒ نے اپنے خلافیات میں ذکر کیا ہے۔ (یعنی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی حدیث)، اس حدیث کے راوی وہی ہیں جو بخاری کی روایت کے راوی ہیں۔

(یعنی مالکؒ سے لے کر اوپر تک تو بالکل وہی راوی ہیں جو بخاری کی رفع یدین کے راوی ہیں) پھر اس کے بعد اس روایت کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ ہم نہیں پاتے۔ (صرف مسلک یا مذاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا)۔

اللهم الا ان یکون الراوی عن مالک مطعوناً لکن الاصل العدم

ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ سے نیچے کے راوی قابل اعتراض ہوں لیکن بظاہر کوئی قابل اعتراض راوی

(باقی اگلے صفحہ پر)

شمار کرادی ہیں۔ یہ دعویٰ کیا کہ چھ مسئلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے حافظ ابوبکر

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

فهذا الحديث عندی صحيح لامحالة وغاية ما يقال فيه ان ابن عمر رای النبی صلى الله عليه وسلم حينما يرفع فاخبر عن تلك الحالة واحيانا لا يرفع واخبر عن تلك الحالة وليس فی كل من حديثهما يفيد الدوام والاستمرار علی شئ معين منهما۔

نہیں پایا جاتا یہ حدیث میرے نزدیک یقیناً صحیح ہے زیادہ سے زیادہ اس حدیث میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا تو وہ روایت کردی (جو بخاری و مسلم کی روایت ہے) اور جب آپ کو دیکھا کہ صرف ایک بار نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھائے اور پھر نہیں اٹھائے تو وہ روایت کردی۔ دونوں حدیثوں میں سے کسی میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو دوام استمرار کو بتاتا ہو یعنی دونوں میں سے کسی خاص کے آپ پابند ہوں یہ بات نہیں ہے۔

ولفظ كان لا تفيد الدوام والاستمرار الا علی سبيل الغالب فقد ورد انه صلى الله عليه وسلم كان يقف عند الصخرات السود بعرفة ولم يحج بعد الهجرة الا حجة الوداع ولا سبيل الی تضعيفه

اور "کان" کا لفظ دوام کے معنی کثرت سے دیتا ہے نہ کہ ہر وقت کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن عرفات کے میدان میں کالے کالے پتھروں کے پاس ٹھہرے تھے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج (حجۃ الوداع) کیا ہے یقیناً اب "کان" یہاں عادت تبلانے کے لیے نہیں ہوگا تو آپ کے ایک عمل کی وجہ سے جو حدیث دوسرے عمل کو تبلاتی ہے اس کو ضعیف کہنا جائز نہ ہوگا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احمد ابن اسحاقؒ کی اس بحث میں اس وقت صرف اس پہلو (ولیس فی نسیان ابن مسعود لذلک ما یستغرب) سے بحث کی جائے گی۔ رفع یدین کے مسئلہ پر

بقیہ حاشیہ سابقہ

نضلا عن وضعه والله اعلم

پھر جائے کہ اس کو موضوع کہا جائے۔

علامہ مغلطائی نے ابن ماجہ کی شرحؒ میں، رفع یدین کی بحث میں لکھا ہے۔

واستدل لابی حنيفة بحديث لاباس بسنده ذكره البيهقی فی الخلافيات من حديث محمد بن غالب ثنا احمد بن البرانی ثنا عبد الله ابن عون الخزاز ثنا مالك

کہ امام ابوحنیفہؒ کی مسلک کی دلیل میں ایک ایسی حدیث بیان کی گئی ہے کہ جس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اس حدیث کو بیہقی نے الخلافیات میں محمد بن غالب سے روایت کیا ہے وہ احمد ابن محمد البرانی سے اور وہ عبداللہ بن عون الخزاز اور وہ امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ صفحہ ہذا

۱؎ کتب خانہ آصفیہ نمبر کتاب ۱۲۰۰ حدیث عربی۔

۲؎ بالخاء المعجمة بعدها راء مهملة اخره زاء معجمة وعبد الله بن عون البغدادی كما فی الخلاصة من رجال مسلم اخرج عنه بدون واسطة من كبراء الرجال جده امير مصر كما فی التهذيب وهو ايضا امير كما فی الخلاصة يعد من الابدال ورجاله يكونون معروفين وغاية ما يكون بينه وبين الحاكم رجلان كما يعلم بالتصفح فی المستدرك فی الطبقتين فكيف اعوز الحاكم معرفة من اوجده ولم يعينه والامر انه لم يجد احدا ايرميه فيه معينا۔ (نيل الفرقدين ص ۱۲۷ - ۱۳۱)

ہر پہلو سے اس وقت ہیرا موضوع گفتگو نہیں ہے۔ حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق نیشاپوریؒ

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

عن الزہری عن سالم
عن ابن عمران النبی صلی اللہ
علیہ وسلم کان یرفع یدیہ
اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود

وہ زہریؒ سے اور وہ سالمؒ سے اور عبداللہ بن عمرؓ
سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز
شروع کرتے تھے تو ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ہاتھ
نہیں اٹھاتے تھے۔ علامہ مغلطائی اس کو نقل کر کے

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ۱؎ والحدیث الذی اخرجہ مدؔ وّنوا المدؔ وّنۃ علی ادلۃ الترک عن ابن وہب وابن القاسم عن مالکؒ عن ابن شہاب عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتاح الصلوٰۃ الخ (نیل الفرقدین ص ۱۲۷) زرقانی نے شرح موطا مالکؒ باب افتتاح الصلوٰۃ ص ۱۴۴ پر اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ سلسلۃ الذہب کی وہ حدیث جو بخاری میں ہے اس پر امام مالکؒ نے کیوں عمل نہیں کیا۔ وقال الاصیلی لم یأخذ بہ مالک لان نافعًا وقفہ علی ابن عمر وھو احد الاربع التی اختلف فیہا سالم ونافع وثانیہما من باع عبدًا ولہ مال فمالہ للبایع والثالث الناس کابل مائۃ لا تجد فیہا راحلۃ والرابع فی ما سقت السماء والعیون العشر فرفع الاربعۃ سالمؒ ووقفہا نافع وبہ یعلم تحامل الحافظ فی قولہ لم ار للمالکیۃ دلیلا علی ترکہ ولا متمسکًا الا قول ابن القاسم انتہی لان سالمًا ونافعًا لما اختلفا فی رفعہ ووقفہ ترکہ مالکؒ فی مشہور القول باستحباب ذٰلک لان الاصل صیانۃ الصلوٰۃ عن الافعال علامہ نووی فرماتے ہیں وھو اشہر الروایات عن مالکؒ۔

نے اس جملہ میں نسیان کے جو معنی بھی لئے ہوں ان میں سے کوئی معنے حضرت عبداللہؓ

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

انتہی ولما الم بیر الحاکم
ما یرفعہ بہ قال ھذا
باطل فقد روینا بالاسانید
الصحاح عن مالکؒ خلاف
ھذا۔

فرماتے ہیں کہ جب حاکم کو کوئی ایسی بات نہیں
ملی جس سے اس حدیث کا جواب دیتے تو دعویٰ کر دیا
کہ یہ باطل حدیث ہے کیونکہ ہم نے صحیح سندوں سے
امام مالکؒ سے اس کے خلاف روایت کی ہے

قال مالکؒ لا اعرف رفع الیدین فی شیٔ من تکبیر الصلوٰۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوٰۃ (نیل الفرقدین ص ۱۳۱)

تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا صرف یہ فرمانا کہ حدیث ابن عمرؓ مقلوب موضوعؔ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس حدیث کی کسی علت پر مطلع نہ ہو سکے صرف اپنے مذاق کی بنا پر یہ حکم لگا دیا۔ ورنہ بتلاتے کہ فلاں راوی اس کا متہم ہے فلاں راوی واضع الحدیث ہے وہ حافظ ہیں ان سے کوئی سند پوشیدہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی راوی کے حالات سے ناواقف ہیں اس روایت کے کسی راوی پر ان کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سند بالکل صحیح ہے اور حافظ ابن حجرؒ کسی اعتراض کی جگہ نہیں پاتے ورنہ وہ ضرور بتلاتے کہ فلاں قلب کرنے والا ہے اور فلاں وضع کرنے والا کسی حافظ کا بغیر کسی کے بتہ کے بات کہنے کو محدثین بڑے خطرہ کی بات کہتے ہیں تذکرۃ الحفاظ میں امام زہریؒ کے تذکرہ میں ہے۔ قال یحیی بن سعید مرسل الزہری شرٌ من مرسل غیرہ لانہ حافظ وکلما قدر ان یسمی سمی وانما یترک من لا یستجیز ان یسمیہ حافظ ہونے کی وجہ سے ان کو نام بتلانے میں دقت نہیں جس کا نام بتلانے میں وہ خطرہ سمجھتے ہیں اس کا نام نہیں بتلاتے۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ پر بھی پوری منطبق ہوتی ہے، اس موقع پر یہ بات

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن مسعودؓ پر چھپاں نہیں ہوتے۔ (۱) انسیان بھول جانے اور یاد نہ رکھنے کو بھی کہتے ہیں

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

کہی جاسکتی ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ کی جو حدیث صحیح بخاری میں ہے زیادہ قابلِ اعتبار ہے عبداللہ ابن عمرؓ کی وہ حدیث جو صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے اس درجہ کے قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ دونوں روایت کے (رفع یدین عند الرکوع و ترک رفع یدین عند الرکوع) راوی ایک ہیں اور روایت کی صحت اور ضعف کا دارومدار راویوں پر ہے نہ اس پر کہ وہ روایت فلاں خاص کتاب میں ہے۔

حالانکہ اس قسم کا دعویٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں صحیح سند سے یہ روایت ہے۔

حدثنا الحاکم انبأ ابوبکر بن مکرم ثنا احمد بن عبد الجبار ثنا ابوبکر بن عیاش حصین عن مجاهد قال ما رأیت ابن عمر یرفع یدیه الا فی اول ما یفتتح الصلوٰۃ

حاکم روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر ابن مکرم نے ہم سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ احمد بن عبد الجبار نے ہم سے روایت بیان کی وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش نے ہم سے روایت کی اور وہ روایت کرتے ہیں کہ حصین نے مجاہد سے روایت کی اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو نہیں دیکھا کہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے مگر نماز شروع کرنے میں سب سے پہلے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا ہے یعنی پھر نہیں اٹھاتے تھے چنانچہ علامہ طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں مجاہدؒ کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

فحدیث الرفع منسوخ علیٰ هذا

قاضی ابن رشد مالکیؒ ہدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں مذہب اہل الکوفۃ ابوحنیفۃ وسفیان

جیسا کہ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کہا گیا؛ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ یہ نسیان آدم علیہ السلام کی وراثت سے ہم کو ملا ہے لیکن جن مسائل میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

الثوری وسائر فقهائهم الی انه لا یرفع المصلی یدیه الا عند تکبیر الاحرام فقط وهی روایة ابن القاسم عن مالک (والفضل الثانی افعال الصلوٰۃ من الباب الاول ص۱۲۲) علامہ نووی فرماتے ہیں۔ وهو اشهر الروایات عن مالک اسی ہدایۃ المجتہد میں ہے۔ فمنهم من اقتصر به علی الاحرام فقط ترجیحًا لحدیث ابن مسعود وحدیث البراء بن عازب وهو مذهب مالک لموافقة العمل به۔ حافظ ابوبکر حازمیؒ نے اپنی کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار میں ایک حدیث پر دوسری حدیث کی ترجیح کی پچاس وجہیں لکھیں ہیں اور ان پچاس وجوہ ترجیح کو حافظ عراقیؒ نے تبصرہ کی شرح میں نقل کر دیا ہے ان وجوہ میں یہ نہیں ہے کہ ایک حدیث وہ ہو جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہو یا دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہو اور دوسری حدیث ایسی نہ ہو تو اس روایت کو ترجیح ہو گی جو بخاری و مسلم میں ہے الغرض جتنی ترجیح کی وجہیں لکھی ہیں اس کا تعلق صرف راویوں سے ہے۔ کسی خاص کتاب میں ان کا روایت شدہ ہونا نہ اس روایت کو قوی بناتا ہے نہ ضعیف۔ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی صحیح حدیثیں ہیں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

ثم یوجد فی مسند الامام احمد من الاسانید والمتون شیٔ کثیر مما یوازی کثیرا من احادیث مسلم بل

مسند احمد میں بہت سی ایسی سندیں اور ایسی حدیثیں ملتی ہیں جو بخاری اور مسلم کی حدیثوں کی ٹکر کی ہیں۔ اور وہ حدیثیں بخاری و مسلم میں نہیں ہیں یا دونوں

حافظ ابوبکر نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے تو ان مسئول
میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے۔ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(حاشیہ بقیہ سابقہ)

والبخاری ایضًا ولیست عند
هما ولا عند احد هما بل
ولم یخرجه احد من اصحاب
الکتب الاربعة وهم ابوداؤد
والترمذی والنسائی وابن ماجه
وکذلك یوجد فی معجم
الطبرانی الکبیر والاوسط
ومسند ابی یعلی والبزار وغیر

میں سے کسی ایک میں نہیں ہیں بلکہ صحاح
ستہ میں کسی نے اس کی روایت نہیں کی
اور اسی طریقہ سے معجم طبرانی کبیر میں اور
اور مسند ابو یعلی میں یا مسند بزار میں اور
حدیث کی دوسری کتابوں میں وہ حدیثیں
موجود ہیں اور اس کا متن اور سند بہت
بہتر ہے اور اس میں کسی قسم کا اعتراض
نہیں پایا جاتا۔

ذلك من المسانید والمعاجم والفوائد والاجزاء ما یتمکن
المتبحر فی هذا الشان بصحة کثیرة منه بعد النظر فی
حال رجاله وسلامته من التعلیل المفسد۔ الخ[1]

اسی طرح امام نوویؒ نے اپنی کتاب تقریب میں اس دعویٰ کو نقل کیا ہے۔

واما ما ادعی ابن الصلاح من
ان ما رویاه او احدهما فهو
مقطوع۔

اور جو ابن صلاح نے دعویٰ کیا ہے کہ بخاری
ومسلم نے یا دونوں میں سے ایک نے جن حدیثوں
کو روایت کیا ہے اس کا صحیح نفس ہے۔

بصحته والعلم القطعی حاصل فیه پھر اس کا رد کیا ہے وقد خالفه المحققون

[1] اختصار علوم الحدیث حافظ عماد الدین اسمٰعیل ابن کثیر ص ۵ طبع مکہ مکرمہ

جیسی ہستی کے متعلق بھول کی نسبت اُس شخص کی نظر میں کسی طرح صحیح ہو سکے

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

والاکثرون قالوا یفید الظن ما لم یتواتر امام نووی نے مسلم کی شرح میں مرویات
صحیحین سے قطعی علم حاصل ہونا جو درج کیا ہے نا قابل تسلیم ہے۔ لان ذلك شان
الآحاد ولا فرق فی ذلك بین الشیخین وغیرهما۔ علامہ ابن الہمام نے
فتح القدیر میں بہت صاف لکھا ہے۔ وقول من قال اصح الاحادیث ما فی
الصحیحین ثم ما انفرد به البخاری ثم ما انفرد به مسلم ثم ما
اشتمل۔

علی شرطهما من غیرهما ثم ما
اشتمل علی شرط احدهما تحکم
لا یجوز التقلید فیه اذ الاصحیة
لیست الا لاشتمال رواتهما
علی الشروط التی اعتبراها فاذا
فرض وجود تلك الشروط فی
رواة حدیث فی غیر الکتابین
افلا یکون الحکم بالاصحیة ما فی
الکتابین عین التحکم ثم حکمهما
او احدهما بان الراوی المعین
مجتمع تلك الشروط۔

پھر وہ حدیث جو صرف صحیح مسلم میں ہے پھر وہ
جس میں دونوں کی شرطیں پائی جاتی ہوں پھر
وہ جو دونوں میں سے ایک کی شرط پر ہو
(یہ دعویٰ) بلا دلیل ہے یہ تسلیم نہ کرنا چاہیے
کیونکہ حدیث کا صحیح ہونا راویوں میں ان شرطوں
کے پائے جانے پر ہے جو ان حضرات نے شرط
قرار دی ہیں اور جب یہ ہم مان لیں کہ وہ
شرطیں کسی ایسی حدیث میں پائی جاتی ہیں
جو بخاری ومسلم میں نہیں ہیں تو کیا اس حدیث
پر ہم صحیح ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے؟

لیس مما یقطع فیه بمطابقة
الواقع فیجوز کون الواقع خلافه

بخاری ومسلم یا ان دونوں میں سے ایک کا
یہ فیصلہ کہ فلاں راوی میں یہ تمام شرطیں پائی

جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے واقف ہے۔ جو حضرت

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

وقد اخرج مسلم عن كثير في كتابه ممن لم يسلم عن غوائل الجرح وكذا في البخاري جماعة تكلم فيهم، فدار الامر في الرواة على اجتهاد العلماء فيهم وكذا في الشروط حتى ان من اعتبر شرطا والغاه آخر يكون ما رواه الآخر مما ليس فيه ذالك الشرط عنده مكافئا لمعارضة المشتمل على ذالك الشرط وكذا فيمن ضعف راويا ووثقه الآخر نعم تسكن نفس غير المجتهد ومن لم يخبر امر الراوي بنفسه الى ما اجتمع عليه الاكثر اما المجتهد في اعتبار الشرط وعدمه والذي خبر الراوي فلا يرجع الا الى رأي نفسه۔[1]

جاتی ہیں یہ فیصلہ ان کے خیال کے لحاظ سے یا واقعہ کے لحاظ سے جب ان کے خیال و اجتہاد کے لحاظ سے ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ غلطی کریں مسلم نے بلکہ بخاری نے بھی ایسے راویوں سے حدیثیں روایت کی ہیں کہ وہ راوی جرح سے خالی نہیں ہیں تو معاملہ راویوں کے بارے میں علماء کے اجتہاد پر ٹھیرا اسی طرح سے ایک محدث نے کوئی شرط بڑھائی ہے اور دوسرا محدث اس شرط کو ضروری نہیں سمجھتا جس کے پاس وہ شرط ہے اس راوی میں وہ شرط نہیں پائی جاتی تو وہ حدیث اس کے پاس صحت سے گر جائے گی اور جس کے پاس وہ شرط نہیں ہے وہ حدیث اس کے لئے حجت ہوگی اور یہی حال اس راوی کے متعلق ہے کہ ایک محدث نے اس کو ضعیف بتلایا اور دوسرا اس کو قوی کہہ رہا ہے۔

[1] فتح القدیر (باب النوافل) ج ۱، ص ۳۱۷، ص ۳۱۸ (طبع کبری امیریہ ۱۳۱۵ھ)

عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق صحیح حدیثوں میں روایت کئے گئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

ابن الصلاح نے جو اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ ساری امت نے بخاری و مسلم کی تمام حدیثوں کو اجماعی طور پر قبول کر لیا ہے، صحیح نہیں ہے اور ناقابل تسلیم ہے۔ اس کے متعلق محدث شمس الدین محمد ابن امیر حاج، ابن ہمام کی شرح التقریر والتحبیر میں لکھتے ہیں:۔

تلقي الامة لجميع ما في كتابيهما ممنوع اما الرواة فلما ذكر المصنف واما المتون احاديثهما فلانه لم يقع الاجماع على العمل بمضمونها ولا على تقديمها على معارضها۔[1]

امت کا بخاری و مسلم کی کتابوں میں جو روایتیں ہیں سب کا قبول کرنا قابل تسلیم نہیں ہے۔ نہ ان کے راویوں کا نہ حدیثوں کے مضامین کا کیونکہ مضمون کے عمل پر اجماع نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس پر اجماع ہوا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیثوں کو ان کی مخالف حدیثوں پر ترجیح دی جائے۔

گو ابن الصلاح نے دعویٰ کیا ہے کہ صحیح کی سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں کی صحیح میں ہو پھر اس کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جو صحیح بخاری میں ہو اور مسلم میں نہ ہو پھر اس کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جو صرف مسلم میں ہو پھر وہ حدیث جو ان شرطوں پر ہو پھر وہ حدیث جو امام بخاری کی شرط پر ہو پھر وہ حدیث جو امام مسلم کی شرط پر ہو لیکن یہ دعویٰ بے دلیل ہے ابن صلاح سے پہلے کسی نے نہ یہ دعویٰ کیا اور نہ کسی نے ان کی ہم نوائی کی بلکہ حافظ عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر نے ان کے مقدمہ علم حدیث کا جو اختصار کیا ہے اس میں بھی یہ بات چھوڑ دی ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس دعویٰ کو وہ بھی بے دلیل ہونے کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے۔

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ حدیث کے قوی و ضعیف ہونے کا دار و مدار خود حدیث کے قوی و ضعیف ہونے کے جو اصول ہیں ان کی مطابقت اور راویوں کے حالات پر ہے۔ اصول سے قطع نظر صرف خاص خاص کتابوں میں ان روایتوں کا جگہ پانا اور درج ہونا قوت و ضعف کا سبب نہیں یہ تو کسی خاص محدث کے فیصلے پر پھیر ڈالنا ہے اور اس کی تقلید جامد کے مترادف ہے جو بے اصول بات ہے (حاشیہ ختم)

[1] فتح القدیر (باب النوافل) ج ۱، ص ۳۱۷، ص ۳۱۸ (طبع کبری امیریہ ۱۳۱۵ھ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابوبکر وعمر واھتدوا بھدی عمار وتمسکوا بعھد ابن ام عبد[1]

ارشاد ہوا کہ میرے بعد میرے صحابہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرو اور عمارؓ کا طریقہ اختیار کرو اور عبداللہ بن مسعودؓ کے فیصلوں کو مضبوطی سے پکڑو۔

حضرت حذیفہؓ کی حدیث میں ماحدثکم ابن مسعود فصدقوہ[2]

عبداللہ بن مسعودؓ جو حدیث تم سے بیان کریں اس کو سچا مان لو۔

ترمذی کی دوسری روایت ہے عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت حذیفہؓ آئے۔

نقلنا حدثنا باقرب الناس من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدیا ودلا وسمتا نأخذ عنہ ونسمع منہ قال کان اقرب الناس ھدیا ودلا وسمتا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود حتی یتواری منا فی بیتہ ولقد علم المحفوظون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابن ام عبد ھو من اقربھم الی اللہ زلفی[3]

عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا میں نے حضرت حذیفہؓ سے درخواست کی کہ ہم کوئی ایسا صحابی تبلائیے جو اپنے عادات و اطوار چال ڈھال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہو تاکہ ہم اس کی پیروی کریں اور اس کا کہا مانیں۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے چال ڈھال طور طریق میں سب سے زیادہ قریب عبداللہ بن مسعودؓ تھے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر جاکر ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے اور بیشک آنحضرتؐ کے صحابہؓ میں جو محفوظ (ہر الزام سے بچے رہے) صحابہؓ رہ گئے ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) اللہ کا قرب رکھنے میں سب سے زیادہ قریب ہیں۔

---

[1] الترمذی مناقب عبداللہ بن مسعود جلد ۲ ص ۲۲۱ [2] ترمذی مناقب عمار بن یاسرؓ ص ۲۲۰۔

[3] ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعودؓ، یہ حدیث تھوڑے سے لفظ کے اختلاف کے ساتھ بخاری شریف میں بھی ہے۔

جو شخص اتنا قدیم الاسلام ہے کہ اسلام کے سابقین میں اس کا چھٹا نمبر ہو۔[1] آنحضرتؐ کے ساتھ ہر وقت رہتا ہو۔ بیس سال سے زیادہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بعد سے وفات نبوی تک جس نے آپ کے ساتھ پوری زندگی گذاری جلوت و خلوت میں اس کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل رہا ہو۔ باہر سے آنے والے صحابہؓ ان کو اور ان کی والدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کی شبانہ روز خدمت اور کثرت حاضری کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والا سمجھتے ہوں[2]۔ اس کے متعلق خیال کر لینا کہ وہ ایسے مسائل کو بھول گیا انسان کی فہم سے بالاتر بات ہے۔

(۲) اور کبھی بڑے لوگوں کی ناواقفیت کو بھی ادباً نسیان سے تعبیر کرتے ہیں۔ بے خبر کہنا بے ادبی سمجھتے ہیں۔ اس معنی میں بھی نسیان کی نسبت ایسی ہستی کے متعلق صحیح نہیں ہو سکتی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام ہی میں فرما چکے تھے۔ انک علیم معلم ما اثر کم ابن مسعود مناقراءوا[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس کے متعلق یہ فرماتے ہیں: کنیف ملئ علما جس کے متعلق اہل کوفہ کو آپ نے لکھا ہو کہ اپنی ضرورت کو قربان کر کے تمہاری ضرورتوں کے خیال سے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ ایسے صاحب علم بزرگ ہستی کے متعلق یہ گمان کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان مسائل میں ثابت شدہ سنت کو بھول گئے۔

دنیا کو معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ان ہستیوں میں شمار تھا جن کو

---

[1] فتح الباری ج ۷ مناقب ص ۸۰ وقد روی ابن حبان من طریقہ انہ کان سادس ستۃ فی الاسلام۔

[2] بخاری شریف، ترمذی۔ مناقب عبداللہ بن مسعودؓ حدیث ابی موسیٰ اشعریؓ۔

[3] ترمذی، جلد ۲، مناقب ابن مسعودؓ۔

مخاطب فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نماز میں مجھ سے سمجھ دار و فہمیدہ لوگ قریب رہیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی آپ کے قریب ہو کر صفِ اول میں نماز پڑھی بلکہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی صفِ اوّل میں ان ہی کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے جو عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کیا کرتے تھے اور دن میں سترہ بار فرض میں اور سنت و نفلوں میں اس سے زیادہ بار عمل کرتے تھے۔ کیا ابن مسعودؓ اس کو بھول سکتے ہیں؟ جن کے وفورِ علم کے قائل حضرت عمرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہؓ ہوں وہ کیسے بھول سکتے ہیں۔؟

حضرت معاذ بن جبلؓ جو واقعتاً جبل علم تھے اور جن کا انتقال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ ہی دنوں پہلے ہوا ہے، ان کے انتقال کے وقت لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ ہم کو کچھ وصیت کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بٹھاؤ۔ بیٹھنے کے بعد فرمایا۔

العلم والایمان مکانھما من ابتغاھما وجدھما التمسوا العلم عند اربعة عند عویمر ابی الدرداء وعند سلمان الفارسی وعند عبد اللہ ابن مسعود و عبد اللہ بن سلام[1]

علم اور ایمان کے چشمے ہوتے ہیں جو ان چشموں کو تلاش کرتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ تم ان چار بزرگوں سے علم حاصل کرو (۱) ابوالدرداءؓ۔ (۲) سلمان فارسیؓ۔ (۳) عبداللہ بن مسعودؓ (۴) عبداللہ بن سلامؓ

جن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳

وکان من علماء الصحابة وممن اشتھر علمه بکثرة اصحابه الآخرین عنه۔

صحابہؓ میں آپ کا شمار علماء میں تھا اور آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن سے علم خوب پھیلا چونکہ آپ کے شاگرد اور استفادہ کرنے والے بہت تھے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

وانه لشدة ملازمته لاجل ھذہ الامور ینبغی ان یکون عندہ من العلم ما یستغنی طالبه عن غیرہ۔[2]

چونکہ آپ بڑی پابندی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے تھے (بہت سی خدمتیں آپ انجام دیتے تھے) تو آپ سے جتنا علم حاصل ہو سکتا تھا تو آپ کا شاگرد اس علم کی وجہ سے دوسرے صحابی کا نیاز مند نہیں رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر تو یہ کہتے ہیں، کہ آپ کا شاگرد اور آپ سے علم سیکھنے والا دوسرے عالم کے علم سے بے نیاز ہے۔ یہ بات خود نہیں کہتے جلیل القدر صاحب علم صحابی حضرت ابوالدرداءؓ سے نقل کرتے ہیں اور حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دوسروں کے علم کا محتاج بنا دیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ ایک شخص سے یہ سن کر غصہ ہوتے ہیں کہ کوفہ میں ایک شخص آزادانہ تفسیر کرتا ہے۔ بلا کر سزا دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ واقعہ بیان کرنے والا جب عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیتا ہے تو نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے بلکہ تفسیر بیان کرنے میں اپنے اوپر ان کی فوقیت کے حق کا اقرار کرتے ہیں۔ ایسے مسائل میں ایسے جلیل القدر عالم صحابی پر بھول جانے کے اعتراض کی جسارت! نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں تک جائز ہے۔

[1] فتح الباری، ص۲۰ مناقب [2] فتح الباری ج ۷، ص ۸۲۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اعتراضات کی تنقیح

اور

ان کے جوابات

بحث کے اختصار کے لیے ابوبکر احمد بن اسحاقؒ کے تمام اعتراض ایک جگہ نقل کئے جاتے ہیں اور پھر ان کا جواب دیا جائے گا۔ ہم نے جواب میں اختصار سے کام لیا ہے۔

قال ابوبکر بن اسحاق: ولیس فی نسیان ابن مسعود لذلک ما یستغرب قد نسی[۱] ابن مسعود من القرآن ما لم یختلف المسلمون فیہ بعد وھی المعوذتان ونسی[۲] ما اتفق العلماء علی نسخہ کالتطبیق ونسی[۳] کیف قیام الاثنین خلف الامام ونسی[۴] ما لم یختلف العلماء فیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الصبح یوم	ابوبکر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے بھول جانے پر حیرت نہ کی جائے کیونکہ (۱) قرآن میں وہ ایسی چیز بھول چکے ہیں جس کو متفق طور پر مسلمان قرآن قرار دیتے ہیں، اور وہ معوذتین ہے۔ (۲) پھر آپ تطبیق کا نسخ بھول گئے جس کے نسخ پر سارے علماء کا اتفاق ہے۔ (۳) جب دو مقتدی ہوں تب امام

النحر فی وقتھا ونسی[۵] کیفیۃ جمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ ونسی[۶] ما لم یختلف العلماء فیہ من وضع المرفق والساعد علی الارض فی السجود ونسی[۷] کیف کان یقراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما خلق الذکر والانثی[۱]	کہاں کھڑا ہو یہ بھی بھول گئے (۴) حضور نے حجۃ الوداع میں فجر کی نماز وقت پر پڑھی اور آپ نے روایت کر دیا کہ وقت سے پہلے نماز پڑھی (۵) عرفہ کے دن آپ نے دو نماز دل (ظہر و عصر) کو کس طرح جمع کیا یہ بتلانا بھی بھول گئے (۶) سجدہ میں کہنی و کلائی زمین سے لگا دی جائے یہ روایت کر دی حالانکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ فعل ہے نہ قول (۷) نیز آپ وما خلق الذکر والانثیٰ کا پڑھنا بھول گئے

ان سات باتوں میں بعض باتیں تو بالکل بے سروپا ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف ان کی نسبت صحیح نہیں۔ اعتراض نمبر ۱، ۴، ۵، ۶ ایسے ہی ہیں۔ اسی ذیل میں اعتراض نمبر ۷ کو بھی رکھیے کہ اختلاف قراءت کا نام نسیان رکھ دیا ہے۔ صرف دو مسئلوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دوسرے صحابہ سے اختلاف عملی خود حدیثوں کے اختلاف کی بناء پر ہے ایک ہی دینی بات میں ایک صحابی ایک حدیث پر عمل کرتا ہے اور دوسرا صحابی دوسری حدیث پر لیکن یہ قابلِ اعتراض بات نہیں ہے (اعتراض ۲، ۳) ان دونوں کی بھی شکل ہے صرف ابوبکر ابن اسحاقؒ نے اپنی تعبیر سے انہیں اعتراض کی شکل میں پیش کیا۔ صحیح تعبیر سے ان مسئلوں پر اعتراض کا کوئی غبار باقی نہیں رہتا۔ ایک صحابی پر دوسرے صحابی کی حدیث نہ جاننے کی وجہ سے یا دوسرے صحابی کی حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کوئی الزام لگایا جا سکتا ہے؟ یا یہ کہا جائے گا کہ وہ بھول گیا۔

ایک راوی کی روایت یا استنباط دوسرے راوی کی روایت یا استنباط

---

[۱] السنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۷۲ تا ص ۸۰۔

سے جدا ہو تو اس کو اعتراض کا نام دینا پڑا ہے۔ ان میں سے بعض اعتراض ایسے ہیں کہ دین میں کسی بات کے رواج کی بنا پر کسی سنت کے متعلق ایک معین شکل سمجھی جاتی ہے۔ ایک صاحب علم صحابی بتلا دیتا ہے کہ اس مسئلہ کی دوسری شکل بھی سنت ہے تو کیا اس صاحب علم صحابی پر الزام لگایا جائے گا کہ وہ بھول گیا۔ صرف حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق ؒ نے ایک نیا اجتہاد کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رفع یدین کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی صورت واضح کی ہے چونکہ یہ روایت حافظ ابوبکر کی خواہش کے خلاف ہے اس لئے اس کو نسیان پر محمول کر دیا۔ اس کے ساتھ چند اور باتیں بھی شمار کر دیں۔ صرف ایک عالم محمد بن عبدالہادی ؒ نے ان کے اس اجتہاد کو تسلیم کیا ہے۔ ان سے قبل اور بعد کے علماء نے ان کے اس اجتہاد کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ علامہ بیہقی ؒ ایسے وسیع النظر محدث پر تعجب ہے کہ سنن کبریٰ میں ان کے اس اجتہاد کو نقل کر دیا اور غور نہیں کیا کہ اس سے جلیل القدر صحابی پر الزام آتے ہیں جس میں سے کئی بجائے خود بھی صحیح نہیں ہیں۔ ایک محدث ہونے کی حیثیت سے ایک جلیل القدر صحابی کی طرف جو غلط نسبت ہو رہی تھی اس کا دور کرنا ان کا دینی فرض تھا اور ایک محدثانہ ذمہ داری بھی جیسا کہ علامہ شوق نیموی ؒ نے آثار السنن میں اس فرض کو ادا کیا ہے اور ان سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ نے فتح الملہم شرح مسلم میں نقل کیا ہے۔

ولا سبیل الی معرفۃ ان عبد اللہ بن مسعود علمہ ثم نسیہ بل العقل یستغربہ ولا یجوز بل الحق ان نسبۃ النسیان الی عبد اللہ بن مسعود لا تخلو من اساءۃ ادب۔[۱]

---

[۱] فتح الملہم جلد ۲ ص۹۰

علامہ ترکمانی الجوہر النقی میں لکھتے ہیں۔

ورد لحدیث ابن مسعود فی الاقتصار علی الرفع بمجرد احتمال بعید ولا یلزم من نسخ الاقتصار علی الرفع فی التکبیرۃ الاولی ولا دلیل علیہا ولا طریق الی معرفۃ ان ابن مسعود علم ذلک ثم نسیہ الادب فی ہذہ الصورۃ ان ننسب نیہا النسیان ان یقال لم یبلغہ۔ اس کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف بھول کی نسبت کرنا بڑی بے ادبی اور جرات و خلاف تہذیب ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے صرف ایک مرتبہ رفع یدین بیان کیا باقی رفع یدین بھول گئے۔ اس بات کو سچائی سے کوئی واسطہ نہیں تطبیق کا نسخ ہو گیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صرف ایک مرتبہ کے رفع یدین کا بھی نسخ ہو گیا ہو۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس کو جانتے تھے۔ پھر بھول گئے۔ ادب کی بات یہ ہوتی کہ یہ کہدیا جاتا کہ رفع یدین کی حدیث ان کو نہیں پہنچی۔

محدث بیہقی ؒ کو رفع یدین کے مسئلے میں جو غلو تھا تو اس کی کیا ضرورت تھی کہ ایک صحابی پر نسیان کا الزام لگائیں۔ موصوف الزام رکھنے میں احتیاط کی یہ شکل اختیار کرتے ہیں کہ الزام رکھنے کا جرم اپنے اوپر نہیں لینا چاہتے۔ حافظ ابوبکر احمد بن اسحاق ؒ کا نام آگے کر دیتے ہیں۔ علمی دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو باتیں ابوبکر سے نقل کر رہے ہیں اس میں ہر ایک کی تحقیق کر لیں کہ کون صحیح ہے اور کون نہیں۔ چہ جائے کہ ان میں سے ایک جگہ بھی نسیان کا الزام صحیح نہیں جس ترتیب سے اعتراض میں جواب اس سلسلے کے نمبر سے دیا جائے تو بعض باتیں بار بار دہرائی جائیں گی تکرار سے جو ملال خاطر ہو گا اس سے بچنے کے لئے جواب میں

وہ ترتیب اختیار کی گئی ہے جس میں مضمون کی تکرار نہ ہو۔ اب ہر ایک اعتراض کو پڑھیے اور اس پر جو تنقید ہے اس پہ غور کیجئے کہ وہ اعتراض ہے بھی یا نہیں اگر اعتراض ہے تو کس درجہ کا اور جہاں جواب کی ضرورت ہے تو جو جواب پیش ہے وہ تسلی بخش ہے یا نہیں۔

اعتراض نمبر (۱) کا جواب دوسرے نمبر پہ ہے۔ اعتراض (۲) کا جواب چھٹے نمبر پہ ہے۔ اعتراض نمبر (۳) کا جواب سب سے آخر نمبر (۷) پہ ہے۔ اعتراض نمبر (۴-۵) کا جواب (۴-۳) پہ ہے۔ اعتراض نمبر (۶) کا جواب سب سے پہلے نمبر (۱) پہ دیا جاتا ہے۔ اعتراض نمبر (۷) کا جواب نمبر (۵) پہ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) ایک نسیان جس کا تذکرہ علامہ ابو بکر احمد بن اسحاق رحؒ نے کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے وہ سجدہ کی حالت میں کلائی اور کہنی سجدہ میں زمین پہ نہ رکھی جائے اور عبداللہ بن مسعودؓ نے کہنی اور کلائی کے زمین پر رکھنے کا فتویٰ دیا ہے یا حکم دیا ہے "دنی من وضع المرفق والساعد علی الارض فی السجود" اس کی بنیاد آپ کی ایک روایت ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ص ۷۵-۷۶ پر ہے۔

ابو اسامہ اعمش سے اور وہ المسیب بن رافع سے روایت کرتے ہیں کہ۔

ابواسامۃ عن الاعمش عن المسیب بن رافع عن عامر ابن عبدۃ عن عبداللہ بن مسعود قال قال ھیئت[1] عظام ابن ادم المسجود فاسجد واحتی بالمرافق

عامر ابن عبدہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ انسان کی ہڈیاں سجدے کے لیے بنائی گئی ہیں تم سجدہ کرو یہاں تک کہ اگر کہنیوں سے مدد لینی پڑے تو ان سے مدد لو۔

[1] اس لفظ کو ہنیت بھی پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں نرم کی گئی ہیں ہڈیاں سجدہ کے لئے۔

وکیع عن شعبۃ عن عبد الملک عن ابی الاحوص قال قال عبد اللہ اذا سجدتم فاسجدوا حتی بالمرافق یعنی بمرفقیہ۔

وکیع شعبہ سے اور وہ عبدالملک سے اور وہ ابی الاحوص سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ جب تم سجدہ کرو تو سجدہ کرو یہاں تک کہ کہنیوں سے مدد لو یعنی دونوں کہنیوں سے۔

ان دونوں روایتوں سے ابو بکر احمد بن اسحاق رحؒ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ کلائی اور کہنی زمین پر رکھے۔ اب سوال یہ ہے کہ سجدہ میں کہنیوں سے کام لیا جاتا ہے یہ صحیح ہے لیکن اس سے یہ خاص صورت کہ کہنیوں کو زمین سے لگا دو کس لفظ سے متعین ہوتی ہے پھر معلوم نہیں کہ یہ مسئلہ کس بنیاد پہ کہہ دیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں کہنی اور کلائی زمین پہ لگا دو۔ اس کے بعد ان پہ نسیان کا الزام لگایا گیا صحاح ستہ میں نہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کوئی حدیث اس بارے میں ہے اور نہ مسئلہ کی مختلف صورتیں جو محدثین و علماء نقل کرتے ہیں نہ ان علماء میں سے کسی نے یہ مسئلہ کہ سجدہ میں کہنیاں اور کلائی زمین سے لگا دو۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ترمذی، المغنی، شرح الکبیر، مبسوط سرخسی، برہان، البحر الزخار، اعلام الموقعین، ہدایۃ المجتہد) جو مصنفین صحابہ کا اختلاف بیان کرتے ہیں نہ ان میں سے کسی نے یہ مسئلہ حضرت کی طرف منسوب کر کے لکھا نہ کسی نے یہ لکھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ کہا ہے کہ علامہ بیہقیؒ ایسے وسیع النظر محدث سے تعجب ہے کہ انھوں نے صرف حافظ ابو بکر ابن اسحاق کے نقل کرنے سے یہ تسلیم کر لیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہنی اور کلائی کو زمین پہ لگانے کو سنت بنا دیا ہے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ پھر

[1] مصنف ابن ابی شیبہ (طبع ملتان) ص ۱۷۵

پھر نسیان کی نسبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف کس طرح صحیح ہو سکتی ہے بالکل یہی سوال کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کیا تھا۔

سأل رجل ابن عمر اضع	ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے
مرفقي علی فخذي اذا سجدت	سوال کیا کہ سجدے میں اپنی کہنیاں اپنی
فقال اسجد کیف تیسر	رانوں سے لگا دوں تو آپ نے فرمایا سجدہ
علیک۔	کرو جیسے بھی ہو سکے۔

اگر کوئی بھیڑ یا بیماری یا ضعف کی حالت میں کہنی کھڑی نہ کر سکے تو کیا ران کو کہنیوں سے ملا دے تو اس کا جواب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ دیا کہ جس طرح طرح بھی ممکن ہو سجدہ کرو۔ اس سے صرف سجدہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ بلا ضرورت سجدہ کی جو مسنون حالت ہے اس سے گریز کی اجازت دی ہے۔

اسی طرح دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں ہے۔

عن عثمان بن ابی عیاش شکوا	عثمان ابن عیاش روایت کرتے ہیں کہ
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
الادعام والاعتماد فی الصلاۃ	نماز میں ٹیک لگانے کی شکایت کی آپ نے
فرخص لهم ان یستعین	اجازت دی کہ آدمی اپنی دونوں کہنیوں
الرجل بمرفقیه علی رکبتیه	سے اپنے دونوں گھٹنوں سے یا دونوں
او فخذیه۔	رانوں پہ مدد لے۔

بغیر بھیڑ یا بیماری کی مجبوری کے کوئی کیوں نماز میں ٹیک لگائے گا۔ البتہ سہارا لے کر مجبوری کے وقت اجازت ہے۔ پھر ان روایتوں کی وجہ سے کیا کسی نے عبداللہ بن عمرؓ پر نسیان کا الزام لگایا؟ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر کیوں الزام لگایا جاتا ہے۔

(۲) وقد نسي من القرآن وهي	بیشک آپ بھول گئے معوذتین قرآن
المعوذتان۔	میں ہے۔

ابوبکر احمد بن اسحاقؒ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کا قرآن ہونا بھول گئے۔ کیونکہ ان کے مصحف میں یہ دونوں سورتیں نہیں تھیں اور وہ ان سورتوں کو اپنے مصاحف سے مٹا دیتے تھے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حافظ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ نے مصحفِ عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا ہے؟ اور کیا انھوں نے اس میں ان سورتوں کو نہیں پایا۔؟

علامہ نیشاپوری نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کو دیکھا اور اس میں سورۂ فلق اور سورہ ناس کو نہیں پایا۔ دوم یہ کہ اگر وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کا مصحف دیکھا اور اس میں معوذتین کو لکھا ہوا نہیں پایا تو یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ سورۂ فلق اور سورۂ ناس کو قرآن کا جزء نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سورہ فاتحہ اس میں نہیں لکھی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ سورہ فاتحہ کو قرآن ہی کا حصہ سمجھتے تھے۔ اور اسے نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے تھے۔ شاگردوں کو قرآن پڑھاتے تھے تو سورہ فاتحہ پڑھاتے تھے۔ نہ لکھا جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ سورہ فلق و ناس کو قرآن کا جزء نہیں سمجھتے تھے۔ آپ سے تو صرف ان کے مصحف میں نہ لکھے جانے کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ بڑی ہستیاں بھی تھیں جو قرآن کو کتابی صورت میں لکھے جانے کے سرے سے مخالف رہے۔ مصحف میں

ؒ الفہرست ابن الندیم میں ہے کہ مصحف ابن مسعودؓ کا ایک نسخہ جو تقریباً دو سو سال کا ہو گا اس میں سورۂ فاتحہ بھی لکھی ہوئی تھی۔ ابن الندیم خود چوتھی صدی کے ہیں۔ الفہرست ص ۴۰ طبع مصر ۱۳۴۸ھ

اگر ان دو سورتوں ہی کے لکھنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہی رائے جو اس سے بڑی سہتوں کی پورے قرآن کے مصحف میں لکھے جانے کے متعلق بھی تو اس سے یہ رائے کیسے قائم کر لی جائے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کا جز نہیں سمجھتے تھے۔ اس نسبت کو محققین نے صحیح نہیں پایا۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں۔

کل ماروی عن ابن مسعود من ان المعوذتین وام القران لم یکونا فی مصحفہ فکذب موضوع لا یصح وانما صحت عنہ قراۃ عاصم عن زر بن جیش عن ابن مسعود فیہا ام القران والمعوذتان[۱]

عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایات کی گئی ہے کہ معوذتین اور سورۃ فاتحہ ان کے مصحف میں نہ تھیں۔ یہ جھوٹ ہے اور گھڑی ہوئی روایت ہے ہرگز صحیح نہیں (عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد زر بن جیش عاصم کے استاد ہیں اور آج دنیا میں انھیں کی قرأت پھیلی ہوئی ہے جس میں سورۃ فاتحہ بھی ہے۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

اجمع المسلمون علی ان المعوذتین والفاتحۃ من القران وان من جحد منہما شیئا کفر وما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح[۲]۔

تمام مسلمانوں کو اتفاق ہے کہ معوذتین اور سورۃ فاتحہ قرآن کا جز ہیں اور جو اس کا انکار کریگا وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اور جو عبداللہ مسعودؓ کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ جھوٹ اور ہرگز صحیح نہیں۔

---

[۱] الفصل ابن حزم الاتقان ۷۹

[۲] ترمذی حدیث مناقب ابن مسعودؓ۔ نافلان النووی فی شرح المہذب۔

علامہ جزری نے آپ کے تیرہ شاگردوں کا نام گنا یا ہے جنھوں نے پورا قرآن آپ کو سنا کر صحیح کیا۔ ان سب حضرات کو آپ سے سند تھی۔ آج ہم کو جو قرآن پہنچا ہے وہ ان قراء ہی کے سلسلے سے ملا ہے۔ جس میں سورہ فاتحہ اور معوذتین سب موجود ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ کے شاگردوں کا شمار تو نہیں کرایا البتہ ان تیرہ کے نام یہ ہیں۔

(۱) الاسود بن یزید النخعی (۲) تمیم بن حذلم (۳) الحارث بن قیس (۴) زر بن جیش (۵) عبید بن قیس (۶) عبید بن نضلۃ (۷) علقمہ (۸) عبیدۃ السلمانی (۹) عمرو بن شرحبیل (۱۰) ابوعبدالرحمن السلمی (۱۱) ابوعمرو الشیبانی (۱۲) زید بن وہب (۱۳) مسروق۔

قرآن سے آپ کو اس قدر عشق تھا اور آپ میں اس قدر مہارت تھی کہ آپ رمضان میں تین دن میں قرآن ختم کیا کرتے تھے اور رمضان کے علاوہ جمعہ سے جمعہ تک قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ ابن ابی لیلیٰؒ نے بتلایا کہ آپ کے احباب جمع ہوتے تھے اور وہ قرآن کھول کر بیٹھ جاتے تھے اور قرآن شریف پڑھتے تھے تو آپ تفسیر فرمایا کرتے تھے۔ مسروق کہتے ہیں کہ ہم کو حضرت مسجد میں قرآن پڑھاتے تھے پھر ہم بعد میں بیٹھ جاتے تھے تو لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ ثم نجلس بعد نثبت للناس۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ تو پورے قرآن کی کتابت ہی کے خلاف تھے۔ حضرت زیدؓ بھی قرآن کی کتابت د جمع کی رائے سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تو صرف معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن میں داخل نہیں سمجھتے تھے یا بھول گئے تھے ایسے جلیل القدر صحابیؓ کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے معوذتین کو قرآن سے خارج سمجھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حامل وحی سے خود قرآن سیکھا اور ان کے متعلق

فرمانِ رسولؐ یہ ہے کہ اگر کسی کو قرآن سیکھنا ہو تو ان چار آدمیوں سے سیکھے جن میں سب سے پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا۔ اس طرح مسلمانوں میں سب سے پہلے معلمِ قرآن ہونے کا مرتبہ آپ کو حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اقراء کما ابن مسعود فاقرأوا[1] پھر ان کے متعلق یہ قیاس آرائی خیال و گمان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ آپ حضورؐ کے مخصوص صحابی ہیں جو خلوت و جلوت ہر موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ بلا اجازت کاشانۂ نبوت میں جا سکتے تھے۔ اور حضورؐ جو ہر سال ماہِ رمضان مبارک میں قرآن کا دور فرماتے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہ مقرب صحابی ہیں کہ اس میں شریک رہتے تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے اپنی وفات کے سال رمضان کے مہینے میں قرآن کے جو دو دور فرمائے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس میں حاضر تھے۔[2]

قال ابن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرض علیہ القرآن فی کل عام فی کل شہر رمضان فلما کان العام الذی مات فیہ عرضہ علیہ مرتین فشھد عبد اللہ ما نسخ وبدل۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن ہر سال پیش کیا جاتا تھا میرا خیال ہے کہ ہر رمضان میں لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی ہے اس سال دوبار قرآن کا مقابلہ حضرت جبریلؑ نے کرایا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ موجود تھے جو منسوخ ہوا اور جس میں تبدیلی ہوئی اس سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ واقف تھے۔

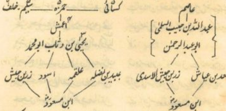
---

[1] ترمذی حدیث حذیفہ، مناقب ابن مسعود۔

[2] مستدرک ص ۲۳ ج ۲ نیز الطحاوی ص ۲۰۹

حضرت ابی ظبیانؒ کی روایت ہے کہ ان سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہ تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ابن ام عبدؓ کی قرأت پڑھتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہی آخر قرأت ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ ان دونوں سورتوں کو بھول گئے یا ان کے قرآن کا جز ہونے کا آپ کو علم نہ تھا اور آپ کو اس سے انکار ہے۔

ابن مسعودؓ سے بہ تواتر ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کا جز کہتے ہیں اور آئمہ قراءۃ نے بہ تواتر اپنی اسناد کو ابن مسعودؓ تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ حفاظ و قراءِ قرآن سے عاصمؒ، حمزہؒ، کسائیؒ اور خلفؒ جو مشہور قراء سے ہیں اور ان کی صحت سند پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اور تمام بلاد اسلامیہ میں ان کی سندیں سینکڑوں ہزاروں حفاظ کے پاس ہیں۔ ان چاروں کو اسی قرآن کی سند جس میں معوذتین ہیں ابن مسعودؓ سے ہے ہر ایک کی سند ملاحظہ ہو۔



اب ان سندوں کے مقابلہ میں جو متواتر ہیں اور صحت کا اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں دوسری ضعیف روایتوں کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور ابی بن کعبؓ سے بھی حفاظِ قرآن اور قراء کے پاس اسی قرآن مرتب کی ایسی سندیں ہیں جس کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اور جو درجہ تواتر اور صحت کے اعلیٰ مرتبہ

پر ہیں۔ ان کے مقابلے میں وہ روایات جن سے حضرت علیؓ یا حضرت ابن مسعودؓ یا حضرت ابی بن کعبؓ کی تالیف اور ترتیب اس قرآن کے خلاف ثابت ہوتی ہے معتبر نہ ہو گی۔ اسی لئے علماء نے اور مسلمانوں نے ایسی روایتوں کو جعلی اور بے اصل واہی کہا ہے یہاں ہم ایسے چند علماء کے نام لکھتے ہیں۔ ابن حزمؒ کی محلّٰی اور اتقان کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اب ان کے علاوہ دوسرے علماء کی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) واما قولهم ان مصحف عبد الله بن مسعودؓ خلاف مصحفنا فباطل وكذب وافك نعم مصحف عبد الله ابن مسعود انما فيه قراءته بلا شك وقراءته هي قراءة عاصم المشهورة عند جميع اهل الاسلام في مشرق الدنيا وغربها نقرءها كما ذكرنا[1]

اور یہ بات کہ ابن مسعودؓ کا قرآن ہمارے قرآن موجودہ کے خلاف ہے محض بہتان، افتراء اور جھوٹ ہے۔ البتہ ان کا قرآن ان کی قراءت کے مطابق لکھا ہوا تھا اور ان کی قراءت وہی ہے جو قراء سبعہ میں سے عاصم کی قراءت ہے اور اس وقت تمام دنیا میں مشہور ہے یعنی محض قراءت کا فرق ہے نہ کہ ترتیب کا۔

(۲) اجمع المسلمون على ان المعوذتين والفاتحة من القرآن وان من جحد منها شيئا كفر وما نقل عن ابن مسعود غير صحيح[2]۔

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں اور اس کا منکر کافر ہے۔ ابن مسعودؓ سے اس کے متعلق روایات جعلی اور واہی ہیں۔

[1] کتاب الفصل جلد ثانی ص ۷۷، ابن حزم

[2] امام محی الدین نووی قال النووی فی شرح المهذب۔

(۳) لم يصح عنه انها ليست بقرآن ولا حفظ عنه[1]۔

معوذتین کا انکار صحیح طور سے ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہوا ہے۔

(۴) والاغلب على الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود نقل باطل[2]

ابن مسعودؓ سے معوذتین کے متعلق جو انکار نقل ہے وہ باطل ہے۔

(۵) نسبة انكار كونهما من القرآن اليه غلط فاحش ومن اسند الانكار الى ابن مسعود فلا يعبأ بسنده عند معارضة هذه الاسانيد الصحيحة بالاجماع المتلقاة بالقبول عند العلماء الكرام بل والامة كافة كلها فظهر ان نسبة الانكار الى ابن مسعود باطل[3]

عبداللہ بن مسعودؓ کو معوذتین کا منکر بتانا نہایت فحش غلطی ہے۔ اس روایت کی سند اس قابل بھی نہیں کہ اس کی طرف توجہ کی جائے کیونکہ یہ روایت ان صحیح سندوں کے خلاف ہے جس کی صحت پر اجماع ہے اور تمام علماء کرام کے نزدیک مقبول ہیں۔ پس یہ روایت غلط ہے۔

(۶) بقى امر ترتيب السورة فالمحققون على انه من امر الرسول الله صلى الله عليه وسلم وقيل هذا الترتيب باجتهاد من الصحابة واستدل عليه ابن فارس باختلاف المصاحف في ترتيب السور فمصحف

محققین علماء کے نزدیک سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے اور یہ قول کہ صحابہؓ نے اپنی رائے سے ترتیب دی اور اس پر یہ دلیل لانا کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور ابی بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ کے قرآنوں کی جو ترتیب تھی وہ قرآن کی اس ترتیب کے خلاف تھی جس کے معلوم

[1] قاضی ابوبکر [2] امام فخرالدین رازی۔

[3] بحرالعلوم شرح سلم الثبوت مصرح ج ۲ ص ۱۲۔

على كان على ترتيب النزول ومصحف ابن مسعود على غير هذا الذى الآن والحق هو الاول وهذه الروايات مزخرفة مموهة ولم توجد فى الكتب المعتبرة ولا يعبأ بها فى مقابلة التوارث الذى جرى من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الآن وايضا ظهر من هذا ان الترتيب الذى يقرء عليه القرآن ثابت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فان القراء العشرة باسانيدهم الصحاح المجمع على صحتها نقلوا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقرؤا على هذا الترتيب و نقلوا عن شيوخهم انهم اقرؤهم هكذا وشيوخ شيوخهم اقرؤهم هكذا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم

ہوتا ہے کہ ترتیب خود صحابہؓ نے دی تھی ورنہ ان صحابہؓ کی ترتیب کے خلاف نہ ہوتی یہ قول اور دلیل صحیح نہیں ہے ہاں پہلا قول صحیح ہے اس لئے جن روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہؓ کی ترتیب اس قرآن کے خلاف تھی وہ تمام جعلی اور خیالی ہیں واقعیت سے کچھ بھی تعلق نہیں کسی معتبر کتاب میں ایسی روایات نہیں اس لئے یہ روایات ہرگز اس قابل نہیں کہ ان پر توجہ کی جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ قرآن کی یہ ترتیب تمام امت سے آج تک منقول ہے اور تمام اکابر کا اس پر اتفاق ہے، یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کی یہ موجودہ ترتیب آنحضرتؐ کی دی ہوئی ہے کیونکہ ان دس قاریوں نے جن کی سندیں متواتر ہیں اس قرآن کو اپنی سندوں سے آنحضرتؐ تک پہنچایا اور اس کا آنحضرتؐ سے سماع ثابت ہے اور ان قاریوں کی یہ سندیں نہایت ہی اعلیٰ درجہ میں صحیح ہیں اور تمام امت نے ان کی صحت پر وثوق کیا ہے، اور تمام کا ان پر اتفاق ہے اور ہر ایک قاری اس کو ہی نقل کرتا ہے کہ میں نے اپنے استاد سے اس طرح قرآن کو سنا اور پھر یہ استاد اپنے استاد سے اسی طرح سماع بیان کرتا ہے یہاں تک کہ یہی سلسلہ آنحضرتؐ تک پہنچتا ہے۔

ؔ شرح مسلم بحر العلوم ج ۲ ص ۱۰۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ایک الزام یہ بھی ہے۔

ونسی ما لم يختلف العلماء فيه النبى صلى الله عليه وسلم صلى الصبح يوم الجمع فى وقتها.

اور آپ بھول گئے جو بات کہ سارے علماء میں اتفاق ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو آپؐ نے صبح کی نماز اپنے وقت پر پڑھی۔

ابوبکر احمد بن اسحاقؒ کا اشارہ اس عبارت سے اس حدیث کی طرف ہے جو صحیحین میں مروی ہے۔ صلی الفجر قبل میقاتہا آپ نے وقت سے پہلے نماز فجر پڑھی یہاں تو کوئی اعتراض کی بات ہی نہیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بات کا منشا نہیں سمجھا۔ اور نہایت جرأت سے "نسی" کا حکم لگا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا منشا یہ ہے کہ صبح کی نماز عادتاً جس وقت آپ پڑھتے تھے اس دن اس وقت سے پہلے آپؐ نے پڑھی جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

ثم صلى الفجر حين طلع الفجر والقائل ان يقول لم يطلع الفجر.

پھر آپ نے نماز پڑھی جب فجر طلوع ہو گئی اور اتنا سویرا تھا کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی۔

آپ نے نماز فجر طلوع ہوتے ہی پڑھی مگر اتنا قبل وقت تھا کہ کسی کو شک ہو سکتا تھا کہ فجر ابھی طلوع نہیں ہوئی ہے یعنی اس سے پہلے کبھی آپؐ نے ایسے وقت پر نماز نہیں پڑھی کہ فجر ہو گئی ہو لیکن لوگوں کو فجر ہونے میں اشتباہ ہو۔

ابوبکر احمد بن اسحاقؒ بخاری ہی کے چند باب دیکھ لیتے تو اس میں "حین طلع الفجر" اور فلما طلع الفجر او حین بزغ الفجر ان کو مل جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو وہ ہستی ہیں جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ماحدثكم ابن ام عبد فصدقوه[1] عبداللہ بن مسعودؓ حدیث بیان کریں اس کی تم تصدیق کرو۔

[1] ترمذی مناقب عمار بن یاسر ج ۲

دوسرا ارشاد ہے

رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد۔[1]	جس بات سے عبداللہ بن مسعودؓ خوش ہیں اس سے میں بھی خوش ہوں۔
(۴) ونسی کیفیۃ جمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ	اور آپ یہ بھول گئے کہ حضورؐ نے عرفہ کے دن نمازوں میں کس طرح جمع کیا جائے۔

اور حج ہی کے سلسلے میں جس طریقے سے انھوں نے یہ لکھا کہ مزدلفہ کی صبح کی نماز کا وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تبلانا بھول گئے۔ اسی طرح عرفہ میں جمع کرنے کی کیفیت بھول جانے کا الزام بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر لگایا ہے یہ دونوں واقع ایک ہی دن کے ہیں۔ دو نمازیں آپ نے ظہر کے وقت پڑھیں اور دو نمازیں عشاء کے وقت آپ نے پڑھیں۔ مگر عشاء و مغرب کی نمازیں مزدلفہ میں پڑھیں۔ جس میں جمع تاخیر فرمائی شافعیہ جس کی تائید کرتے ہیں اس حصہ کو چھوڑ کر جس مسئلے میں تمام شافعیہ اتفاق نہیں کرتے اس کا تذکرہ بھی ابوبکر احمد بن اسحاقؒ "نسی" ہی سے کرتے ہیں اب ان سے کون پوچھے کہ جمع تاخیر کو کیوں نسیان نہیں فرمایا۔ ہم خوش ہیں کہ ایک صحابی کی غلطیوں کی تعداد کم کر دی اس الزام کی حقیقت یہ ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن ظہر وعصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھی۔ اس میں ظہر کی نماز تو اپنے وقت پر پڑھی تھی مگر بالکل اول وقت اور عصر کی نماز ظہر سے بالکل متصل یہ نماز وقت سے بہت پہلے پڑھی گئی۔ پھر مغرب کا وقت ہو جانے کے بعد آپ میدان عرفات

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۳۱۹

سے روانہ ہوئے اور چھ میل چل کر جب مزدلفہ پہنچے ہیں تو یقیناً مغرب کا وقت ختم ہو گیا تھا مزدلفہ پہنچ کر مغرب پڑھی پھر عشاء کی نماز پڑھی تو جس طرح ظہر کی نماز وقت پر آپ نے پڑھی تھی اسی طرح یہاں عشاء کی نماز وقت پر پڑھی لیکن مغرب کی نماز وقت کے بہت بعد پڑھی۔ اس لئے اس کا تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا کہ مغرب اپنے وقت سے ہٹا کر پڑھی اور آپ کی کبھی عادت نہیں تھی کہ کوئی نماز بغیر کسی مجبوری کے قضاء کر کے پڑھیں۔ اس لئے اس دن جو دو باتیں خلاف عادت ہوئی تھیں ان کا تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی اس حدیث میں کیا۔

ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الفجر لغیر میقاتہا الا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتہا۔[1]	میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ کبھی فجر کی نماز بے وقت پڑھی ہو مگر آپ نے مغرب عشاء جمع کر کے پڑھی اور مغرب کا وقت جا چکا تھا اور صبح کی نماز آپ جس وقت پڑھا کرتے تھے اس سے بہت اول وقت پر پڑھی۔

لیکن اس دن آنحضرتؐ نے جو عصر کی نماز پڑھی تو نہ وقت ادا تھا نہ وقت قضا۔ اس کا تذکرہ آپ نے نہیں کیا۔ (جو نماز وقت آنے پر پڑھی جائے تو وہ ادا ہوتی ہے)، عرفات کے دن جس وقت پر آپ نے عصر کی نماز پڑھی او دونوں میں عصر کی نماز کا وقت اس وقت نہیں آتا اور جب وقت نہیں آیا تو ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وقت گذر گیا۔ تو ہمارا یہ کہنا کہ نہ وہ وقت ادا تھا نہ وقت قضا بالکل صحیح ہے۔ یہ حج کا خاص حکم تھا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عادت

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۴۰۰۔

کے خلاف ہوتا جہاں بیان کیا ہے۔ وہاں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابوبکر احمد بن اسحاق ؒ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھول گئے۔ ہو سکتا ہے کہ جن دو نمازوں کے وقت کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اپنے وقت سے بدل گئیں وہ دو نمازیں عصر کی نماز عرفہ میں اور مغرب کی نماز مزدلفہ میں مراد ہوں کیونکہ یہی دو نمازیں اپنے وقت اصلی سے ہٹ کر ادا کی گئیں۔ فجر کی نماز مزدلفہ میں اپنے وقت ہی پر ادا کی گئی بے وقت ادا نہیں کی گئی۔ یہ ضرور ہوا کہ عادتاً جس وقت ادا کی جاتی تھی اس سے بہت پہلے ادا کی گئی تو گویا یوں تھا۔

ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلاۃ بغیر میقاتہا الا صلاتین صلاۃ العصر بعرفۃ والمغرب بمزدلفۃ۔	نہیں دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ وقت متعین کے سوا اور بے وقت نماز پڑھی ہو مگر دو نمازیں عصر کی نماز عرفہ میں اور مغرب کی نماز مزدلفہ میں۔

کیونکہ یہی دو نمازیں درحقیقت اپنے اوقات پر ادا نہیں کی گئیں۔ ایک وقت سے بہت پہلے ایک وقت کے بہت بعد۔ ہاں فجر کی نماز کا تذکرہ کر دیا۔ راوی نے ان دونوں نمازوں کے ساتھ عصر و مغرب کی نماز جو قبل از وقت اور بعد از وقت پڑھی گئی تھیں ان کے تذکرہ کے ساتھ صبح کی نماز کا بھی تذکرہ کر دیا۔ گو وہ نہ قبل از وقت تھی نہ بعد از وقت۔ صرف عادتاً جس وقت حضور اکرم ؐ پڑھا کرتے تھے اس سے ضرور پہلے ادا کی گئی تھی۔ اس کی مثال حدیث میں ایک سے زیادہ ہیں۔ جیسے کہ مسلم کی حدیث "ترکت[1] فیکم امرین" سے کتاب و سنت مراد ہے اس کے بعد آپ نے اہلِ بیتؓ کا ذکر کیا تو بعض راویوں نے خیال کر لیا کہ "امرین" سے

---

[1] اس مقالے کے پانچویں حصہ کے شروع میں یہ حدیث جتنے صحابیوں سے روایت ہوئی ہے ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔

مراد کتاب و اہل بیتؓ ہیں۔ اس قسم کا اختصار اور حدیثوں میں بھی پایا جاتا ہے جیسے وفد عبدالقیس کی حدیث جس میں چار باتوں کے حکم کا تذکرہ کیا ہے اور باتیں پانچ مذکور ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ ایک ایمان باللہ کا تذکرہ کیا اور تین باتیں ذکر نہیں کیں۔ اس ایک بات کی تفصیل میں پانچ باتیں ہیں۔

(۵) ایک اور نسیان کا تذکرہ کیا ہے کہ سورۃ واللیل میں "وما خلق الذکر والانثیٰ" کے بجائے ابن مسعودؓ "الذکر والانثیٰ" پڑھتے تھے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا نام اختلاف قراءت ہے بھول چوک سے اس کا تعلق نہیں۔ بخاری شریف[1] ص ۷۴۰ پر ہے کہ حضرت ابودرداؓ نے علقمہؓ سے سوال کیا کہ تم کیا پڑھتے ہو جب علقمہ نے والذکر والانثیٰ پڑھا تو ابودرداؓ نے فرمایا ہے۔

انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا الذکر والانثیٰ واللہ لا اتابعھم۔	میں نے سنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے سے پڑھتے تھے مگر لوگ چاہتے ہیں میں پڑھوں وما خلق الذکر والانثیٰ خدا کی قسم میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔
واللہ لقد اقرأنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فیہ الی فی۔	خدا کی قسم مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بدو اسی طریقہ سے پڑھایا ہے

الجوہر النقی ج ۲ ص ۸۲ پر ابن جنیؒ کی المحتسب سے نقل کیا گیا ہے والذکر والانثیٰ صرف عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت نہیں ہے بلکہ سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یہی پڑھا ہے۔ ان میں سے کسی کے متعلق "نسی"

---

[1] بخاری شریف ص ۲۹ بروایت ابودرداؓ۔

نہیں فرمایا گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق کیوں کہا جائے کہ وہ بھول گئے حافظ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ کو یہ خیال نہیں ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے متعلق خاص طور پر ارشاد فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرؤا القرآن من اربعة من عبد اللہ بن مسعودؓ (فبدأ به) وسالم مولی ابی حذیفہ وابی بن کعب ومعاذ بن جبل[1]

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ آپ نے حکم دیا کہ ان چار آدمیوں سے قرآن شریف پڑھو۔ (۱) عبداللہ بن مسعودؓ (۲) سالم مولی ابی حذیفہؓ۔ (۳) ابی بن کعبؓ۔ (۴) معاذ ابن جبل۔

اس ارشاد میں سب سے پہلا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا لیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرو بن الحارثؓ کی حدیثیں ہیں۔

من سرہ ان یقرأ القرآن غضا فلیقرأ علی قراءة ابن ام عبد[2]۔

جو اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ تر و تازہ قرآن شریف پڑھے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات سے پڑھے،

من احب ان یقراء القرآن غضا فلیقرأ علی قراءة ابن ام عبد[3]

جو چاہتا ہے کہ تر و تازہ قرآن شریف پڑھے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت سے پڑھے۔

(۶) ایک الزام عبداللہ بن مسعودؓ پر یہ ہے کہ وہ نسی ما اتفق العلماء علی نسخہ کالتطبیق اس مسئلہ کی پہلی تفصیل پیش کی جاتی ہے پھر اس الزام کی کیا حیثیت ہے وہ خود بخود ناظرین پر واضح ہو جائے گی۔ مسلم شریف میں جہاں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ باب الندب

---

[1] بخاری کتاب المناقب۔ [2] احمد ص ۷، والطیالس ص ۴۴ [3] احمد ج ۴ ص ۲۷۹

علی وضع الایدی علی الرکب۔ وہاں یہ حدیث ہے۔

عن علقمة والاسود انہما دخلا علی عبد اللہ فقال اصلی من خلفکم؟ فقالا نعم فقام بینہما وجعل احدہما عن یمینہ والآخر عن شمالہ ثم رکعنا فوضعنا ایدینا علی رکبنا فضرب ایدینا ثم طبق بین یدیہ ثم جعلہما بین فخذیہ فلما صلی قال ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی روایة کانی انظر الی اختلاف اصابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

علقمہؒ اور اسودؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے۔ آپ نے پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ ان دونوں نے کہا، جی ہاں۔ آپ دونوں کے درمیان کھڑے ہو گئے ایک کو اپنے دہنی طرف کیا اور دوسرے کو بائیں طرف، پھر ہم نے رکوع کیا رکوع میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے آپ نے ہمارے ہاتھوں پر اشارہ کیا پھر اپنے ہاتھوں سے تطبیق کی اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں کے بیچ میں رکھے اور نماز کے بعد فرمایا کہ حضور اکرمؐ نے ایسا ہی کیا تھا اور مجھے اچھے طریقے سے یاد ہے اور حضور اکرمؐ تطبیق کی ہوئی انگلیوں کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رکوع میں جاکر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنے نہیں پکڑے بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اپنے دونوں گھٹنوں کے بیچ میں رکھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ آپ کی ساری عمر میں ایک مرتبہ پیش آیا اس ایک مرتبہ کے واقعہ سے یہ قیاس قائم کرنا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو پکڑنے کی سنت سے ناواقف تھے یا اس کو بھول گئے، کسی طریقہ سے صحیح نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت سیدنا علیؓ بھی اس کے قائل[1] تھے۔ ابن ابی شیبہ عاصمؒ ابن حمزہ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری جلد ۲۔ ص ۲۲۷۔

قال فان شئت قلت هكذا يعنو وضعت يديك على ركبتيك وان شئت طبقت۔

اگر تم چاہو ایسے کرو اگر تم چاہو تطبیق کرو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں کے بیچ میں رکھو۔

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کی سند کو حسن بتلاتے ہیں یعنی حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کو دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ رکوع میں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑے یا تطبیق کرے یہی رائے عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق کیوں نہیں قائم کی جاتی کہ وہ بھی رکوع میں تطبیق کے جائز ہونے کے قائل تھے، اور جواز بتلانے کے لئے ایک مرتبہ عمل کر کے تطبیق بھی بتلا دی۔ کیا قنوت و تشہد میں الفاظ کا اختلاف نہیں ہے؟ اذان و اقامت میں اختلاف نہیں ایک قسم کے الفاظ یا ایک طریقے کی روایت کرنے والے کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ دوسرے طریق اقامت، اذان اور تشہد سے ناواقف تھا یا اسے بھول گیا تھا۔

مختلف مسئلوں میں دو دو سنتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں وہاں ایک مسلمان کو اختیار ہے کہ جس سنت کو چاہے اختیار کرے اس لئے حافظ ابن حجرؒ جو سیدنا علیؓ کے روایت تطبیق کے بارے میں یہی فیصلہ کرتے ہیں۔

وهذا التاويل هو المتعين[1]

اور یہی تاویل متعین ہے۔

کیونکہ حافظ ابن حجرؒ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دن میں سترہ بار فرض نمازوں میں اور اس سے زیادہ دوسری نمازوں میں دیکھا کرتے تھے کہ رکوع میں اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑتے تھے

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص کتاب الصلوٰۃ۔

پھر انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی یہی کرتے دیکھا پھر یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کو بھول گئے تھے اور ان کے کسی رفیق نے ان کو یاد دلایا کہ تطبیق کے علاوہ یہ بھی سنت ہے۔ اب یہ سوال علامہ ابوبکر احمد بن اسحاقؒ سے بے موقع نہ ہو گا کہ ہم ان سے دریافت کریں کہ صحابیوں میں بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے ایسی روایت کی ہے کہ وہ روایت دوسرے صحابی سے مروی نہیں ہے۔ تو کیا کسی عالم نے یا محدث نے یہ کہا کہ وہ بھول گئے ہم یہاں ایک ایسا واقعہ نقل کرتے ہیں جو تطبیق کے مسئلے سے بڑی مماثلت رکھتا ہے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔

جميع ما في هذا الكتاب هو معمول به وبه اخذ اهل العلم ما خلا حديثين عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم جمع بين الظهر والعصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر ولا مطر وحديث النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا شرب الخمر فاجلدوه فان عاد في الرابعة فاقتلوه[1]۔

اس کتاب کی سب کی سب حدیثوں پر امت کا عمل ہے (معمول بہا ہیں) بجز دو حدیثوں کے ایک عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کہ آپ نے مدینہ میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء میں دو دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا (مدینہ میں جمع بین الصلوٰتین کیا)، حالانکہ سفر نہیں تھا، خوف نہیں تھا اور بارش بھی نہیں تھی (یعنی کوئی جمع کرنے کا عذر نہیں تھا) اور دوسری حدیث جس میں حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ جو شراب پیے اس کو کوڑے لگاؤ، پہلی بار دوسری بار تیسری بار اور چوتھی بار پیے تو اس کو مار دو۔

---

[1] ترمذی، کتاب العلم۔

پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کتاب الصلوٰۃ ص ۲۶ باب الجمع بین الصلاتین میں ہے، اور دوسری روایت باب الحدود ص ۱۷۴ میں ہے تو کیا اس بنا پہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق یہ کہا کہ وہ بھول گئے یا حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ کہا کہ وہ بھول گئے۔ عجب بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہ آسانی سے الزام لگا دیا گیا۔

۷۔ ایک الزام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہ یہ ہے کہ وہ سنت قیام الاثنین خلف الامام کہ جب دو مقتدی ہوں تو امام کہاں کھڑا ہو۔ امام آگے ہو دو مقتدی پیچھے ہوں جس طریقے سے دو سے زیادہ مقتدیوں کی صورت میں امام آگے ہوتا ہے اور سب مقتدی پیچھے ہوتے ہیں یا امام بیچ میں ہو اور ایک مقتدی بائیں ہو اور ایک دائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس مسئلہ کو بھول گئے کہ امام کو آگے ہونا چاہیئے اور مقتدیوں کو پیچھے اور وہ بھی اس صورت میں امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہی صحیح خیال کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے اس طرح نماز ادا کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں یہ درحقیقت بھول نہیں ہے اور نہ ہی جہالت ہے بلکہ اس مسئلہ کی ایک رائج شکل کے سوا دوسری جائز شکل کا جو انہیں علم تھا وہ علم بھی آپ نے اپنے شاگردوں کو پہنچایا اور آپ نے اس کی اپنے عمل سے اپنے شاگردوں کو تعلیم دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہترین زمانے میں کسی مسلمان کے لئے شاذ و نادر ہی یہ صورت پیش آتی ہوگی کہ جماعت سے وہ نماز نہ پڑھ سکے یا صرف دو مقتدیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع ملے۔ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طریقے سے نماز پڑھتے دیکھ لیا تو کیا تعجب ہے کیونکہ جس قدر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باشی کا التزام تھا کسی دوسرے صحابی کی نسبت یہ التزام ہم

حدیث کے ذخیرہ میں نہیں پاتے۔

حضرت اسود بن یزیدؒ اپنا جو واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے چچا علقمہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس دوپہر کے وقت گئے اور ظہر کی نماز انہیں کے ساتھ اس طرح سے ادا کی کہ ایک کو داہنی طرف کھڑا کیا اور دوسرے کو بائیں طرف اور بعد فراغ نماز یہ فرمایا کہ اسی طرح حضورؐ پڑھا کرتے تھے جبکہ امام کو ملا کر تین مصلی ہوتے تھے[۱]۔ اس واقعہ سے صراحتاً یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسودؒ اور علقمہؒ دونوں آپ کے بالکل برابر تھے بلکہ حدیث کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں کے امام آگے تھے اور دونوں آپ کے پیچھے تھے۔ ہاں وہ دونوں اس طریقہ سے پیچھے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بچوں بیچ میں تھے گو آگے تھے ہو سکتا تھا کہ راوی نے الفاظ ادا کرنے میں احتیاط نہ برتی[۲]۔ ابن سیرینؒ امام کے وسط میں کھڑے ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کا قیام مسجد میں تنگ جگہ پہ تھا جہاں مقتدی پیچھے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے[۳]۔ اس مسئلہ کی ایک شکل یہ ہے کہ امام کو اس وقت بیچ میں کھڑا ہونا چاہیئے جبکہ مقتدیوں میں ایک بچہ ہو اور ایک بڑا ہو۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے۔

روی انسؓ صلیت خلف	انسؓ نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کے پیچھے نماز پڑھی اور ہمارے خاندان کا ایک چھوٹا بچہ
انا ویتیم لنا وام سلیم خلفنا۔	اور تھا اور حضرت ام سلیمؓ ہمارے پیچھے تھیں۔

---

[۱] مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۹ ابوداؤد باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ ج ۱ عدد نمبر ۲ ابتداء میں پوری حدیث گزر چکی۔ [۳] سنن بیہقی ج ۳ ص ۹۹ ص ۱۸۱۔

علامہ ابن قیم البدائع میں لکھتے ہیں۔

هو السنة الدائمة المستمرة اذا كان احد المامومين صبيا.

اور یہی مستقل سنت ہے جب دونوں مقتدیوں میں سے ایک مقتدی نابالغ ہو۔

ابن قیمؒ لڑکے کے صف میں بڑوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی ممانعت کے بیان میں لکھتے ہیں۔

فالامام مخير بان يقف في وسطها الرجل عن يمينه والصبي عن يساره وبين ان يقفا جميعا عن يمينه ان كانت الصلاة فرضا وان كانت نافلة جازان يقفا خلفه يض عليه فقال اذا كان رجل غلام لم يدرك في صلاة الفريضة فليقم الرجل وسطهم بينهما كما فعل ابن مسعودؓ في الفريضة

امام کو اختیار ہے کہ بیچ میں کھڑا ہو اور دوسرا آدمی دہنے طرف اور بچہ بائیں طرف اور یہ بھی اختیار ہے کہ دونوں کے دونوں دہنے طرف کھڑے ہوں اگر فرض نماز ہے۔ اور اگر نفل ہے تو جائز ہے کہ دونوں پیچھے کھڑے ہوں اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ جب ایک آدمی ہو اور ایک نابالغ لڑکا اور فرض نماز میں امام دونوں کے بیچ میں کھڑا ہو جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرض نماز میں بیچ میں کھڑے ہوتے تھے۔

ؔ ابن القیم، بدائع الفوائد، ج ۳، ص ۸۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن وحدیث سے فقہ کا تعلق

فقہا کے کام میں تفقہ کی ضرورت کی اہمیت

اس کے رہنما اصول کیا ہونے چاہئیں

اب اس مقالہ کا پانچواں حصہ شروع ہوتا ہے جو مقالہ کا اہم جزو ہے مختلف فقہی مسائل کے بارے میں آپ کے فقہی اقوال جو پہلے گزرے وہ بصیرت دینی کی نظیر یا کسی اور سلسلے میں تھے۔ یہاں آپ کے بیان کردہ مسائل اور فتوے فقہی ترتیب سے جمع کئے گئے ہیں جتنا استیعاب ہو سکا اس کی کوشش کی گئی ہے۔

(الف) اس سلسلے میں پہلا سوال تو یہ ہے کہ صاحب فتویٰ صحابی تو ایک سو تیس ہیں ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہ کو ریسرچ کا موضوع بنانے کے لئے کیوں منتخب کیا گیا۔؟

یہ سچ ہے کہ یوں تو ایک سو تیس صحابی صاحب فتویٰ ہیں لیکن ان میں سے سات بزرگوں کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ اصابہ میں اور ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ سات صحابہ کے فتووں کی تعداد زیادہ ہے اور ان سات میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خصوصیت کے ساتھ

ہستیاں ہیں جن کے ذمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فتویٰ کی خدمت سپرد کر دی گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمریں خوب سوجھ بوجھ کی تھیں۔ رزم ہو یا بزم ہر ایک میں تینوں شریک ہوتے تھے۔ قرآن اور سنّت کے علم میں بھی یہ حضرات ایک دوسرے کے لگ بھگ تھے۔ ان سے جو مسائل و فتوے نقل کئے گئے ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے اور کیا عجب ہے ان تینوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے فتوے سب سے زیادہ ہوں۔ یوں ان تینوں سے جو کم عمر صحابہ ان کے بعد رہ گئے تھے ان کے فتوؤں کی کثرت کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے مگر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدت تک جو حضرات فتوے کا کام کرتے رہے وہ یہی تین ہیں جو ۲۴ھ میں اور اس کے بعد بھی زندہ رہے اس لئے ابتداء میں یہ اندازہ قائم کیا گیا کہ آپ کے مسائل زیادہ ملیں گے۔ آپ کی فقہ اگر جمع کی جائے تو صحابہؓ کے زمانہ کی فقہ کا کام زیادہ سے زیادہ سامنے آ جائے گا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہ کو ریسرچ کا موضوع بنایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہ کو جمع کرنے میں بہت سی کتابوں کو پڑھا گیا صرف اہم کتابوں کا اور جن سے فقہ مرتب کرنے میں کام لیا گیا ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہدایہ کو پڑھا گیا۔ حضرت امام شافعی کی کتاب الام پڑھی گئی۔ حنفی فقہ میں امام سرخسی کی مبسوط کی تیس (۳۰) جلدوں اور شافعی محدثین میں محدث بیہقی کی السنن الکبریٰ کی دس جلدوں اور حنبلی فقہا میں ابن قدامہ کی المغنی[1] اور الشرح الکبیر کی

---

[1] یہ امام ابوالقاسم عمر بن الحسین الخرقی کے فقہی متن کی شرح ہے شارح علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہؒ بن احمد بن محمد بن قدامہ ہیں ۶۲۰ھ میں وفات پائی ان کے بھتیجے علامہ شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن ابی عمر محمد بن احمد ابن قدامہ نے فقہ حنبلی کے ایک مشہور متن المقنع کی شرح کی اپنے چچا کی کتاب، کتاب المغنی سے بہت استفادہ کیا بعض چیزیں اضافہ بھی کی ہیں ان کی وفات ۶۸۲ھ یعنی اپنے چچا کے باسٹھ سال بعد ہوئی۔

بارہ بارہ جلدوں میں سے مسائل و فتوے جمع کئے گئے ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق سے بھی مواد حاصل کیا گیا زیدی فقہا کی کتاب البحر الزخار فی فقہ علماء الامصار کی پانچ جلدوں سے بھی مواد حاصل کیا گیا۔ ابواب فقہ پر آپ کے اقوال اور فتووں کے مرتب کرنے میں کتب مندرجہ ذیل کو کافی پایا گیا کثرت سے ان ہی کتابوں میں سے مواد مہیا ہو گیا ہے اس کے علاوہ باقی کتابوں کے تذکرہ سے بھی فہرست کو طویل نہیں بنایا گیا جو مسئلے ان کتابوں میں تھے دوسری کتابوں سے بھی ان کو نقل کیا جاتا تو بے فائدہ ضخامت بڑھتی۔ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کے نسخے قلمی تھے۔ ان سے مواد بالاستیعاب جمع کرنا مشکل تھا۔ صحاح ستہ پیش نظر رہیں۔ بعض مسائل میں سنن ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں کا حوالہ بھی آپ کو ملے گا۔ مختلف مکاتب فکر کی فقہ کی کتابوں پر جو اہل علم حضرات وسیع نظر رکھتے ہیں وہ اس مختصر فہرست کی قدر کریں گے۔ اس مقالہ میں صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بتلائے ہوئے مسائل اور فتوے جمع کئے گئے ہیں۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کے تمام مسائل کا استیعاب ہو گیا ہے اور آپ کا کوئی مسئلہ چھوٹنے نہیں پایا۔ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، کی طباعت کی طرف کچھ بلند ہمت حدیث کا ذوق رکھنے والے سنت کے شیدائی سیر چشم افریقہ کے حضرات متوجہ ہیں۔ میرے والد صاحب نے فرمایا کہ ان علم دوست حضرات کی بے دریغ دریا دلی سے میرے علم میں ہندوستان میں تین بڑے بیش بہا علمی کام ہو رہے ہیں جن میں سے سب سے بلند و مفید تر کام وہ ہے جو حضرت مولانا ابوالمآثر محمد حبیب الرحمٰن الاعظمی انجام دے رہے ہیں۔ یہ ہے مصنف عبدالرزاق کی تصحیح کا کام۔ مصنف عبدالرزاق کی تصحیح و طباعت کا کام متعدد پہلوؤں سے بہت بلند ہے۔

(۱) ایک تو ایسے بڑے مُحدِّث کی کتاب کا کام ہے جو صحاح ستہ کے مصنفین کے شیوخ اور اساتذہ میں سے ہیں۔

(۲) مذہب حنفی کے مآخذ سے جو حضرات ناواقف ہیں اور جن کو اس مذہب کے متعلق غلط فہمی ہے کہ مذہب حنفی صرف قیاسات کے مجموعہ کا نام ہے، اس میں سنت سے بڑی بے نیازی برتی گئی ہے مصنف کی تصحیح اور اشاعت کا کام جس طریقہ سے ہو رہا ہے اس سے اس ناواقفیت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

(۳) جس طریقہ سے اس مصنف کو حنفیہ ایک مستند کتاب جانتے ہیں دوسرے مختلف فقہی مکاتب خیال کے حضرات بھی اس کو مستند ہی سمجھتے ہیں، اس طریقہ سے طرفین کی علمی متفقہ معیاری کتاب کی اشاعت باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے اتحاد کی راہ کھولے گی، اس کام کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے یہ کام بین الاقوامی وعالمگیر حیثیت کا بھی حامل ہے، یہ بات بھی اس کام کی وقعت کو بلند قرار دیتی ہے۔

(۴) یہ کام مولانا ابوالمآثر محمد حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی[1] انجام دے رہے ہیں اس کام کا آپ کے ہاتھ میں ہونا اس کے معیاری ہونے کا ضامن ہے یہ بیش قیمت علمی

---

[1] اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہندوستان میں فن حدیث پر کام کرنے والے کم نہیں ہیں ہاں اس فن میں جن حضرات کی تالیف وتصنیف کی اشاعت ہو چکی ہے ان کی کتابوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا ممدوح کو اس فن میں جو وسیع درک اور دقت نظر حاصل ہے وہ ان کو دوسرے حدیث پر کام کرنے والوں سے ممتاز بناتی ہے اس فن میں مولانا کی تحریریں جو سامنے آئی ہیں وہ مولینا کو اگلے محدثین کے شانہ بشانہ بٹھانے کا مستحق قرار دیتی ہیں اس زمانے کے مصر کے ایک بڑے محدث احمد محمد شاکر نے مسند امام احمدؒ کی جو تصحیح کی ہے اور اس پر جو حاشیے لکھے ہیں ان کی تصحیح اور حاشیوں پر جو مولانا نے تنقید کی ہے وہ محدث محمد شاکر نے بڑی شکر گزاری کے ساتھ چھاپی ہے۔ مولانا کی تصنیفیں محدثانہ شان کی ہیں۔ محدثین کے اصول پر کونسی سند حجت مبنی ہے۔ اور کس نوعیت کا کثرت طرق حدیث کو قوت پہنچاتا ہے اور کس حدیث میں کون سی غامض علت ہے جو قادح صحت ہے۔ اس سے مولانا ایک محدث کی خوب واقف ہیں۔

سرمایہ طبع ہو کر آجائے تو فقہ ابن مسعودؓ پر نظر ثانی اور تکمیل میرا دینی اور علمی فریضہ ہوگا اور بڑی خوش قسمتی بھی ان دونوں مصنفوں سے کامل استفادہ کے بعد فقہ ابن مسعودؓ کو مکمل کہا جائے تو دعویٰ قریب قریب صحیح ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فقہ کے ہر ہر مسئلہ میں کون سی حدیث محدثین کے اصول پر قابل حجت ہے حنفیہ کے مسلک کے خلاف جن حدیثوں سے دلیل پیش کیجاتی ہے ان پر محدثین کے اصول سے کیا تنقید ہو سکتی ہے چنانچہ خاص مسئلوں پر حنفیوں نے اچھے سے اچھا لکھا ہے۔ فقہ حنفی کی پوری تنقیح اس شان سے ہو تو اس کی ابتداء علامہ شوق نیموی عظیم آبادیؒ نے اپنی کتاب آثار السنن میں کی تھی یہ کام کتاب الصلوٰۃ تک ہو چکا تھا کہ حضرت علامہ کے انتقال کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حنفیہ سے جن فقہا و محدثین کا اختلاف ہے اور یہ حضرات اپنے مسلک کی تائید میں جو حدیثیں پیش کرتے ہیں خود محدثین کے اصول پر کیا تنقید ہو سکتی ہیں اس طرز سے استدلال اور تنقید کی ابتدا علامہ شوق نیموی ہی نے اپنی کتاب آثار السنن اور دوسری تصنیفات میں کی۔ ان کے بعد علامہ مفتی عبداللطیف صاحب رحمانی نے اپنی شرح ترمذی میں اسی طرز کی تنقید واستدلال کا ہر مسئلہ میں التزام کیا اور جہاں حنفیہ کی حجت میں حدیثیں پیش کی ہیں اس میں بھی یہ بات پیش نظر رکھی ہے کہ وہ محدثین کے اصول پر قابل استناد ہوں اب اس طرز سے حدیثوں پر نظر رکھنے والی اور ان اصولوں کو نباہنے والی ہستی مولانا ہی کی ہے ہندوستان میں اعظم گڈھ ہی میں دوسری ہستی مولینا عبیداللہ صاحب رحمانی کی ہے ان کی شرح مشکوٰۃ میں بھی فتح الباری کے التزامات بہت مل جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی دین ہے حنفی محدث اور سلفی محدث دونوں اعظم گڈھ ہی کی خاک سے اس دور نوازاں ہیں۔ پاکستان سے مولانا یوسف صاحب بنوری کی شرح (معارف السنن) شائع ہوئی ہے اس سے بھی اس قسم کے درک حدیث کا پتہ چلتا ہے اور دوسری ہستی مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی بے لیدری ثم الباکستانی کی ہے۔ کثر اللہ امثالہم وبارك اللہ فی علومہم ودرو اعمارہم مولینا مصنف عبدالرزاق کی تصحیح میں جو کام انجام دے رہے ہیں ان کی اجمالی فہرست یہ ہے

یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ آپ کے ہم پایہ جو صحابہؓ ہیں ان کے فقہی اقوال کا موازنہ آپ کے فقہی اقوال سے اس طرح کیا جاتا ہے کہ ان میں سے کونسا بہتر ہے اور کونسا اس سے کم درجہ پر کیونکہ اس قسم کے موازنہ کے دو ہی اصول ہیں ایک یہ کہ اس موازنہ کا معیار عقل کو قرار دیا جائے دوسرے یہ کہ روایت کردہ حدیثوں کو اس کا معیار بنایا جائے ان دونوں معیار کے مطابق جو بحثیں پیدا ہوتی ہیں وہ بڑی طویل بحثیں بن جاتی ہیں پھر اگر ان کے فیصلے کئے جائیں تو یہ فیصلے بھی مدلل پیش کرنے ہوں گے مقالہ خود طویل ہو چکا ہے، اس کو طویل تر کرنا مجھ ایسی ریسرچ اسکالر پر بہت بار ڈالنا ہوگا. کیونکہ اس کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتوؤں کی دلیلیں پھر ان کے مقابل دوسرے صحابہ کے فتاویٰ کی دلیلیں، پھر ان میں سے ہر ایک فتوے کا جو فیصلہ کیا جائے اس کے وجوہ لکھنے ہوں گے.

(ب) دوسری بحث جو دینیات کے ریسرچ اسکالر کے لئے بے حد اہم ہے وہ یہ کہ بعض مکاتب خیال کے حضرات وہ ہیں جو فقہ کو دینی علم ہی تسلیم کرنے سے

(بقیہ حاشیہ سابقہ) قلمی نسخوں میں غلطیاں بہت ہوتی ہیں سند میں بھی اور متن میں بھی مولانا نے بڑی محنت سے الفاظ اور اسماء کی تصحیح کی اور حاشیہ میں امور ذیل انجام دیئے (۲) الفاظ مشکلہ کی شرح (۳) جہاں الفاظ مشکلہ کی شرح سے مطلب واضح نہ ہو سکا وہاں توضیح کے لیے حسب ضرورت چند سطریں بڑھائی گئیں (۴) معنی یا سند پر کوئی شبہ ہے تو اس کا ازالہ کیا گیا ہے (۵) حنفیہ کے مسلک کی تائید کی جہاں ضرورت تھی وہ تائید کی گئی اس طرح جہاں معترضین کے اعتراض تھے اس کے جواب دیئے گئے (۶) احادیث و آثار کی تخریج (۷) ان راویوں کے حالات سے جو صحاح ستہ کے رواۃ کے علاوہ ہیں (۸) یہ مولانا کا علمی احسان ساری علمی دنیا پر ہے کہ حدیث کے کسی شارح و محشی نے اگر کوئی غلطی اپنی کتاب میں کی ہے اور وہ لفظ یہاں آگیا ہے تو اس کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اس غلطی پر تنبیہ فرما دی ہے (۹) مصنف ابن ابی شیبہ کا جس قدر قلمی یا مطبوعہ نسخہ مولانا کے پاس ہے وہ پورے کا پورا مصنف عبدالرزاق کے ذیل میں لے لیا گیا ہے۔

انکار کرتے ہیں تو پہلے اس امر کی تنقیح کی جائے کہ ان کا نظریہ کس درجہ درخورِ اعتناء ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ دین نام ہے اللہ تعالیٰ کی ان ہدایتوں کا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پہنچائی ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

وقد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ	میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے جس کو تم اگر مضبوطی سے تھام لو گے تو اس کے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب ہے۔
(مسلم شریف ابواب الحج، حدیث جابر بن عبداللہ والبوداؤد، کتاب المناسک باب صفۃ حجۃ النبیؐ نسائی، ابن ماجہ ابن ابی شیبہ وابن الجارود والبیہقی فی حدیثہ الطویل فی حجۃ الوداع)	

۱؎ یہ حدیث حضرت امام جعفر صادقؒ نے اپنے والد امام محمد باقرؒ کے ذریعہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے حضرت جابرؓ کی حدیث میں صرف کتاب اللہ ہی ہے اور اس کے اعتصام کی تاکید ہے البتہ امام ترمذی نے اس حدیث یعنی حضرت امام جعفر صادقؒ نے اپنے والد حضرت امام محمد باقرؒ سے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی جو روایت کی ہے اس میں کتاب اللہ کے بعد "وعترتی اہل بیتی" کا اضافہ کر دیا ہے۔ ترمذی میں امام جعفر صادقؒ سے اس زیادتی کا روایت کرنے والا زید بن الحسن الانماطی ہے جو ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ یاد رہے کہ ترمذی کی اسی روایت میں عترتی اہل بیتی ضرور ہے مگر "الثقلین" یا "امرین" یا اس جیسا کوئی لفظ نہیں ہے علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ جزو ۴ صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے وقد سئل عن احمد بن حنبل فضعفہ و ضعفہ غیر واحد من اہل العلم وقالوا لا یصح۔ دوسری جگہ لکھا ہے وقد طعن غیر واحد من الحفاظ فی ہذہ الزیادۃ (وعترتی اہل بیتی وانہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض) وقال انہما لیست من الحدیث۔ علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول مسائل الامام احمد میں دیکھا جائے۔

قرآن کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ قرآنی مطالب کی تفسیر و توضیح آپ کا منصب رسالت تھا۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (سورہ نحل)
ہم نے تو تم پر قرآن نازل کیا تا کہ ان کے لئے نازل شدہ قرآن کی آپ توضیح کریں۔

اس تفسیر و توضیح کا نام حدیث و سنت ہے تو دین کے دو جزو ٹھہرے۔ قرآن و سنت۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں[1]۔

---

[1] یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ بات امام مالکؒ نے بغیر سند فرما دی ہے کیونکہ جن علما نے موطاؒ کی شرح لکھی ہے انھوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ امام مالکؒ کے تمام بلاغات (بغیر سند بیان کی ہوئی روایتیں) سب مرفوع ہیں بجز چار کے اور ان چار میں یہ نہیں ہے۔ اس بلاغ کے متعلق ابن عیینہؒ فرماتے ہیں ان بلاغہ صحیح (زرقانی شرح موطا جزو ۴ صفحہ ۲۴۶) علامہ ابن عبد البرؒ نے تجرید میں لکھا ہے۔ ھذا حدیث محفوظ مشہور عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند اہل العلم شہرۃ یکاد یستغنی بہا عن الاسناد۔ (زرقانی جزو ۴ کتاب القدر ص۸۶) میں اس مرسل حدیث کی یہ سند ہے کہ کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف عن ابیہ عن جدہ۔ اس سند سے حدیث متصل ہو گئی ابو نعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان جزو اول صفحہ ۱۰۳ میں یہ سند لکھی ہے۔ حدثنا عبد اللہ بن محمد احمد بن الخطاب حدثنا طالوت بن عباد حدثنا ہشام بن سلیمان عن یزید الرقاشی عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ترکت فیکم بعدی ما ان اخذتم لن تضلوا۔ کتاب اللہ وسنۃ نبیکم۔ یہ مضمون حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس فی حجۃ الوداع انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ الحدیث۔ (مستدرک حاکم کتاب العلم جزء ۱ ص ۹۳) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ۔
حضورؐ نے فرمایا میں تمہارے مابین دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک ان پر عمل کرو گے گمراہ نہ ہو گے یہ دونوں چیزیں کتاب اللہ اور سنت رسول ہیں۔

(موطاؒ باب النہی عن القول فی القدر، تنویر الحوالک جزء ۲ ص طبع دار الاحیاء الکتب العربیہ مصر)

(بقیہ حاشیہ سابقہ) السنن الکبریٰ للبیہقی باب آداب القاضی جزء ۱۰ ص ۱۱۴، کنز العمال الجزء الاول، الباب الثانی فی الاعتصام بالکتاب والسنت حدیث نمبر ۹۴۲ - ۹۹۵۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدہما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (مستدرک حاکم کتاب العلم جزء ۱ ص ۹۳) السنن الکبریٰ البیہقی باب آداب القاضی جزء ۱ ص ۱۱۴ کنز العمال الجزء الاول الباب الثانی فی الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۸۷۶، ۸۷۷ - ۹۴۹ - ۹۵۶ - الترغیب والترہیب للمنذری ج ۱ ص۳۸

لطیفہ:- حضرت ابوہریرہؓ کی جو حدیث مجمع الزوائد میں مسند بزاز کے حوالے سے اہل بیت کے فضائل کے باب میں ہے "سنتی" کا لفظ کسی کاتب کی سہو نظری سے یا کسی راوی کی مسامحت سے نسبی بن گیا ہے۔ اس لئے یہ حدیث فضائل اہل بیت کے باب میں داخل کر دی گئی۔ اس غلطی کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت کے راوی صالح بن موسیٰ ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے تذکرہ میں اس روایت میں سنتی کا لفظ درج کیا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم اور مسند ابن حنبل جزء ۴ ص ۳۶۶-۳۶۷ میں زید بن ارقمؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں قرآن کی اہمیت بتلائی گئی ہے البتہ ان دونوں کی اس روایت میں ثقلین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر صرف ایک ثقل کی تعیین اور تصریح کی گئی ہے اور اختصاراً دوسرے ثقل کا کسی راوی نے تذکرہ نہیں کیا محدثوں میں اس کی مثال عبد القیس کے وفد کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "امرکم باربع" فرمایا اور حدیث میں صرف ایک چیز کا بیان ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تواب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے بعد پھر فقہ کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے اس سوال کے وزن کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ایک حقیقت جو آپ کے اور ہمارے سامنے ہے اس سے آنکھیں بند کر لینا بھی عقل سے بہت بعید بات ہے۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) باقی تین چیزوں کا بیان نہیں۔ اسی طرح ثقلین کی حدیث میں ایک ثقل کا ذکر ہے۔ دوسرے ثقل دامر) کا ذکر رہ گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت انسؓ کی حدیثوں میں ہے کہ دوسرا امر جو بیان ہوا ہو وہ سنت ہے تو حدیث ثقلین میں جو دوسرا امر متروک ہو گیا ہے اس کو بھی سنت ہی سمجھنا قرین قیاس ہے اس کی تائید بکثرت آیات قرآنی سے ہوتی ہے۔ ثقلین کی حدیث ذیل میں درج ہے۔

عن زید بن ارقم قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا بماء یدعی خما بین مکۃ والمدینۃ فقال اما بعد ایھا الناس انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجیب ربی وانی تارک فیکم ثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدی والنور فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہ فحث علی کتاب اللہ ورغب فیہ ثم قال واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔ (صحیح مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۶۶-۳۶۷)

یہ مطالبہ کہ حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث میں ثقلین کے دوسرے ثقل کی تعیین حضرت زید ابن ارقمؓ کی خود اس روایت سے کیوں نہیں کی جاتی۔ اس میں اہل بیت کا تذکرہ موجود ہی ہے اور دوسری حدیثیں جن میں ثقلین کو کھول بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض میں عترۃ کا لفظ موجود ہے تو متروک شدہ دوسرا ثقل عترۃ کیوں نہ سمجھا جائے۔ تو عرض ہے کہ قرآن و سنت کے تمسک و اعتصام کے معنی کھلے ہوئے ہیں کہ ہم قرآن و سنت کے احکام کی پابندی یکساں طریقے سے کریں اگر اہل بیت یا عترت سے اعتصام کو مامور بہ مان لیا جائے تو اولاً حدیث میں اضطراب ہوگا اور حدیث کا اضطراب حدیث کو ضعیف بناتا ہے ثانیاً سنت سے اعتصام کی تائید قرآن سے ہوتی ہے اور عترۃ سے اعتصام کی تائید قرآن سے نہیں ہوتی ثالثاً اس اضطراب سے قطع نظر بھی کر لیں تو پھر عترۃ اور اہل بیت سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرآن میں بہت سی عبادتوں کے احکام ہیں بعض بعض عبادتوں کے ایک سے زیادہ اجزا بیان کئے گئے ہیں ان عبادتوں کے اجزاء کی ترتیب اور ان کی تمام کیفیتوں کا مفصل ذکر قرآن میں نہیں ہے بہت سے معاملات کے حکم آپ کو قرآن میں ملیں گے۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) اعتصام کے کیا معنی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا وہ محمل تلاش کرنا اور وہ معنے لینا جن پر عمل ہو سکے اس سے بہتر ہے کہ ایسا محمل اختیار کریں جو کہ ناقابلِ فہم ہونے کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہو۔

کیا عترت کے علم کو ہم اپنے مسائل کی دلیل بنائیں یا ان کے عمل کو اور ظاہر بات ہے کہ سنت کے دفتر میں جو ہمہ گیری و جامعیت ہے وہ عترت کے علم و عمل میں ہم کو نہیں مل سکتی ان عترت سے جو مسائل نقل کئے گئے ہیں یا ان کے عمل سے جو مسائل مستنبط ہوئے ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں اور ان سے پورے دین کی تشریح نہیں ہو سکتی اور سنت تو ہمارے زندگی کے تمام اجتماعی و انفرادی احکام پر حاوی ہے یہ بات بھی نظر انداز کی جانے کے قابل نہیں ہو سکتی کہ اہل بیت تو قرآن اور عرف عام کی اصطلاح میں امہات المومنین ہی ہیں جن کا دور حضرت ام سلمہؓ پر ختم ہو گیا ان کا انتقال ۶۱ھ میں ہوا۔ اور اگر عترۃ کے معنی عشیرۃ کے لیے جائیں جیسا کہ مجمع الزوائد کی اس روایت میں عترتی کے بجائے عشیرتی کا لفظ ہے تو کسی خاص صدی تک آپ کے اہلِ خاندان مراد ہوں گے یا قیامت تک۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ کے خاندان کا ہر فرد خواہ اسے دین کا علم ہو یا نہ ہو یا علم دین میں ماہرانہ امتیاز رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو مراد نہیں ہو سکتا اور نہ قیامت تک جو آپ کی اولاد ہوتی رہے اس کا اعتصام ہم پر ضروری ہے لامحالہ آپ کی اولاد کے کچھ مخصوص افراد کو کسی دلیل کی بنیاد پر متعین کرنا ہوگا مگر اس تخصیص کی تو کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

اس طرح یہ مطالبہ بھی صحیح نہیں کہ حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت جو صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبل کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے اور اس میں عترۃ کا لفظ بھی ہے یا حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اخلاقی ہدایتیں بھی قرآن میں کم نہیں ہیں بلکہ جو جو الہٰی کتابیں کہی جاتی ہیں ان سب سے زیادہ اخلاقی ہدایتیں قرآن میں ملیں گی۔ حدیث میں بھی یہ تمام باتیں آپ کو

(بقیہ حاشیہ سابقہ) اس سے دوسرے ثقل کی تعیین عترۃ سے کی جائے کیونکہ وہ سب ضعیف روایتیں ہیں اور عقیدہ کے لئے روایت کا صحیح ہونا بھی کافی نہیں بلکہ متواتر ہونے کی شرط ہے اس سے کم درجہ کی روایت سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اس پر بھی آپ غور کیجیے کہ یہ سب سوالات باقی روایتوں میں بھی ہوں گے اور ایمان کی بات یہ ہے کہ ان کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں اہل بیت کی جو تفسیر زید بن ارقم رضی سے روایت کی گئی ہے کہ وہ نبی ہاشم مراد ہیں جن کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں اس تفسیر سے بھی سوالات بالاصل نہیں ہوتے۔

کتاب اللہ کے ساتھ عترتی کا لفظ ذیل کی اور صحابہ رضی کی روایتوں میں بھی ہے۔ بڑی تلاش سے چھ صحابہ کی روایتوں کا پتہ چلا ہے اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ان سے زیادہ صحابہ کی روایتیں کسی معتبر کتاب میں نہیں مل سکتیں تو اس کا رد کرنا ہرگز آسان نہیں۔ بہر حال آپ روایتوں کے حالات پڑھیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی کی جو حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں ہے اس میں حجۃ الوداع کے خطبہ میں صرف کتاب اللہ ہے دیکھیے کنز العمال ج ۱۔ الکتاب الاول فی الایمان والاسلام الباب الثانی فی الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر ۸۷۱، ۸۷۲، ۹۵۲ ترمذی میں وعترتی اہل بیتی کا اضافہ ہے اس کا دارومدار زید بن الحسن الانماطی پر ہے۔ یہ منکر الحدیث ہے یعنی اس کی روایت قابل قبول نہیں یہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

(۲) حضرت زید بن ارقم رضی (ترمذی) انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (کنز العمال حدیث نمبر ۸۷۴، ۸۹۹) ان دونوں میں بے اس کی صراحت نہیں ہے کہ دو سرا امر عترتی ہے عترتی و اہل بیتی کا تذکرہ ضروری ہے جیسا کہ مسلم اور مسند احمد سے نقل کر چکی ہوں۔ حدیث نمبر ۸۹۹ میں صرف اہل بیتی آیا ہے "عترتی"۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملیں گی لیکن قرآن و سنت کے جو واضح احکام ہیں صرف ان ہی پر عمل کی اجازت دیں اور باقی امور سے روک دیں تو پھر ہمارے لئے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں اور ان دونوں طرح کے طرز زندگی میں اسلام دوسرے مذہبوں سے

(بقیہ حاشیہ سابقہ) نہیں آیا مسلم والی حدیث حضرت زید بن ارقم رضی کی حدیث ۹۵۱ - ۹۵۴، ۹۵۸ میں کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی کے الفاظ ہیں جب عترۃ سے مراد اہل بیت ہیں تو وہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حدیث ۹۴۸ بالکل حضرت زید بن ارقم رضی کی حدیث کے مماثل ہے مستدرک حاکم میں جو زید بن ارقم رضی کی حدیث ہے اس میں عترتی نہیں ہے۔ ترمذی و مجمع الزوائد میں جو زید بن ارقم رضی کی روایت ہے اس میں والآخر عترتی کا لفظ ہے۔ انھما یتفرقا عنھما حتی یردا علی الحوض مگر اس کے راوی حکیم ابن جبیر ہیں جن کو علامہ الہیثمی نے ضعیف بتلایا ہے (ج ۹ ص ۱۶۴) حدیث نمبر ۹۵۴ میں احدھما اکبر من الآخر کا لفظ بڑھا ہوا ہے اور ظاہر بات ہے کہ کوئی چیز کتاب اللہ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی یہ جملہ حدیث کو ضعیف قرار دینے کی بڑی دلیل ہے۔ ۸۷۴ میں اعظم کا لفظ ہے۔

(۳) عن زید بن ثابت رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم خلیفتین کتاب اللہ عزوجل وعترتی اہل بیتی۔ دیکھیے کنز العمال حدیث ۹۴۶، ۹۴۷، ۱۶۶۹ ان کی روایت مسند امام احمد بن حنبل میں بھی ہے اس کے راوی شریک بن عبد اللہ النخعی القاضی ہیں جو قاضی ہو جانے کے بعد کثیر الخطاء اور سیئ الحفظ ہو گئے تھے یہ مدلس بھی ہیں۔ انھوں نے سماع و تحدیث کی تصریح بھی نہیں کی اور پھر عقیدہ میں صحیح حدیث بھی دلیل نہیں بنتی۔

(۴) عن ابو سعید خدری رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین احدھما اکبر من الآخر کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی وانھما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امتیاز ختم ہو جاتا ہے وہ دو صورتیں یہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم معطل ہو کر زندگی گزاریں زندگی کے بہت سے کاروبار سے راہبوں کی طرح کنارہ کش ہو جائیں اور اس طرح انسانیت پر بار بنیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ہم مذہب سے بے نیاز ہو کر من مانی زندگی گزاریں جس کام اور جس طریقہ میں

(بقیہ حاشیہ سابقہ) رواہ الطبرانی (مجمع الزوائد جزء ۹ ص ۱۶۴) دیکھیے کنز العمال حوالہ بالا حدیث نمبر ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۵۰، ۹۵۳ ان کی جو روایت ترمذی و مسند احمد میں ہے اس کا دار و مدار عطیہ بن سعد العوفی پر ہے، یہ شیعہ ہے اور شیعہ کی حدیث جو اس کے مذہب کی تائید میں ہو قبول نہیں کی جا سکتی یہ مدلس بھی ہے اور بہت غلطی کرتا ہے، حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایتوں کا ایک راوی ابو اسرائیل الملائی ہے، اس کا حافظہ خراب ہے اور بہت غالی شیعہ ہے اور کثیر النزاع بھی عطیہ سے اس کو روایت کرتے ہیں وہ شیعہ ہے اور ضعیف الروایت بھی، عبد الملک بن ابی سلیمان العرزمی بھی اس کے راوی ہیں، وہ بھی غلطی کرتے ہیں حدیث نمبر ۹۵۰ میں یہ جملہ بڑھا ہوا ہے احدھما اکبر من الآخر۔ حدیث نمبر ۱۶۵۹ کے الفاظ احدھما افضل من الآخر ہیں کتاب اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز افضل نہیں ہو سکتی۔ سند کی کمزوری کے ساتھ ساتھ متن میں اس جملہ کا ہونا حدیث کو ضعیف قرار دیتا ہے حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث نمبر ۹۵۷ میں صرف کتاب اللہ ہے۔

(۵) حذیفہ بن اسید الغفاری۔ وانی سائلکم من الثقلین فانظروا کیف تخلفونی فیہما الثقل الاکبر کتاب اللہ عز وجل سبب طرفہ بید اللہ عز وجل وطرفہ بایدیکم فاستمسکوا بہ لا تضلوا ولا تبدلوا وعترتی اہل بیتی۔ رواہ الطبرانی (مجمع الزوائد ص ۱۶۴، ۱۶۵) دیکھو کنز العمال حدیث ۹۵۹ اس کا راوی زید بن الحسن الانماطی ہے اس پر جرح نقل ہو چکی ہے۔

(۶) عن علی ابن ابی طالبؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی مقبوض وانی قد ترکت فیکم الثقلین یعنی کتاب اللہ واہل بیتی وانکم لن تضلوا بعدھما اس کے راوی ہیں الحارث جو ضعیف الروایت ہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دنیا کا نفع یا حفظِ نفس پائیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر ان کو کرلیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے بھی یا نہیں اس کی پرواہ نہ کریں، اگر ہدایتیں موجود ہیں تو ان کی پائمالی سے ہمیں ذرہ برابر بھی ملال نہ ہو۔

دوسرے مذاہب پر اسلام کے امتیاز کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں زندگی کے ہر مرحلہ کی ایسی ہدایتیں ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا کا کام آگے بڑھانے میں کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ دعویٰ غلط ہو جائے گا خواہ ان دو صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کی جائے۔ تو اب یہی ایک صورت ہے کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کرلیں کہ قرآن و حدیث کے صریح احکام کے سوا ان دونوں سے جو اصول و کلیات اخذ کئے گئے ہیں ان سے استنباط کئے ہوئے کچھ احکام ایسے بھی ہیں کہ دشواری و مشکلات میں ان پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی زندگی کے ہر قسم کے کام انجام دے سکتے ہیں ان اصول و کلیات سے مستنبط کئے ہوئے احکام پر عمل بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی پر عمل مانا جائے گا۔ ان پر عمل سے ہم اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہیں ٹھیریں گے بلکہ شریعت الٰہیہ پر عمل کا ہم کو اجر ملے گا ان دو باتوں کی

(بقیہ حاشیہ سابقہ) دیکھیے مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۱۶۳۔

ان چند روایتوں میں اس جملہ کا اضافہ ہے وانھما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔ یہ قرآن کے ساتھ سنت ہو تو صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن کے ساتھ عترۃ یا اہل بیت ہو تو اس جملہ کا مطلب انسان کی عام فہم سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ قرآن کا عترۃ کے ساتھ یہ اجتماع کہاں کہاں پایا جاتا رہا۔ اس واقعہ کا اگر ہم سے تاریخی طور پر سوال کیا جائے تو اس اجتماع کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی تو ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے عجز کا اعتراف کریں اور کہہ دیں کہ قرآن و عترت کے اجتماع کے زمانے نہیں بتلائے جا سکتے۔

طرف توجہ فرمائی جائے۔ اگر آپ نے توجہ کی تو آپ پر علم کا غور و فکر کا جو حق ہے وہ بھی ادا ہوگا اور ہمارے اس دعوے کی صحت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ اسلام ہر موقع و محل پر نہ صرف رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ رہنمائی کرتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن و حدیث میں جو احکام ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ شمار کر لیے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ محدود احکام ہی شمار کئے جا سکتے ہیں اگر قرآن و حدیث کے احکام کو غیر محدود کہا جاتا ہے تو پھر شمار میں نہیں آ سکتے۔ لیکن ہمارے علماء صاف صاف اس کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ محدود ہیں مُلا جیون تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ ان آیتوں کی گنتی کا شمار کر لیا گیا ہے جو بمشکل ڈیڑھ سو تک پہنچا ہے جن سے احکام قرآن مستنبط ہوتے ہیں حدیثوں کا بھی یہی حال ہے کہ بمشکل سے پانچ سو حدیثیں احکام کی ہیں۔ قرآن و حدیث میں کچھ اصول کلّی بھی ہیں جن سے ہم بہت سے جزئیات یعنی خاص خاص واقعات کا حکم معلوم کر سکتے ہیں بہرحال ہم یہ سب تسلیم کرتے ہیں لیکن بڑی زبردستی کی بات ہوگی اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ہر نئے واقعہ کا حکم قرآن و حدیث یا ان دونوں سے (جو کلیات مستنبط ہیں) ان تینوں میں سے کسی ایک میں ضرور مل جاتا ہے کیونکہ نت نئے ان گنت واقعات پیدا ہوتے جاتے ہیں تو اب جس پیش آنے والے واقعہ کا حکم ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ حکم نہ قرآن و حدیث کے صریح احکام میں ملتا ہے نہ اصولی و کلّی احکام ہیں، تو اب اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جن باتوں کا حکم ہمیں بتایا گیا ہے ان کے ذریعہ سے اس نئے واقعہ کا حکم معلوم کرنے کی سعی کریں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

وكانت الحوادث لا تنقطع الاحرر لم يكن ما نعوا لادائل كافيا	واقعات کسی درجہ پر ختم نہیں ہو جاتے اگلے علماء نے جو فتوؤں کے جواب دیئے ہیں وہ تمام نئے نئے واقعات

لجميع الحوادث فاضطروا الى التخريج على نصوصهم ثم جمع الفتاوى والواقعات ثم ترجيح بعض الاقوال والوجوه على بعض[1]	کے لئے کافی نہیں ہو سکتے تو ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان پچھلے فتوؤں کی روشنی میں اس نئے واقعہ کا حکم معلوم کریں اور اس سلسلے میں فتوے جمع کئے جائیں اختلاف کی صورت میں ترجیح دے کر فتویٰ دیا جائے۔

ان حالات میں ہمارے لئے بس یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہر نیا واقعہ جو ہمارے سامنے آئے ہم دیکھیں کہ وہ ان پرانے واقعات میں سے کس سے زیادہ قریب ہے اور اس نئے واقعہ کے حالات ان پُرانے واقعات میں سے کس سے زیادہ ملتے جلتے ہیں نیز یہ بھی دیکھیں کہ ان دونوں واقعات میں سے کوئی امر مشترک نکلتا ہے یا نہیں یا جو فرق ان دونوں واقعات کے حالات میں ایک دوسرے سے ہو اس کی تاثیر دیکھیں کہ اس کے حکم پر کس درجہ تک ہو سکتی ہے۔ ان تمام باتوں پر پوری طرح غور کر کے جو حکم لگائیں گے اس کا نام اجتہاد ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو ہدایت نامہ (احکام قضاء) بھیجا تھا اس میں ایسے نئے واقعات کے متعلق لکھا ہے۔

الفهم الفهم فى ما يختلج فى صدرك مما لم يبلغك فى الكتاب والسنة اعرف الامثال والا شباه ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الى احبها الى الله و اشبهها بالحق فى ما ترى[2]	اس مسئلہ میں خوب اچھی طرح سوچ سمجھ سے کام لو جس میں تم کو اطمینان نہ ہو اور قرآن و سنت سے بھی کوئی حکم معلوم نہ ہو سکے تو اس طرح کے اور ملتے جلتے واقعات پر خوب نظر ڈالو پھر اجتہاد سے کام لو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس حکم کو پسند کرے گا اور حق سے قریب کونسا فتویٰ ہو گا۔

سیدنا عمرؓ کے اس قول سے اجتہاد کی یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ جس واقعہ کے حکم کا

---

[1] السر المکتوم، ص ۹۵۔ [2] دار قطنی، ص ۵۱۲

قرآن و سنت میں پتہ نہ چلے صرف وہاں عقل سے کام لیا جائے۔ عقل سے کام لینے کی کیا صورت ہو اس کی رہبری بھی حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس طرح فرمائی کہ اس واقعہ سے ملتے جلتے واقعات کا پتہ چلایا جائے پھر دیکھا جائے کہ ان واقعات کے قرآن و سنت میں جو احکام ہیں ان میں سے اس واقعہ کے متعلق کونسا حکم حق سے قریب تر ہے اور اس موقعہ پر جس کا نفاذ اور اجراء اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کا باعث رہے گا، تمھارا فتویٰ وہی ہو۔

الاسلام يجمع بين الدين والشريعة اما الدين فقد استوفاه الله كله في كتابه الكريم ولم يكل الناس الى عقولهم في شئ منه اما الشريعة فقد استوفى اصولها ثم ترك للنظر الاجتهاد في تفصيلها۔[1]

اسلام میں جو چیزیں ہیں ان میں ایک تو دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں پورا پورا بیان کر دیا اور اس میں انسانی عقل کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی۔ دوسری چیز شریعت ہے اس کے اصول بیان کر دیئے تاکہ انسان سوچ بچار کر کے ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کر سکے اللہ تعالیٰ نے شریعت میں لچک رکھی ہے کبھی حالات زمانہ تبدیلی کے طالب ہوتے ہیں اگر زمانہ کے تقاضے کو پورا کرنے کی لچک نہ رکھی جائے تو لوگوں کا دین پر قائم رہنا مشکل ہو جائیگا، اس کے لئے اجتہاد ضروری قرار پاتا ہے۔

دوسری بات جو غور و خوض کی طالب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے نماز کا حکم دیا اور سنت نے اس کی شکل معیّن کی اب دیکھنا یہ ہے کہ نماز میں ہم جو جو عمل کرتے ہیں کیا ان میں ہر ایک کا ایک ہی درجہ ہے؟ کیا نماز کا ہر جزو ایک ہی اہمیت کا حامل ہے۔ مختلف اوقات کی فرض نمازوں سے قبل و بعد سنت و نفل کی رکعتیں جو مختلف تعداد میں روائت کی گئی ہیں کیا سب ایک ہی درجہ کی ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی یہ دعویٰ نہیں

---

[1] کتاب الاعتصام، علامہ شاطبیؒ

کر سکتا۔

فقہا نے یہی کام کیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ اس معین شکل میں کون کون سے حصے فرض ہیں اور کون سے واجب، کون سے سنت ہیں اور کون سے مستحب اور انھوں نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ اُن نفل رکعتوں میں کس نفل کا کیا درجہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا کہ کن باتوں سے ہماری نماز درست نہیں رہتی اور کن باتوں سے نماز کا ایسا نقص پیدا ہوتا ہے کہ جس کی تلافی کی شکل ہم کو سنت میں مل جاتی ہے اور کن باتوں سے نماز اپنے اعلیٰ درجہ سے گر جاتی ہے اور اس گرنے کے بھی کئی درجے ہیں ان میں سے بعض کے دور کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی سوائے توبہ و استغفار کے اور کوئی صورت نہیں۔ یہ درجہ بندی فقہا نے اجتہاد ہی سے کی ہے۔ بہت سی عبادات، معاملات اور اخلاق کی درجہ بندی فقہ ہی کی رہین منت ہے۔

ایک مثال ہے کہ قرآن نے ہم کو بیع کی اجازت دی ہے سنت نے اس کے لیے ایجاب و قبول اور خاص طرز ادا کو ضروری قرار دیا ہے لیکن بیچنے والے اور خریداران میں سے ہر ایک کے لئے ایجاب و قبول کے الفاظ کا خود ان کی زبان سے ادا کرنا ضروری قرار نہیں دیا۔ اس طرح بیع کے معاملہ کی تکمیل کے لئے دو گواہ ضروری قرار نہیں دیئے، یعنی سنت سے اس کے کچھ اجزاء ضرور معلوم ہوئے لیکن کون سے اجزاء اس کے لئے بیحد ضروری ہیں اور کون سے اجزاء کی اہمیت اس سے کم درجہ پر ہے اور کن اجزاء کی اہمیت اس سے بھی کم درجہ پر ہے، ان درجوں کا تفاوت ہم کو فقہ ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

معاملات میں ایک معاشرتی معاملہ نکاح کا ہے بیع میں جس طرح ایجاب و قبول ضروری ہے، نکاح میں بھی ایجاب و قبول لازمی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ

ایجاب وقبول کا متعاقدین یا ان کے قائم مقام کی زبان سے ادا ہونا ضروری ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اگر اس کو نہ ادا کرے اور جب تک دو گواہ نہ ہوں تو نکاح منعقد نہ ہوگا حالانکہ بیع کی تکمیل کے لئے ایجاب وقبول کافی ہے اور بیع میں ایجاب وقبول کی علامتیں بھی اکثر موقعہ پر ایجاب وقبول کے قائم مقام بن جاتی ہے۔ انعقاد بیع کے لئے دو گواہ تو کیا ایک گواہ بھی ضروری نہیں۔ یہ تمام باتیں فقہا ہی طے کرتے ہیں اور بتاتے ہیں۔ اس قسم کی ہزاروں مثالیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، بیع، شرا، رہن، ہبہ، نکاح اور عدت وغیرہ میں ملتی ہیں ان میں قرآن وحدیث کی خاص و عام ہدایتوں کے باوجود زندگی کے بہت سے مرحلے ہیں جن میں ہم کو ہدایت کی تشنگی اور حاجت باقی رہ جاتی ہے جس کو قرآن وسنت کی روشنی ہی میں فقہ نے دور کیا ہے۔ حدیث وقرآن کے صریح مسائل اور اجتہاد واستنباط والے مسائل کو فقہ ایک درجہ پر بھی نہیں رکھتی بلکہ قرآن وحدیث ماخوذ مسئلے اور اجتہاد سے مستنبط مسائل کے درجوں میں ایمان وعمل دونوں ہی کے لحاظ سے فرق کرتی ہے۔

فی صدر العهد العباسی تمکن الاستنباط واستغرقت اصوله وجعل لفظ الفقه ينتهي بالتدريج الى ان يكون غير مقصور على المعنى الاصلي الى الاستنباط من الادلة التي ليست نصوصاً[1]۔

عہد عباسی تک حدیث وسنت کے علاوہ اجتہاد سے جن مسائل کا حکم دیا جاتا تھا صرف اس کا نام فقہ ہوتا تھا گو اب فقہ صرف اجتہادی مسائل کا نام نہ رہا بلکہ عملی احکام خواہ وہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں یا ان سے مستنبط کئے ہوئے ہوں سب کا نام فقہ ہو گیا۔

---

[1] مصادر التشریع الاسلامی، ص ۲۰۴

چنانچہ بعد میں یہ ہوا:۔

والفقه هو نصوص القرآن والسنة الطاهرة المتبعة وما ارتضاه كبار الصحابة فما رواه لهم غيرهم من الصحابة او ما سمعوه هم وقليل من الفتوى صادرة عن آرائهم بعد الاجتهاد والبحث۔

فقہ قرآن وسنت کے واضح احکام ہیں صحابہ نے جو باتیں اختیار کی ہیں خواہ دوسرے صحابہ ہی نے ان کو روایت کیا ہو تھوڑے سے ان کی رائے کے فتوے جو بحث واجتہاد کے بعد انھوں نے دیے یہ سب چیزیں فقہ میں داخل ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے خوشی خوشی اس کی ہدایتوں کو قبول کر کے اپنی زندگی ان ہدایتوں کے مطابق بنائیں اسی لئے کثرت سے انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ اس سے آخر میں دلنشین پیرایہ والا عربی شیریں زبان میں قرآن اُتارا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خواہش بڑی شدت کے ساتھ تھی کہ اللہ کے بندے اس کے درِ اجابت پر جھکیں (حریص علیکم) اسی لئے قرآن وحدیث میں ہدایتوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی نفسیاتی غذائیں بھی مہیا کی گئی ہیں جو انسان میں اللہ کی ہدایتوں پر عمل کا جذبہ اور شوق بھی پیدا کرتی ہیں اور جن سے انسان دل کی رغبت سے ان ہدایتوں کا جویا ہو جاتا ہے۔ جن کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے مگر ہر شخص کو اتنی فرصت نہیں ملتی اور نہ ہر شخص کے عقل وفہم کی رسائی وبلندی اتنی ہے کہ قرآن وحدیث کے بحر بیکراں سے وقت کے وقت اپنے کام کی ہدایتوں کو چن لے۔ علمائے امت نے امت پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ان کے لئے عبادات، معاملات اور اخلاق کی جو ہدایتیں ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک جگہ کر دیا۔ پھر باب وار تقسیم سے ہر نوع کے مسائل جدا جدا جمع کر دیے پھر کس وقت کون سا

عمل اہمیت کے لحاظ سے کس درجہ پر ہے اس کی درجہ بندی اس طرح کردی کہ اب ہم اپنی ضرورت کے مسائل بہ آسانی اپنے تھوڑے وقت میں معلوم کرسکتے ہیں۔ فقہائے اُمت نے خاص طور پر عبادات و معاملات کی یہ درجہ بندی اس لئے کردی کہ ہمارے لئے یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے کہ ہمیں کس وقت کس ہدایت پہ عمل پیرا ہونا ہے۔ اور عمل کی اس درجہ بندی سے ہمارے لئے یہ آسان ہو گیا کہ معلوم کرلیں کہ یہ عمل ہم پر فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب۔ انھوں نے ان کے موانع و شرائط کی نشاندہی بھی کردی اور یہ بھی واضح کردیا کہ کون کون سی باتیں اس عمل کی حسن و خوبی کو بڑھاتی ہیں اس طرح جو فن یہ سب کام انجام دیتا ہے اسی کا نام فقہ رکھا۔[1]

---

[1] فقہ کے معنی پھاڑنے اور کھولنے کے ہیں لعد میں یہ لفظ پھاڑنے اور کھولنے کا نتیجہ "جان لینے اور سمجھ لینے" کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ والفقہ فی الاصل الفہم واشتقاقہ من الشق والفتح (نہایہ ابن اثیر جز ۳ ص ۴۳۷) والفقہ العلم بالشئ والفہم لہ۔ (لسان العرب جز ۱۷ ص ۴۱۸) فقہ درحقیقت دین کے احکام میں تہ تک پہنچنے کا نام ہے اور یہ سعادت بغیر تطہیر قلب و تزکیہ نفس کے حاصل نہیں ہوتی۔ اجتہاد کی شرطوں کا بیان جہاں آرہا ہے وہاں اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

علامہ رشید رضا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "ذکرت ھذہ اللفظۃ فی عشرین موضعا من القرآن تسعۃ عشر منہا تدل علی ان المراد بہ نوع خاص من دقۃ الفہم والتعمق فی العلم الذی یترتب علیہ الانتفاع بہ (جز ۲ ص ۴۲۱)"

علامہ رشید رضا نے اس کی سند حکیم ترمذی سے نقل کی ہے۔ وذکر حکیم الترمذی ھذا واستدل بہ علی ان الفقہ بالشئ وھو معرفۃ باطنہ والوصول

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اب ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اہل علم اس کام کو انجام دیں تو یہ دینی کام شمار ہوگا یا نہیں۔ اس فیصلے کے لئے چار باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الی اعماقہ فمن لم یعرف الاظواھر لا یسمی فقیہا" "الفقہ بالشئ" یعنی فقہ نام ہے کسی شے کی حقیقت کے علم کا اور اس شئے کی گہرائیوں میں پہونچ جانے کا۔ جو اشیاء کی صرف اوپر کی باتوں کو جانتا ہے اسے فقیہ نہیں کہیں گے۔

ان دونوں حضرات کا خیال اس لئے زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے کہ لغت اور تفسیر کے امام علامہ راغب اصفہانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ الفقہ ھو التوصل الی علم غائب بعلم شاھد فھو اخص من العلم۔ (المفردات ص ۳۹۱) "فقہ ظاہری علم سے باطن کے علم تک پہنچنا ہے، وہ علم کی ایک خاص نوع ہے۔

اس لئے فقہاء نے فقیہ کی تعریف کی: الفقیہ من بین قوت النظر۔ الفقیہ العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقھا ویفتح ما استغلق منھا۔ (طحطاوی حاشیہ الدر المختار مقدمہ ص ۲۵ القاہرہ ۱۲۵۴ھ) فقیہ دقیق النظر کو کہتے ہیں۔ فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام چن چن کر بیان کرتا ہے پھر ان حقائق کی کھوج لگاتا ہے: اس میں جو اسرار پنہاں ہیں ان کو کھولتا ہے۔

اس تیسری منزل پر فقہ کے معنی کی ترقی رکی نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہوتا گیا پس فقہ اس علم کا نام ہو گیا جس میں دقیقہ رسی ہو اور جس علم کا مقصد اس پر عمل کرنا ہو اور یہ بات علم دین ہی پر صادق آسکتی ہے۔ وغلب علی الدین لسیادتہ وشرفہ وفضلہ علی سائر انواع العلم (لسان العرب ص ۴۱۸) فقہ کثرت سے علم دین کو کہنے لگے کیونکہ دین کا علم تمام علوم پر فضیلت و شرف رکھتا ہے بزرگی اس علم دین ہی کو حاصل ہے۔

وجعلہ العرف خاصا بعلم الشریعۃ وتخصیصھا بعلم الفروع منھا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) اجتہاد کسے کہتے ہیں (۲) کیا شریعت نے اجتہاد کی اجازت دی ہے (۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ کے عمل سے اجتہاد کے سلسلے میں کسی مسلک کا پتہ چلتا ہے (۴) کن مواقع پر اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) (نہایہ جزء ۳ ص ۲۳۷) عرف میں شریعت کے علم کا نام فقہ ہو گیا۔ اس میں بھی جزئیات کے علم کو فقہ کہا جانے لگا۔

درمختار میں بھی یہ مضمون ہے بحر الرائق میں فقہ کے لغوی معنی کے بعد ہے۔ وهو الوقوف على معان نصوص الشريعة واشاراتها ودلالاتها ومضمراتها ومقتضياتها والفقيه اسم للواقف عليها (ج ۱ ص ۲) "فقہ شریعت کے نصوص (قرآن وسنت) سے واقف ہونے کا نام ہے۔ پھر ان نصوص کے اشارات ومضمرات ومقتضیات سے واقفیت بھی فقہ ہی میں شمار ہونے لگی اور جو ان باتوں سے واقف ہو اس کو فقیہ کہنے لگے۔

ان عبارات بالا سے فقہ کی جو حقیقت معلوم ہوئی اس میں قرآن وسنت سے کہاں منافات وغیریت ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے فقہ کی حیثیت اس طرح سے منکشف کی ہے جس سے قرآن وحدیث کا تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ان الفقه معقول من منقول قرآن وسنت کی باتوں کو اصولی کلی طور پر بیان کر دینا فقہ ہے (الاشباہ والنظائر جز ۱ ص ۵)

اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کے معنی مرور زمانہ سے بدلتے رہے جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

ان الناس تصرفوا في اسم الفقه فخصوه بعلم الفتوى والوقوف على دلائلها وعللها واسم الفقه في العصر الاول كان مطلقا على علم الآخرة ومعرفة دقائق النفوس والاطلاع على الآخرة وحقارة الدنيا۔

علماء نے فقہ کے معنی بدل دیئے ہیں فتویٰ اور جن بنیادوں اور اسباب کی بناء پر فتوے دیئے جاتے ہیں ان سب کو فقہ کہا جانے لگا۔ پہلے زمانے میں آخرت کے علم کا نام فقہ تھا نفس کی گہری تمناؤں کو پہچاننا اور (اس کا رخ) آخرت کی طرف پھیر کر آخرت ہی کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے اور دنیا کو حقیر جاننے کو فقہ کہتے تھے۔

(۱) اجتہاد کے متعلق بہت سی بحثیں ہو سکتی ہیں۔ کچھ نئے سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں فقہ دینی علم ہے یا نہیں۔ اس کے فیصلے کے لئے صرف ان چار باتوں پر روشنی ڈالنی کافی ہے اس لئے مزید بحثوں سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

سُنت پر عمل پیرا ہونے کا سب سے زیادہ دعویدار ایک طبقہ بڑے شدومد سے قیاس ہی کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ جس پر اجتہاد کی بنیاد ہے۔ اس لئے قرآن مجید سے اس کی اجازت کا جو پتہ چلتا ہے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اجتہاد کے واقعات پیش کئے جا رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اس کی تائید میں دیگر صحابہ کا متفقہ عمل پیش کیا جا رہا ہے تاکہ سب سے زیادہ اتباع سنت میں امتیاز کا دعویدار طبقہ اس سنت کو رد کرنے کی بجائے مستحق عمل سمجھنے میں تامل نہ کرے اصل اتباع روح شریعت کو سمجھ کے شریعت پر عمل کرنا ہے اور جہاں صریحاً کوئی حکم شریعت میں نہ ملے تو پھر جو حکم دینی اصول کے اتباع میں روح شریعت کے زیادہ قریب ہو گا۔ اس پر عمل کو دین سے خارج یا دین پر اضافہ نہیں کہہ سکتے فقہ کی تاریخ میں صحابہؓ کا عمل ملاحظہ فرمائیے۔

بينا انهم كانوا (الصحابة) يعمدون الى الفتوى بالرأي ان لم يكن هنالك عندهم في الحادثة نصٌّ من القرآن والسنة والرأي عندهم انما كان للعمل بما يرونه مصلحة واقرب للروح التشريع الاسلامي من غير نظر الى ان يكون هناك

ہم بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ اجتہاد و قیاس سے اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے جہاں نص (قرآن وسنت) ان کو نہ ملے ہاں! وہ عمل طے کرتے تھے جس میں مصلحت ہوتی تھی اور روح شریعت سے جو قریب صورت ہوتی تھی اس کا حکم دیتے تھے پھر وہ نہیں دیکھتے تھے

لہ اصول اجتہاد، شرائط اجتہاد، مواقع اجتہاد اور شرائط مجتہد۔

اصل معین للحادثة اولا یکون[1]۔

کہ قرآن و سنت میں اس کا کوئی حکم ہے یا نہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہے اصولِ فقہ کا متفقہ فیصلہ ہے۔

وجملة القول ان التشریع فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم کما بینّا آنفًا علی الوحی من الکتاب والسنة وعلی الرأی من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن اهل النظر والاجتهاد من اصحابه بدون تدقیق فی تحدید الرأی وتفصیل وجوهه من دون تنازع والاشتقاق بینهم۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شریعت کا مدار وحی (کتاب و سنت) پر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ میں جو اہلِ نظر اور اجتہاد کے قابل تھے ان کی رائے پر مدار تھا رائے کے معنی کی کوئی حد بندی نہ تھی اور نہ رائے کے طریقوں کی تفصیل تھی اور اس بارے میں کوئی اختلاف تک نہ تھا۔

ومضی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجاء بعدہ عهد الخلفاء الراشدین من سنة ۶۳۲ الی ۶۶۰ وقد اتفق الصحابة فی هذا العهد علی استعمال القیاس فی الوقائع التی لا نص فیها من غیر نکیر من احد منهم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ گزر گیا پھر خلفائے راشدین کا عہد ۶۳۲ء سے ۶۶۰ء تک گزر گیا اور بالاتفاق ان سب زمانوں میں قیاس سے ان تمام مسئلوں میں کام لیا جاتا رہا جن مسئلوں میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت نہ تھی۔

(۱) اجتہاد کیا ہے اسے پہلے معلوم کیجئے۔

علامہ ابوالحسن علی ابن علی بن محمد بن سالم الثعلبیؒ الملقب بسیف الدین الآمدی (المتوفی ۶۳۱ھ) کہتے ہیں۔

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی بشیخ محمد خضری۔

اما الاجتهاد فهو فی اللغة عبارة من استفراغ الوسع فی تحقیق امر من الامور مستلزم للکلفة والمشقة ولهذا یقال: اجتهد فلان فی حمل حجر البزارة ولا یقال اجتهد فلان فی حمل خردلة وما فی اصطلاح الاصولیین فمخصوص باستفراغ الوسع فی طلب الظن بشئ من الاحکام الشرعیة علی وجه یحس من النفس العجز عن المزید فیه[1]۔

لغت میں اجتہاد کسی کام میں اتنی طاقت خرچ کرنے کو کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ خرچ کرنا بس میں نہ ہو جس میں انسان کلفت و مشقت محسوس کرے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کپڑے بیچنے والے کی گٹھری اٹھانے میں فلاں نے محنت اٹھائی۔ نہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے رائی کے اٹھانے میں محنت اٹھائی۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے اس نقطۂ نظر کا پتہ چلایا جس نقطۂ نظر کی بناء پر ایک طبقہ کو قیاس و اجتہاد کے نام سے وحشت ہوتی ہے اور آپ نے اجتہاد کے متعلق جو غلط فہمی ہو سکتی تھی اس کا ازالہ ان الفاظ میں کر دیا ہے۔

اعلمان الاجتهاد ما هو؟ ان یحدث حکما؟ هذا غلط۔ انما الاجتهاد الشروع فی طلب الدلیل من کتاب وسنّة او اجماع او فهم عربی الی اثبات حکم فی تلک المسئلة بذلک الدلیل الذی اجتهدت فی تحصیلة والعلم به فی زعمك هذا هو الاجتهاد[2]۔

تم سمجھتے ہو اجتہاد کیا ہے؟ کیا کوئی نیا حکم دینا ہے یہ غلط ہے اجتہاد کسی واقعہ کی یا حکم کی جستجو کا نام ہے خواہ اس کی دلیل قرآن میں یا سنت میں یا اجماع میں ہو قرآن و حدیث کے لفظ و جملے سے کوئی دلیل سمجھ میں آجائے تو ہم اس واقعہ کیلئے وہ حکم بیان کر دیں جسے ہم نے اجتہاد کے بعد حاصل کیا ہے! یا ہمیں اپنے خیال میں اس کا علم ہوا ہو اجتہاد کی یہی حقیقت ہے۔

---

[1] الاحکام، جزا، ص ۲۱۸ [2] فتوحات مکیہ، جز ۳، ص ۳۵۶

(۲) کیا شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔؟

تو عرض ہے اجتہاد کی اجازت قرآن سے بھی ہے قاضی آمدی کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر (۱) والمشاورۃ انما تکون فیما یحکم فیہ بطریق الاجتہاد لا فیما یحکم فیہ بطریق الوحی۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے "معاملات میں مشورہ کرو" تو مشورہ ان ہی معاملات میں ہو سکتا ہے جس میں قرآن کا حکم نہ ہو انسانی معاملات میں آزادی سے ہر شخص رائے دے سکتا ہے جس معاملہ میں وحی ہے اس میں مشورہ کا کیا موقع ہے!

اور اجتہاد کی دلیلیں حدیثوں سے تو بے شمار ہیں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں سب سے پہلے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات پیش ہیں۔ قاضی آمدی کی الاحکام ہی سے یہ تمام واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

وروی الشعبی انہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقضی القضیۃ وینزل القرآن بعد ذلک بغیر ما کان قضی بہ فیترک ما قضی بہ والحکم بغیر القرآن لا یکون الا بالاجتہاد۔

(۱) امام شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک فیصلہ فرما دیتے تھے اور اس کے بعد قرآن کا حکم اس کے خلاف نازل ہوتا تھا تو آپ اپنا فیصلہ ترک فرما دیتے تھے یقیناً پہلا فیصلہ اجتہاد ہی سے ہوتا ہے۔

وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایضاً انہ قال فی مکۃ لا یختلی خلاھا ولا یعضد شجرھا فقال العباس الا الاذخر فقال علیہ السلام الا الاذخر ومعلوم ان الوحی لم ینزل علیہ فی تلک الحالۃ فکان الاستثناء بالاجتہاد۔

(۲) مکہ کی حرمت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے اس کا درخت بھی نہ اکھاڑا جائے حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ اذخر کو مستثنیٰ فرما دیجئے تو آپ نے اس حکم سے اذخر کو مستثنیٰ فرمایا تو یہ استثنا اجتہاد ہی سے تھا۔

کیونکہ اس سلسلہ میں کہیں نہیں تبلایا گیا کہ وحی نازل ہوئی۔

وایضاً لما روی عنہ علیہ السلام انہ قال العلماء ورثۃ الانبیاء وذلک یدل علی انہ کان متعبداً بالاجتہاد والا لما کان علماء امتہ وارثۃ لہ فی ذلک وھو خلاف الخبر۔[۱]

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد العلماء ورثۃ الانبیاء "علماء پر وحی تو آتی نہیں علماء اجتہاد ہی کے کام میں آپ کے وارث ہو سکتے ہیں۔

ومما احتج بہ وقوع الاجتہاد من النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لما سألتہ الجاریۃ الخثعمیۃ وقالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابی ادرکتہ فریضۃ الحج شیخاً زمناً لا یستطیع ان یحج شیخاً زمناً لا یستطیع ان یحج ان حججت عنہ أینفعہ ذلک؟ فقال لھا: أرأیت لو کان علی ابیک دین فقضیتہ أکان ینفعہ ذلک؟ قالت نعم قال فدین اللہ احق بالقضاء ووجہ الاحتجاج بہ انہ الحق دین اللہ بدین الآدمی فی وجوب القضاء ونفعہ ونفعہ وھو عین القیاس

(۴) قبیلہ خثعم کی ایک بی بی نے دریافت کیا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہو گیا ہے حج نہیں کر سکتا اگر میں اس کی طرف سے حج کر لوں تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا، آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرے باپ پر اگر قرض ہو تو اس کو ادا کر دے تو ادا ہو گا کہ نہیں اس نے کہا کہ ضرور ادا ہو جائیگا تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض بھی ضرور ادا ہوگا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے قرض کو آدمی کے قرض پر قیاس کیا اور جب آدمی کے قرض پر قیاس کیا اور جب آدمی کے قرض ادا کرنے میں نیابت جائز و فائدہ مند ہے تو آپ کا قرض اگر نائب ادا کرے گا تو کیا وہ ادائیگی جائز و فائدہ مند نہ ہوگی۔؟

---

[۱] الاحکام، جزء ۴، ص ۲۲۳ - ۲۲۴

وایضاً ماروی عنه علیه السلام انه قال لام سلمة وقد سئلت عن قبلة الصائم هل اخبرته انی اُقبّل وانا صائم؟ وانما ذکر ذالک تنبیهاً علی قیاس غیره علیه۔

(۵) حضرت ام سلمہؓ سے کسی نے پوچھا کہ شوہر روزہ میں بیوی کا پیار لے تو روزہ خراب تو نہ ہوگا حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا خراب نہ ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اس کو بتایا کہ میں روزہ کی حالت میں پیار کرتا ہوں یا نہیں انھوں نے کہا کہ میں نے بتلایا تو آپؐ کا یہ سوال اس وجہ سے تھا کہ سائل کو قیاس کرنے میں آسانی ہو۔

وایضاً ماروی عنه علیه السلام انه علل کثیراً من الاحکام والتعلیل موجب لاتباع العلة اینما کانت وذالک هو نفس القیاس۔

(۶) آپ نے بہت سے احکام کے وجوہ واسباب پر روشنی ڈالی ہے تو علت کی وجہ سے پہلا حکم دوسری جگہ جاری کرنے کا نام قیاس ہے۔

ومن ذالک قوله علیه السلام کنت نهیتکم لحوم الاضاحی لاجل الدافة فادخروها۔

(۷) آپ نے خود فرمایا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زاید رکھنے کی ممانعت تو قحط و گرانی کی وجہ سے تھی اب وہ حالت نہیں ہے اب اجازت ہے کھاؤ اور ذخیرہ بھی کر لو۔

وقوله نهیتکم عن زیارة القبور الا فزوروها فانها تذکرکم بالآخرة۔

(۸) تمہیں قبروں پر جانے سے روک دیا تھا۔ اب اس لیے اجازت دی جاتی ہے کہ آخرت کی زندگی یاد آجائے۔

ومنها قوله لما سئل عن بیع الرطب بالتمر اینقص الرطب اذا یبس؟ قالوا

(۹) تر کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے پوچھا کہ سوکھنے کے بعد وزن کم ہو جاتا ہے لوگوں نے کہا ضرور کم ہو جاتا ہے

نعم: قال فلا اذن۔

تو پھر آپؐ نے اس تبادلہ کو ناجائز قرار دیا۔

ومنها قوله فی حق محرم وقصت به ناقة الا تُخَمّروا راسه ولا تقربوه طیبا فانهٗ یحشر یوم القیامة ملبیاً۔

(۱۰) ایک شخص کو احرام کی حالت میں اونٹنی نے روند دیا تھا آپؐ نے اس کے کفن کے کپڑوں کو خوشبو دینے سے منع فرمایا، خوشبو اس کے نزدیک کرنے سے بھی روک دیا تاکہ وہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھے۔

ومنها قوله فی حق شهداء احد زملوهم بکلومهم ودمائهم یحشرون یوم القیامة واوداجهم تشخب دما واللون لون الدم والریح ریح المسک۔

(۱۱) احد کے شہداء کے دفن کے متعلق آپؐ نے حکم دیا کہ ان کو اپنے زخموں اور خون سمیت کفن پہنایا جائے تاکہ قیامت میں جب وہ جمع ہوں تو ان کی رگوں سے جو خون بہے گا اس کا رنگ لازمی طور پر ضرور خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔

ومنها قوله فی الهرة انها لیست بنجسة انها من الطوافین علیکم والطوافات،

(۱۲) بلی کے منہ ڈالے ہوئے پانی کے متعلق فرمایا کہ اس کا جھوٹا ناپاک نہیں وہ تو ہر وقت تمہارے پاس آنے والا جانور ہے۔

وقوله اذا استیقظ احدکم من نوم اللیل فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثة فانه لا یدری این باتت یده۔

(۱۳) نیند سے جو بیدار ہو اسے منع کیا گیا کہ بغیر تین بار ہاتھ دھوئے پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ معلوم نہیں کہ رات میں ہاتھ کہاں کہاں رہا۔

وقوله فی الصید فان وقع فی الماء فلا تاکل

(۱۴) فرمایا شکار کیا ہوا جانور پانی میں گر کر مرجائے تو اسے نہ کھاؤ ہو سکتا ہے کہ پانی

منہ لعل الحماکم اعان علی قتلہ

کو بھی اس کے قتل میں دخل ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ۔

وایضاً قولہ انا اقضی بینکم بالرأی فیما لم ینزل فیہ وحی والرأی انما ھو تشبیہ شیء بشیء وذالک ھو القیاس الی غیر ذالک من الاخبار المختلف لفظھا المتحد معناھا النازل جملتھا منزلۃ التواتر وان کان آحادھا آحاداً[1]۔

(۱۵) میں تم لوگوں میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں اور رائے کے معنی یہی ہیں کہ ایک چیز کو دوسرے پر قیاس کیا جائے اور حکم لگایا جائے۔ اس قسم کی متعدد حدیثیں ہیں۔ ان سب کا مطلب ایک ہی ہے اور یہ سب مل کر تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی مثالوں میں ذیل کے واقعات سے اضافہ کیجیے یہ مثالیں حدیث سے اجتہاد کے اجازت کی دلیلیں ہیں۔

واستدل ایضاً علی وقوع القیاس من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما یأتی قولہ لرجل سألہ حین قال: فی بضع احدکم صدقۃ فقال أیقضی احدنا شھوتہ ویؤجر علیھا۔ فقال ارأیت لو وضعھا فی حرام اکان علیہ وزر۔ فقال نعم۔ قال فذالک اذا وضعھا فی حلال کان لھا اجرا۔

(۱۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جو اپنی شہوت پوری کرتے اس میں ثواب ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا ہم اپنی شہوت کو پورا کریں اور ثواب ملے یہ کیسے ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناجائز جگہ اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس کو گناہ نہ ہوگا؟ صحابہؓ نے کہا یقیناً گناہ ہوگا آپؐ نے جواب دیا کہ جب حلال جگہ اپنی خواہش پوری کرے گا تو یقیناً ثواب ملے گا۔

---

[1] احکام الآمدی جز ۴ ص ۴۲-۴۵

وقال لمن انکر ولداً لہ الذی جاءت بہ امرأتہ اسود ھل لک من ابل؟ قال نعم، قال فما الوانھا۔ قال حمر، قال فھل فیھا من اورق؟ الونہ کلون الرماد، قال نعم فقال من این؟ قال لعلہ نزعہ عرق۔ فقال وھذا لعلہ نزعہ عرق۔

(۱۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے، جس کی بیوی کے سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا تھا اور اس وجہ سے اس نے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، پوچھا کہ تمہارے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا "ہیں" آپؐ نے دریافت کیا، کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا سرخ رنگ کے ہیں" آپؐ نے فرمایا کہ ان میں کوئی بھورے رنگ کا بھی ہے جس کا رنگ بالکل راکھ کے رنگ کا سا ہو۔ اعرابی نے جواب دیا کہ ہے تو آپؐ نے دریافت کیا کہ سرخ اونٹوں میں بھورا رنگ کہاں سے آیا اس نے کہا شاید کسی رگ نے اس رنگ کو کھینچ لیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے یہاں بھی کسی رگ نے اس کا رنگ کھینچ لیا ہوگا۔

وقال لعمر وقد قبل امرأتہ وھو صائم ارأیت لو تمضمضت بماء۔

(۱۸) حضرت عمرؓ نے بیوی کا بوسہ روزہ میں لے لیا۔ (آپ گھبرائے کہ شاید روزہ جاتا رہا) آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم کلی کر دو تو۔ (منہ میں پانی لینے سے روزہ نہیں جاتا اسی طرح اگر کسی عضو کا حصہ منہ میں لیا جائے تو اس سے بھی روزہ نہ جائے گا۔ گو فائدہ بخش ولذت دہ کیوں نہ ہو)

وقال یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، وھذہ الاحادیث ثابتۃ فی دواوین الاسلام وقد وقع منہ صلی اللہ علیہ وسلم قیاسات

(۱۹) دودھ سے وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں یہ سب حدیثیں اسلام کے دفتر میں ثابت ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے قیاس ثابت ہیں الناسخ الحکبلی

کثیرۃ حتی صنف الناصح الحنبلی جزاً فی اقیستہ[1] نے آپ کے قیاسات کو ایک جزو میں جمع کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہؓ نے جو اجتہاد کیا اس میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے وہ واقعات جن میں وحی ان کی رائے کے مطابق نازل ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حضرت عمرؓ کی رائے سن کر یہ نہیں فرمایا کہ نبی کے موجود ہوتے ہوئے تمہارا اجتہاد غلط عمل ہے یا تم وحی الٰہی کے منتظر رہو۔ ہاں بعض موقعوں پر اپنے اجتہاد کو ترجیح دے کر اس پر عمل فرمایا یہ بالکل صحیح تھا کیونکہ ہر مجتہد اجتہاد کے فیصلہ پر عمل کرنے کا مکلف ہے لیکن وحی الٰہی کا ان کے اجتہاد کے مطابق نازل ہونا اس کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ عمل (اجتہاد) بالکل حق و صحیح عمل، تھا۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہؓ کو احزاب میں بنو قریظہ روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ نماز عصر بنو قریظہ میں پڑھنا۔

وقد اجتهد الصحابة فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم فی کثیر من الاحکام ولم یعنفهم کما امرهم یوم الاحزاب أن یصلوا العصر فی بنی قریظة فاجتهد بعضهم فصلاها فی الطریق وقال لم یرد منا التاخیر وانما اراد سرعة النهوض فنظروا الی المعنی واجتهد آخرون

صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے احکام میں اجتہاد فرمایا جیسے کہ یوم احزاب کے موقعہ پر فرمایا کہ جاؤ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنا بعض صحابہؓ نے غور و فکر سے معنی کا لحاظ کر کے کہ حکم کا مقصد جلد پہنچنا ہے نماز راستہ میں پڑھ لی اور بعض صحابہؓ نے الفاظ کے ظاہر پر عمل فرمایا۔ اور بنی قریظہ میں پہنچ کر رات کو نماز عصر پڑھی یہی حضرات اہل ظواہر میں ہیں اور وہ

---

[1] علامہ شوکانی، ارشاد الفحول، ص ۲۷۸۔ ۲۷۹۔

وأخروها الی بنی قریظة فصلوها لیلاً نظروا الی اللفظ. وهولاء سلف اهل الظاهر واولئك سلف اصحاب المعنی والقیاس.

حضرات اصحاب المعنی والقیاس ہیں۔

نصب الرایہ میں علامہ زیلعیؒ نے قیاس و اجتہاد کے متعلق روایتیں بڑی کثرت سے جمع کر دی ہیں ان میں سب سے زیادہ مفصل حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث[1] ہے۔

---

[1] حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس حدیث پر کچھ گفتگو کی جاتی ہے مگر اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جس سے اس حدیث کا قابل حجت ہونا ذرا بھی مخدوش ثابت کیا جا سکے۔ اس پوری گفتگو کے حصے علیحدہ علیحدہ ہم بیان کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ جواب بھی ملاحظہ ہو۔

اس روایت میں الحارث ابن عمرو الثقفی نے حضرت معاذؓ کے خصوصی دوستوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاذؓ کی یہ گفتگو نقل کی ہے الحارث ابن عمرو نے ان اصحاب معاذؓ کا نام نہیں تبلایا تو اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس روایت کا راوی مجہول ہے اور مجہول کی روایت قابل حجت نہیں اس اعتراض کی پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔

راوی مجہول وہ راوی ہے جو اپنے استاد کا تعارف نہ کرائے جس طرح تعارف استاد کا نام لے دینے سے ہوتا ہے اس سے زیادہ بہتر تعارف کا طریقہ یہ ہے کہ روایت کے حجت قرار پانے میں راوی کے جن اوصاف کو دخل ہے استاد کے ان اوصاف کا ذکر کر دیا جائے جیساکہ اس روایت میں حارث بن عمرو الثقفی نے کیا "عن رجال من اصحاب معاذ بن جبل من اهل حمص" روایت کرنے والے ملک شام کے شہر حمص کے رہنے والے ہیں (۲) حضرت معاذ سے خصوصیت رکھتے ہیں (۳) تعداد میں زیادہ ہیں۔ تعارف کی یہ تمام باتیں محض استاد کے نام لے دینے سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ حضرت معاذؓ علم و تقوٰی میں بھی صحابہ کی جماعت میں شہرت رکھتے تھے۔ اور علم کے ذریعہ فیض رسانی بھی وہ اپنی زندگی کے آخر وقت تک کرتے رہے، ایسی حالت میں ان سے خصوصیت رکھنے والے اہل علم و متقی حضرات ہی ہو سکتے ہیں صرف ایک یا دو

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قد اخرج ابو داؤد والترمذی والدارمی عن معاذ بن جبلؓ بالفاظ مختلفة أنه لما بعثهُ النبی صلی الله علیه وسلم الی الیمن سأله النبی علیه السلام فاتٰی له کیف تقضی؟ قال اقضی بما فی کتاب الله قال فان لم یکن فی کتاب الله قال فبسنة رسول الله قال فان لم یکن فی سنة رسول الله

ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور دارمیؒ نے معاذ بن جبلؓ سے یہ روایت مختلف الفاظ میں بیان کی ہے کہ حضور نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے آپ نے فرمایا کہ کس طرح فیصلہ کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کے احکام مطابق فیصلہ کروں گا فرمایا اس میں نہ ملے تو فرمایا سنت رسول اللہ میں فرمایا اگر یہ بھی نہ ملے تو کہنے لگے پھر اپنی رائے سے عمل کروں گا۔

قال فان لم یکن فی سنة رسول الله قال اجتهد رائی ولا آلو فقال رسول صلی الله علیه وسلم الحمد الذی وفق رسول رسول الله لما یرضاه رسول الله۔ (ابوداؤد، باب اجتہاد الرای فی القضاء کتاب القضاء)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) راویوں کے نام لینے سے جو تعارف ہوتا اور اس سے روائت کی جو جہالت دور ہوتی جس سے وہ قابل حجت بنتی۔ اس سے کہیں زیادہ بہتر اس طریقہ روایت سے جو تعارف ہوا ہے وہ ثقہ راوی کے محض نام لے دینے کے تعارف سے بہت بڑھ کر ہے۔

ہاں اگر کوئی راوی صرف حدثنی رجل یا حدثنی انسان کہدے تو ایسی روایت ضرور مجہول ہوگی امام مالکؒ نے قسامۃ کی روائت میں کہا اخبرنی رجال من کبراء قومہ تو اس روائت کی سند کو مجہول نہیں کہا جاتا۔ اس طریقہ سے امام بخاریؒ نے عروۃ البارقی کی حدیث میں سمعت الحی تیحدثون عن عروۃ کہا تو کسی محدث نے بھی اس روایت کو مجہول نہیں قرار دیا، پھر کس طریقے سے رجال من اصحٰب معاذؓ من اہل حمص کہنے سے روایت کو مجہول کہا جاسکتا ہے! صحیح بخاری میں امام زہریؒ نے "وصلی علی جنازۃ فلہ قیراط" والی حدیث صرف حدیث ابن عمران ابا ھریرۃ یقول من تبع جنازۃ کہہ کر نقل کی ہے اور اس روایت میں من اصحاب معاذؓ

(۳) دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کا اجتہاد کے معاملہ میں کیا مسلک رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جہاں اجتہاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہہ کر ان کے علم و تقویٰ کی طرف اشارہ کیا گیا بلکہ "من اہل حمص" کہہ کر مزید تعارف کرایا گیا۔ تو اس طریقے سے تو یہ روایت مجہول نہیں قرار پا سکتی بلکہ معروف تر روایت قرار دی جاسکتی ہے چنانچہ ابوبکر ابن العربی عارضۃ الاحوذیؒ (شرح ترمذی) میں لکھتے ہیں۔

وانما یدخل فی المجهولات اذا کان واحد أو لا یکون الرجل صاحبًا حتی یکون له به اختصاص فکیف وقد زید تعریفا بهم أن أضیفوا الی بلد۔

علامہ ابوبکر رازیؒ نے اصول فقہ میں لکھا ہے۔

فان قیل انما رواه، عن قوم مجهولین من اصحاب معاذ قیل له لا یضره ذالک لان اضافة ذالک الی رجال من اصحاب معاذ توجب تاکیده لانهم لا ینسبون الیه بانهم من اصحابه الا وهم ثقات مقبول الروایة، من جهة اخری أنّ هذا الخبر قد تلقاه الناس بالقبول واستفاض واشتهر عندهم من غیر نکیر من احد منهم علی روایة ولا رد له۔

ابن قدامہؒ محدث حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔

انه حدیث مشهور فی کتب اهل العلم رواه — اہل علم میں یہ حدیث مشہور ہے۔

سعید بن منصور والامام احمد وغیرهما وتلقاه العلماء بالقبول وجاء من اصحابة ما یوافقه (المغنی۔ کتاب القضاء ج ۱۱ ص ۳۹۹)

خطیب بغدادی اپنی کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں لکھتے ہیں۔

وقول الحارث بن عمرو (عن الناس من اصحاب معاذؓ) یدل علی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا اس کی چند مثالیں آپ کی نظروں سے گذریں۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مشورہ کے بعد آپؐ نے اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شهرة الحديث وكثرة رواته وقد عرف فضل معاذ وزهده والظاهر من حال اصحابه الدين والثقة والزهد والصلاح۔

حارث بن عمرو کا عن رجال من اصحاب معاذؓ بغیر کسی کا نام لیے ہوئے کہدینا اس وجہ سے ہے کہ یہ حدیث بہت مشہور ہے۔ یہاں تک کہ امت نے اس کی تلقی بالقبول کر لی ہے چنانچہ علامہ ابوبکر ابن العربیؒ لکھتے ہیں۔

اختلف الناس فی هذا الحديث	اس حدیث میں اختلاف ہے بعض اصطلاحی
فمنهم من قال انه لا يصح على	طور پر اس کو صحیح نہیں کہتے بعض محدثین نے
مصطلحهم ومنهم من قال	صحیح کہا ہے اور دیانتاً میرا یہ فیصلہ ہے کہ
هو صحيح، والذی ادين به القول	یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ مشہور حدیث ہے۔

بصحة فانه حديث مشهور يرويه شعبة بن الحجاج رواه عنه جماعة من الفقهاء والائمة۔

(اور شعبہ جس حدیث کو روایت کردیں وہ تنقید سے بالا ہو جاتی ہے) اور شعبہ سے اس حدیث کو فقہا اور ائمہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

ابن زنجویہ اپنی تاریخ میں امام بخاریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ علی بن الجعد کی روایت میں شعبہ کے یہ الفاظ ہیں۔

سمعت الحارث بن عمرو ابن اخی المغيرة بن شعبة يحدث عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عن معاذ بن جبلؓ

(مقالات الکوثری من تاریخ ابن ابی خیثمہ جامع بیان العلم از علامہ ابن عبدالبر) ج ۲ ص ۵۰

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اجتہاد ہی سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اور عقبہ بن عامر الجہنیؓ کا وہ واقعہ ہے کہ جس میں آپ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ مدعی، مدعی علیہ میں فیصلہ کرو۔ اگر تم نے صحیح فیصلہ کیا تو دس گونا ثواب ملے گا۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

حضرت معاذؓ کے علم و تقدس کی شہرت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ نے بھی ان سے فیض اٹھایا۔ اصحاب معاذؓ سے اگر تابعین ہی مراد ہیں تو جب تک ان تابعین پر کوئی اعتراض ثابت نہ ہو وہ خود حجت ہیں اور اگر وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ان کا حجت ہونا اور زیادہ یقینی ہے۔ اسی طرح "الفقیہ والمتفقہ" میں خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ عبادۃ بن نسی نے اس کو عبدالرحمٰن ابن غنم سے اور انھوں نے حضرت معاذؓ سے روایت کیا ہے۔

اس کے بعد خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

وهذا اسناد ورجاله معروفون	یہ متصل سند ہے اس کے راویوں پر اعتماد شک
بالثقة على ان اهل العلم قد	و شبہ سے بالا ہے۔ اہل علم نے اس کو قبول
تقبلوه واحتجوا به فوقفنا	کر لیا ہے اور اسے قابلِ حجت قرار دیا ہے
بذلك صحته عندهم۔	اس سے ہم اس کی صحت سے باخبر ہوئے۔

یہ سند علامہ شمس الحقؒ صاحب نے عون المعبود میں ذکر کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن غنم کے متعلق بغویؒ کا بیان ہے۔ هو ممن يدرك ام لا؟

عبدالرحمٰن بن غنم زیادہ عمر کے ہیں اس بات کا کچھ پتہ نہ چلا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا یا نہیں، امام احمد فرماتے ہیں ادرك ولم يسمع ابو حاتمؒ کہتے ہیں جاهلی ليست له صحبة ابن عبدالبر بھی کہتے ہیں كان فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم يره۔ ابو مسہران کو رأس التابعین میں شمار کرتے ہیں انھوں نے بہت سے صحابہؓ سے روایت کی ہے۔ ابوالدرداءؓ سے بھی روایت ہے حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ وہ حضرت معاذؓ کے ساتھ ان کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر تم دونوں نے غلطی کی پھر بھی اجتہاد کا اجر ملے گا۔ علامہ ابن عبد البر مالکیؒ لکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) انتقال کے وقت تک رہے تو اب ان دونوں طریقوں سے یہ حدیث مرفوع و متصل صحیح ہو گئی اور حدیث کے حجت ہونے کے لئے یہی شرطیں ہیں اب اس حدیث کے انقطاع کے اعتراض کے جواب کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی اس حدیث پر یہ دوسرا اعتراض تھا وہ بھی رد ہو گیا۔

(۴) اس حدیث پر دوسرا اعتراض الحارث بن عمرو الثقفیؒ کے مجہول ہونے کے مفروضہ پر ہے حالانکہ وہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے مجہول نہیں کیونکہ شعبہ بن الحجاج کہتے ہیں کہ وہ المغیرہ ابن شعبہ کے بھتیجے ہیں وہ تو نہ اپنی شخصیت سے مجہول ہیں اور نہ راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے مجہول ہیں کیونکہ وہ ابوعون الثقفی (المتوفی سنہ ۱۱۶ھ) کے استاد ہیں۔ اس لئے وہ یقیناً کبار تابعین میں سے تھے۔

جس طرح صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں اسی طرح کبار تابعین کے متعلق محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ جب تک ان پر کوئی مؤثر جرح نہ ہو وہ مقبول الروایت ہوں گے جب تک تابعین پر جرح مؤثر نہ ہو، ان کی بھی روایتیں مقبول ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم سے تابعین بھی مشہود لہم بالخیر ثابت ہوئے ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے عقیلی ابوالعرب ابن الجارود ان کو مجہول کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توثیق کا انھیں علم نہیں ہوا حالانکہ کبار تابعین کے لئے بالکل اس کی ضرورت نہیں خود ان کے طبقہ کے لوگ ان کی توثیق کریں ان کی روایت کے قبول کرنے اور ان کو عادل ثقہ بنانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے محدثین میں سے کسی نے ان پر مؤثر جرح نہ کی ہو اور الحارث ابن عمروؒ پر کوئی جرح ہی نہیں کی گئی۔ بخاریؒ کے بہت سے راوی ہیں کہ صراحتاً ان کی توثیق کسی سے نقل نہیں کی گئی لیکن چونکہ ان پر جرح بھی کسی سے نقل نہیں کی گئی اس لئے ان کو مقبول الروایت مانا جاتا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اس بات کی جگہ جگہ تصریح کی ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وسن الرسول لولاته فی الامصار ان	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ولاۃ کو ہدایت فرمائی
یجتهدوا رأیهم حین لا یجدون	تھی کہ اگر وہ کسی مسئلہ میں نص نہ پائیں تو اپنی رائے سے
نصا۔ وجاء فی القرآن نفسه باحکام	عمل کریں قرآن میں نفس مسائل ہی بیان ہوتے ہیں
کلف بها المسلمون علی ان یکون	ان پر عمل تو عقل کی روشنی میں ہو گا جیسے تحری
سبیلهم فی طاعتها الاسترشاد بالعقل	الی القبلہ کا مسئلہ ہے۔

كما فی مسألة التوجه الی القبلة للبعید عن الکعبة (جامع بیان العلم وفضلہ)

(باقی حاشیہ گذشتہ) (۳) تیسرا اعتراض اس حدیث پر یہ ہے کہ ابوعون محمدؒ بن عبیداللہؒ الثقفی اکیلے اس کو الحارث ابن عمرو الثقفیؒ سے روایت کرتے ہیں کوئی دوسرا ان کا ہم نوا نہیں ہے۔ اس پر اصولی گفتگو تو یہ ہے کہ روایت میں غیر مجروح راوی کا منفرد ہونا اس حدیث کو مردود نہیں کرتا انفراد کی وجہ سے روایت کا مردود ہونا اہل سنت کا مذہب ہے اور نہ اہل حق کا اصول۔

ابوعون محمدؒ ابن عبیداللہؒ الثقفیؒ کا درجہ اس لئے بلند ہے کہ وہ صحیحین کے راوی ہیں ان کے شاگردوں میں اعمشؒ، امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، ابواسحاق الشیبانیؒ و مسعرؒ و شعبہؒ وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے بڑے لوگ ہیں اور ابوعونؒ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں ابواسحاق الشیبانیؒ بھی ہیں (ملاحظہ ہو سنن ابوداؤد کتاب القضاء) ابواسحاقؒ سے روایت کرنے والے ابومعاویۃ الضریرؒ بھی ہیں اور ان سے روایت کرنے والے سعید ابن منصورؒ اور ابن ابی شیبہؒ ہیں۔

ابوعونؒ سے اس کو روایت کرنے والے شعبہ ابن حجاج بھی ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ ابن ابی خیثمہ) شعبہ ابن حجاجؒ کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ وہ روایت میں بہت محتاج ہیں۔ اور جو راوی ان کے سلسلۂ روایت میں آجائے وہ یقیناً ثقہ ہے وہ مجہول نہیں ہو سکتا۔ شعبہ سے اس روایت کے راوی بڑے بڑے محدثین ہیں (۱) یحییٰ بن سعید القطانؒ، (۲) عثمان ابن عمرو العبدیؒ (۳) محمد ابن جعفرؒ، (۴) عبدالرحمٰن ابن مہدیؒ (۵) عبداللہؒ ابن مبارک (۶) علی ابن الجعدؒ (۷) ابوداؤدؒ ملاحظہ ہو علی ابن جعدؒ کی روایت تاریخ ابن ابی خیثمہ میں ہے شعبہؒ کا ابوعون اور الحارث بن عمر الثقفیؒ سے روایت کر لینا دونوں کی روایت کو تمام اعتراضات سے پاک بنا دیتا ہے۔ ۱۲۔

(اقتباس از مقالات کوثری نیل الفرقدین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، رحمۃ اللہ باختلاف یسیر)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے چند واقعات درج کئے گئے بعض علماء نے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے بھی اعلام الموقعین میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔ اب چند بڑے بڑے صحابہؓ کے واقعات لکھ کر بیان ختم کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اجتہاد کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

(۱) جس قبیلہ نے عہد صدیقی میں زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا ان سے جہاد کا فیصلہ آپ نے اپنے اجتہاد سے فرمایا تھا۔ اور جس قبیلہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ زکوٰۃ نہ ہم امیر المومنین کو خود لاکر دیں گے اور نہ ان کے مقرر کردہ عامل کو دیں گے بلکہ اپنے صواب دید سے خود خرچ کریں گے تو آپ نے اپنے اجتہاد سے ان سے بھی جہاد کا حکم دیا۔ گو اس معاملہ پر جب گفتگو ہوئی تو شروع میں صحابہؓ نے آپ سے اختلاف کیا۔ خود حضرت عمرؓ نے کہا کیف نقاتل من قال لا الٰہ الا اللہ لیکن بعد میں تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس اجتہاد کو تسلیم کر لیا۔

(۲) اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اپنے بعد حضرت عمرؓ کو بنایا اور آپ نے لوگوں سے حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا عہد لیا۔ اسے سب نے تسلیم کیا۔

(۳) آپ نے اپنے اجتہاد سے دادی کا چھٹا حصہ مقرر فرمایا اور صحابہؓ نے اسے تسلیم کیا۔

یہ تین واقعات ہیں جو خلیفہ اول کے بیان کر دیئے گئے یوں بھی آپ کا یہ دستور العمل تھا۔

کان ابوبکرؓ اذا سئل عن شيءٍ او جاءه خصم في قضية من القضايا نظر اولاً الى القرآن فان وجد فيه حكم الواقعة المطلوب معرفة حكم الله فيها قضى به فان لم يجد لجأ الى ما يعرفه من احاديث الرسول فان وجد طلبه قضى به فان لم يجد ما يريد لا في الكتاب ولا في السنة لجأ الى الصحابة فان وجد عند احد منهم في ذلك شيئاً عن الرسول قضى به وحمد الله.... وان اعياه الامر جمع من يرى من خيار الناس واهل الرأي والعلم فاستشارهم ثم يقضي بما يجتمعون[1]۔

حضرت ابوبکرؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا یا کوئی مدعی یا مدعی علیہ کسی معاملہ میں ان کے پاس آتا تو سب سے پہلے قرآن میں غور کرتے۔ اگر قرآن میں اللہ کا حکم اس واقعہ کے سلسلہ میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔ اگر قرآن میں نہ پاتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (حدیث) تلاش کرتے (یعنی آپ کے فیصلے وہدایتیں) اگر ان کا مقصد قرآن یا حدیث میں نہ ملتا تو اہل علم اور صاحب فکر لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے جس بات پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے۔

العرض جن مسائل میں قرآن وحدیث کا حکم نہ ملتا تو آپ ایسی تمام صورتوں میں اجتہاد فرماتے تھے اس کا خصوصیت سے علامہ ابن قیمؒ یوں ذکر کرتے ہیں۔

ان ابابکر نزلت به قضية فلم يجد في كتاب الله منها اصلاً ولا في السنة اثراً فاجتهد برأيه ثم قال هذا رأيي فان يكن صواباً فمن الله وان يكن خطأً فمني واستغفر الله[2]۔

کہ حضرت ابوبکرؓ کو ایک قضیہ پیش آیا اور اس کی اصل انہیں قرآن اور سنت رسولؐ میں نہ ملی تب انہوں نے اجتہاد سے کام لیا پھر فرمایا یہ میری رائے ہے اگر ٹھیک ہے تو من جانب اللہ ہے اور اگر غلط ہو تو میری خطا اجتہادی ہے۔ (پناہ بخدا)

---

[1] المدخل لدراسة الفقہ الاسلامی۔ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ ص۲۹

[2] اعلام الموقعین جز ۱ ص ۱۹

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں صحابہؓ نے اجتہاد کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے اس کو قبول فرمایا۔ ملاحظہ کیجیے۔

(۱) خلیفہ بنانے میں تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس لیے مقدم رکھا کہ دین کے سب سے بڑے کام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو مقدم رکھنا پسند فرمایا تھا صحابہؓ نے نماز کی امامت کو امامت کبریٰ کی قیاس بنیاد بنایا۔

(۲) مصحف کی شکل میں پورا قرآن لکھنے و جمع کرنے کا حکم قرآن وسنت نہ تھا صحابہؓ نے اجتہاد ہی سے کام لے کر اس کام کو انجام دیا اور صحابہؓ نے اجتہاد ہی سے طے کیا کہ قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب بھی ایک ہو اور قراءت بھی ایک ہو۔

یہ مثالیں حضرات ابوبکر صدیقؓ کے اجتہاد کی ہیں اور اس کے ساتھ ہی تمام صحابہؓ کے اجتہاد کی بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے واقعات تو معلوم ہی ہیں بلکہ یہ وصف تو آپ میں اور بھی بڑھا ہوا تھا۔ مدخل میں ہے۔

کلن عمرؓ امھر الصحابۃ فی استعمال الرأی واکثرھم توسعا فیہ وذلک بفضل ما اوتی من نفاذ البصیرۃ ودرجات العقل وجودۃ الرأی۔	حضرت عمرؓ نے صحابہ کو اپنی رائے سے عمل کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہاد کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) آپ نے شراب فروش کی دوکان ہی جلا ڈالی۔

(۲) آپ نے اس لبتی کو آگ لگادی جس میں شراب کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔

(۳) حضرت سعد بن وقاصؓ نے اپنے محل پر محافظ رکھا تو آپ نے اس میں آگ لگانے کا حکم دیا۔ محمد بن مسلمہؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ کوفہ جاؤ اور سعد کے محل کو آگ لگاکر سیدھے میرے پاس آجاؤ اور کسی سے کچھ بات نہ کرو محمدؓ بن مسلمہؓ کوفہ آئے ایک نبطی سے لکڑی کا گٹھا خرید اور اسے اٹھوا کر حضرت سعدؓ کے محل پر پے گئے۔ گٹھا

وہاں ڈال کر اس میں آگ لگوادی۔ حضرت سعدؓ آئے اور پوچھا یہ کیا کر رہے ہو! انھوں نے جواب میں فرمایا امیرالمومنینؓ نے یہ خدمت میرے سپرد کی تھی۔ حضرت سعدؓ نے کچھ نہ کہا بلکہ ان کے لئے کچھ خرچ پیش کیا محمد بن مسلمہؓ نے وہ بھی قبول نہ کیا اور جب حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ خرچ تم نے کیوں نہ لیا تو فرمایا کہ آپ کی اجازت درکار تھی۔

(۴) النضر بن حجاج نے جب اپنے قصیدہ میں عورتوں کی رغبت پیدا کرنے والی باتوں کا تذکرہ کیا (عربی ادب میں اس کا نام تشبیب ہے) تو اس کا سر منڈوا کر اسے مدینہ سے نکلوادیا۔

(۵) صبیغ بن عسیل نے جب غیر ضروری عقیدوں سے متعلق سوالات کیے اس کے دماغ پر ضرب لگائی کیونکہ وہ سوالات اس کے دماغ ہی کی پیداوار تھے۔

(۶) تحصیلداروں سے ان کی نصف آمدنی بحق سرکار بطور جرمانہ وصول کی کیونکہ ان کے عہدے کے وقار کی وجہ سے انہیں وہ آمدنی حاصل ہوئی۔

(۷) ایک آدمی کو سات آدمیوں نے مل کر قتل کیا تو حضرت عمرؓ پر ایک آدمی کے بدلے سات آدمیوں کا قتل بڑا گراں گزرا، تو حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ ایک شخص کے مال چرانے میں اگر سات آدمی شریک ہوئے ہوں تو ان سات کے ہاتھ کاٹیں گے کہ نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ضرور کاٹوں گا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب ایک آدمی کے قتل میں سات آدمی شریک ہوئے ہوں تو وہ سات کے سات قصاص سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان ساتوں آدمیوں کے قتل کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ اپنے اجتہاد سے کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے ان کے اجتہاد کو تسلیم کیا۔

ومن ذلک تحریق علیؓ الزنادقۃ	حضرت علیؓ کے اجتہاد کی ایک مثال یہ ہے کہ ان کا

الرافضة وهو يعلم سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قتل الكافر، لكن لما رأى امرا عظيما جعل عقوبة من اعظم العقوبات ليزجر الناس من مثله ولذلك قال: لما رأيت الأمر امرا منكرا أججت نارى و دعوت قنبرا۔

فیصلہ تھا کہ رافضیوں میں سے جو زندیق ہیں ان کو جلا دیا جائے حالانکہ وہ خوب واقف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافر محارب کے صرف قتل پر اکتفا فرماتے تھے مگر جب رافضی آپ کے اِلٰہ ہونے کا چرچا کرنے لگے تو عبرت کے لئے آپ نے اس سزا کو اپنے اجتہاد سے تجویز کیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب معاملہ کو میں نے واقعۃً بہت بڑا پایا تو میں نے آگ سلگوائی اور قنبر کو بلایا۔

حضرت علی نے تہمت لگانے والوں کی سزا پر قیاس کرکے نشہ پینے والوں کی سزا اسّی کوڑے اجتہاد سے مقرر کی۔

ہر ایسی جگہ جہاں قرآن و سنت کا حکم نہ ہو وہاں قیاس و اجتہاد کرنے کا حکم حضرت علیؓ نے دیا۔[1]

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی طرح قرآن و سنت کا حکم نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بیماری و تکلیف کی وجہ سے جو شخص مکہ تک نہ جا سکے اسے وہی حکم دیا جو دشمن کے سدراہ ہونے کا حکم ہے۔

قال محمدؒ بلغنا عن عبد الله بن مسعودؓ انه جعل المحصور بالوجع

کہا محمد نے ہم کو پہنچا ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے تھے جو مرض سے رک جائے اس کا وہی

[1] ملاحظہ ہو عون المعبود شرح ابوداؤد۔ باب اجتہاد الرائی فی القضاء جزو ۳۔ صـ ۲۳

مع المحصور بالعدو وسئل عن رجل اعتمر فنهشته حية فلم يستطع المضى فقال ابن مسعودؓ ليبعث بهدى ويواعد اصحابه يوما من الايام فاذا نحر عنه الهدى حل وكانت عليه عمرة مكان عمرته۔[1]

حکم ہے جو حکم دشمن کے سدراہ ہونے کا ہے پھر ایک شخص کے متعلق آپ سے پوچھا گیا کہ جس کو سانپ نے کاٹا تھا اور وہ مکہ آنے کے قابل نہ رہا۔ آپ نے فرمایا ہدی روانہ کر دے اور ساتھیوں سے دن مقرر کر لے جب وہ ہدی اس کی نحر کر دیں وہ حلال ہو جائے اور وہ اپنے عمرہ کے عوض میں پھر عمرہ کرے۔

گویا آپ نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ دشمن ہی سدراہ ہو بلکہ جو بھی مجبوری پیش آجائے کہ جس کی وجہ سے عمرہ یا حج کے ارکان ادا کرنے کی قدرت نہ رہے تو یہی کیا جائے گا یہاں آپ نے دو اصول مقرر کئے۔ (۱) کسی خاص موقع پر کوئی ہدایت ہو تو یہ ہدایت اسی خاص موقع پر محدود نہ رہے گی (۲) علت کا اتحاد حکم کے اتحاد پر مؤثر ہوگا۔

جس طریقہ سے حضرت عمرؓ نے اجتہاد کے اصول اپنے امراء کو لکھ کر بھیجے آپ نے بھی اجتہاد کے اصول اپنے شاگردوں کو تبلائے یہ بالکل وہی اصول ہیں جو حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عمل کے متعلق مؤرخین اور علماء نے لکھا ہے۔

عن عبد الرحمن بن يزيد قال اكثروا على عبد الله ذات يوم فقال عبد الله انه قد اتى علينا زمان ولسنا نقضى

عبدالرحمن بن یزیدؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے بہت باتیں کیں انھوں نے کہا[2] ایک ایسا زمانہ تھا کہ ہم کوئی

[1] مؤطا امام محمد ص ۲۰۳ باب المحصر [2] غالب خیال یہ ہے کہ یہ بات آپ نے کوفہ میں اس وقت فرمائی جبکہ آپ کوفہ کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے کیونکہ مدینہ میں جس طرح دوسرے صحابہؓ قضا کا کام انجام دیتے تھے آپ بھی مقدمات سن کر ان کا فیصلہ کرتے تھے۔ آپ اکیلے اس کام کے ذمہ دار نہ تھے مگر کوفہ میں یہ کام آپ کے خصوصی فرائض میں داخل تھا۔

ولسنا هنالك ثم ان الله عزوجل قدر علينا ان بلغنا ما ترون فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما فی کتاب الله فان جاءه امر لیس فی کتاب الله فلیقض بما قضی به نبیه صلی الله علیه وسلم فان جاءه امر لیس فی کتاب الله ولا قضی به نبیه صلی الله علیه وسلم فلیقض بما قضی به الصالحون فان جاءه امر لیس فی کتاب الله ولا قضی به نبیه صلی الله علیه وسلم ولا قضی به الصالحون فلیجتهد رأیه ولا یقول انی اخاف انی اخاف فان الحلال بیّن والحرام بیّن وبین ذلك مشتبهات فدع ما یریبك الی ما لا یریبك۔[1]

حکم نہیں کرتے تھے نہ حکم کرنے کے لائق تھے، پھر اللہ جل جلالہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا تھا ہم اس مرتبہ کو پہنچے جس کو تم دیکھتے ہو اب آج کے روز سے جس شخص کو تم میں سے فیصلہ کرنے کی ضرورت آپڑے اسے چاہیے کہ حکم دیوے اللہ کی کتاب کے مطابق اگر وہ امر اللہ کی کتاب میں نہ ملے تو حکم دیوے اس کے پیغمبر کے فیصلوں کے مطابق اگر وہ امر اللہ کی کتاب میں بھی نہ ہو اور اس کے پیغمبروں کے فیصلوں میں بھی نہ ہو تو حکم دیوے نیک بخت لوگوں کے فیصلہ کے مطابق (یعنی خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کرام کے موافق) اگر وہ امر ایسا ہو جو نہ اللہ کی کتاب میں ملے نہ اس کے رسولؐ کے حکموں میں اور نہ نیک لوگوں کے فیصلوں میں تو اپنی عقل سے کام لے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں میں ڈرتا ہوں اس لیے کہ حلال کھلا ہوا ہے اور حرام کھلا ہوا ہے دونوں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی حدیث سے معلوم ہو سکتے ہیں، البتہ ان دونوں کے بیچ میں بعض امور ہیں جن میں شبہ ہے نہ اس کو حلال کہہ سکتے ہیں نہ حرام، تو چھوڑ دے اس کام کو جو شک میں ڈالے تجھ کو اور کر وہ کام جس میں شک نہ ہو۔ (امام نسائیؒ نے کہا یہ حدیث جید ہے یعنی صحیح ہے)

---

[1] امام النسائی۔ کتاب القضاء ص ۵۲۱

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ اجتہاد سے جی نہ چرائے بلکہ اصول پیش نظر رکھ کر اجتہاد ضرور کرے۔

مسند احمد بن حنبلؒ میں آپ کا ایک اور اصول بھی روایت کیا گیا ہے جو نسائی کی اس روایت ہی کی دوسری شکل ہے دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

ما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأوه سيئا فهو عند الله سيئ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا حضرت عمرؓ کی تعظیم میں شغف بے حد بڑھا ہوا تھا علماء کثرت سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں چنانچہ اعلام الموقعین میں ہے۔

هو اشهر من سار على طريقة عمرؓ عبد الله بن مسعودؓ

اس میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی رائے کی بہت پیروی کرتے تھے لیکن ضرورت کے وقت اختلاف بھی فرماتے تھے۔ علماء میں آپ کی رائے زیادہ پسندیدہ سمجھی جاتی۔ علامہ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

عن ابراهيم انه كان لا يعدل بقول عمرؓ وعبد الله اذا اجتمعا واذا اختلفا كان قول عبد الله اعجب له لانه كان الطف۔

ابراہیم نخعی حضرت عمرؓ و حضرت عبداللہؓ کے متفقہ قول ہی کو اختیار کرتے تھے ہاں اگر دونوں میں اختلاف ہوتا تو حضرت عبداللہؓ کے فتوے کی طرف مائل ہوتے کیونکہ حضرت عبداللہؓ بہت پسند تھے۔

جن مسائل کا حکم نہ ملے وہاں ان میں قیاس و اجتہاد چاروں فقہا ائمہ کا متفقہ عمل درآمد رہا ہے اور ہر فقہی مسلک کے علماء بے تکلف اس کو مانتے چلے آرہے ہیں چنانچہ علامہ شاطبی مالکیؒ فرماتے ہیں۔

---

[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ نے مقدمات میں جس طرح اجتہاد سے کام لیا تھا اسی طرح کوفہ میں ان ہی لوگوں کی راہ آپ نے اختیار کی سیدنا عمرؓ کے زمانے میں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ولا یمکن ان ینقطع (الاجتھاد)	یہ ممکن نہیں کہ اجتہاد بند ہو گی اور یہ جب ہی
حتی ینقطع التکلیف وذالک عند	ہو گا کہ ضرورتیں باقی نہ رہیں۔
قیام الساعۃ[1]	

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب ملکوں کی فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا اور مختلف مذاہب کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے تو اس کے ساتھ ساتھ ان کی عادات و اطوار، ان کے آئین و قانون اور رسم و رواج کی بہت سی باتیں ان نومسلموں میں باقی رہیں۔ مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی بلکہ حق یہ ہے کہ عرب کی سادہ معاشرت والی قوم جب ان ترقی یافتہ معاشرت والی قوموں کے ساتھ ملی جلی، اگرچہ عربوں کو فاتحانہ فوقیت حاصل تھی لیکن ان کی کثرت تعداد بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہ سکی۔ اور عرب ان کی تہذیب، تمدن، معیشت اور معاشرت سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر ان مفتوح قوموں کی تہذیب و رسوں کو اختیار کرنے لگے اور دن بدن ان کی اثر پذیری بڑھتی ہی رہی تو اس سے نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے۔ بہت سے ایسے واقعات و حوادث پیش آئے جن کا عہد نبوی اور عہد صدیقی بلکہ اس کے بعد والے عہد میں بھی نام نشان تک نہ تھا۔ فقہ اسلام کی حدود بڑھتی گئیں اور اس کے احاطہ میں وسعت پیدا ہوتی گئیں اگر غور و خوض سے شریعت کے مسائل پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے لئے قابل عمل احکام کا استنباط نہ کیا جاتا تو احکام شرعی پر عمل کرنا ان کے لئے ناممکن ہو جاتا۔ ان حالات میں اندیشہ تھا کہ دین سے گریز کی عادت ان کو آہستہ آہستہ دین سے خارج ہی کر دیتی۔ اس کے لئے محنت اور غور و فکر اور بعید دور بینی اور بے انتہا دور اندیشی کی ضرورت تھی جو دین کی خاطر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے برداشت کی اور ان نئے مسائل کا حل پیش کیا۔ تاکہ جو لوگ دین قبول کر چکے ہیں وہ دین سے نکل جانے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ یہ کھلی بات ہے کہ اس کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اجتہاد کی رفتار کو بہت بڑھا دیا۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ واقعات اس کثرت سے پیش آتے رہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] موافقات طبع تیونس ص ۲۴

ابن رشید فقیہ فلسفی مالکیؒ فرماتے ہیں:۔

والنصوص والافعال والاقرارات	اقوال، افعال اور تقریر یہ سب محدود
متناھیۃ و محال ان یقابل ما	ہیں اور غیر محدود سے محدود کا مقابلہ کرنا
لایتناھی بما یتناھی[1]۔	ناممکن ہے۔

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں۔

اذا حدثت حادثۃ نظر فی کتاب اللہ	جب کوئی ضرورت پیش آئے تو کتاب اللہ میں
فان وجد ھا والا نظر فی سنۃ	تلاش کرو وہاں نہ ملے تو سنت رسول میں یہاں

(باقی حاشیہ گذشتہ) اجتہاد کرنے پر مجبور ہوتے رہے جس سے آپ کے اجتہاد و مسائل کا ذخیرہ بڑھتا ہی گیا۔ آپ کے دوسرے رفقائے کار اور آپ کے شاگردوں نے اس محنت میں آپ کا ہاتھ بٹایا۔ فقہ کا یہ بہت بڑا ذخیرہ امت کے بہت کام آیا۔ اس وقت فقہ حنفی ہو یا فقہ حنبلی، سب آپ کے ذخیرہ سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں یہاں آپ کے مسائل جمع کر کے پیش کئے جا رہے ہیں آپ باسانی موازنہ کر سکتے ہیں کہ چاروں فقہ کے ذخیروں میں آپ کے اجتہاد کردہ فتاوے کتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

ہاں! جو لوگ عراق میں بس گئے تھے انھوں نے برملا اس احسان کا اعتراف کیا کہ دوسرے اکابر صحابہؓ سے ہم نے استفادہ حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ کے ذریعہ کیا اور کوفہ میں اقامت اختیار کرنے والے جن صحابہؓ سے براہ راست ہم نے استفادہ کیا ہے، جیسا کہ سیدنا علیؓ وغیرہ ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ استفادہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے کیا۔ ان فقہائے کوفہ کے علوم کے وارث امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد ہوئے اور کثرت سے علم کی اشاعت آپ کے سلسلہ کے شاگردوں میں ہوئی دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں آپ کی فقہ کی اتباع کا سلسلہ پھیل گیا۔ اس سلسلہ کے تلامذہ نے بھی فقہ حنفی کے نام کو باقی رکھنے میں اپنی سعادت مندی مقصور کی۔

[1] ہدایۃ المجتہد جزا ص ۱

رسول، فان لم یجد نظر فی القیاس[1]	بھی نہ ملے تو پھر قیاس کرکے ضرورت پوری کرے۔

امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد امام مزنیؒ فرماتے ہیں۔

الفقهاء من عصر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی یومنا هذا وهلم جرا استعملوا المقاییس فی الفقه فی جمیع الاحکام[2]	حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک تمام احکام میں قیاس سے کام لیتے رہے ہیں۔

قیاس واجتہاد اتنی ناگزیر دینی ضرورت ہے کہ اصحاب الظواہر بھی اس کا انکار نہ کرسکے۔

قال ابن حزم نعلم کان الصحابة یقولون بآرائهم بعصره علیه السلام فیبلغه ذٰلك فیصیب المصیب ویخطئ ویکفینا من ابن حزم الظاهری ان یعترف بوقوع الرأی من الصحابة کثیرا۔	ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اپنی رائے سے فتوے دیتے تھے اور آپ کو جب اس کی خبر ہوجاتی تھی تو آپ صحیح حکم بتلانے والے کے صحیح ہونے کا اظہار فرمادیا کرتے تھے اور جو غلطی کرتا تھا اس کی غلطی پر متنبہ فرمادیا کرتے تھے۔ ابن حزم ظاہریؒ بھی کثرت سے صحابہؓ کی رائے سے حکم دینے کا اعتراف کرتے ہیں، یہ ہمارے لئے کافی ہے۔

ان کے بعد دوسرے سلفی عالم علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

من له معاشرة بفتاوی الناس یعلم ان المنقول وان اتسع غایة الاتساع فانه لا یفی بوقائع العالم[3]	جس کو لوگوں کے فتوؤں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ نئے واقعات کے لیے سابقہ احکام کافی نہیں ہوتے خواہ وہ سابقہ احکام کتنی ہی کثرت سے کیوں نہ ہوں۔

---

[1] المغنی جز ۱ ص ۳۹۹ کتاب القضاء [2] مختصر جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص ۱۳۳

[3] اعلام الموقعین جز ۲ ص ۲۷۵

اب تک اجتہاد کے متعلق جتنی باتیں آپ پڑھ چکے ہیں وہ اس کا کافی ثبوت ہیں کہ اجتہاد دین کی ایک ناگزیر ضرورت ہے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ نے خود اجتہاد کیا۔ جہاں کسی صحابیؓ نے اجتہاد نہیں کیا تو وہاں دوسرے صحابی کے اجتہاد کو بلاچوں وچرا تسلیم کیا! اجتہاد صرف خیال آرائی اور نکتہ آفرینی نہیں ہے بلکہ روح شریعت کو پیش نظر رکھ کر قرآن وسنت کے احکام پر ممکن حد تک نگاہ رکھتے ہوئے امت کی ضرورت کے وقت بالغ نظری سے دینی رہنمائی کا نام اجتہاد ہے۔ مجتہد افراط وتفریط کے درمیان صراط مستقیم کو اچھی طرح پالیتا ہے۔ حکم شریعت کے منشا کے غور میں اتنی گہرائی میں نہیں جاتا کہ عام فہم انسان اتنے غور وخوض سے الجھن میں گھر جائے یا تھک کر غور وفکر ہی سے دست کش ہوجائے۔ شریعت کے حکم پر عمل کے لیے مجتہد نہ ایسے غلو کی اجازت دیتا ہے جس سے انسانی عام دسترس حاجت ہو یا وقت پر اس عمل کا کرنا اسے شاق گزرے نہ وہ شریعت کے حکم کی تعمیل میں کسی سہل انگاری سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس سے روحِ شریعت پامال ہوجائے اور نہ وہ ایسی بے پروائی برتتا ہے کہ اس کی سہل انگاری وبے پروائی سے عمل میں اتنی تاخیر ہوجائے کہ وہ عمل بعد از وقت قرار دیا جائے بلکہ وہ عمل کا ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس سے عمل کا مقصد فوت نہیں ہونے پاتا۔

اب اجتہاد کے چند اصول وشرائط لکھے جاتے ہیں تاکہ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ اجتہاد ایک دینی عمل ہے ان اصول وشرائط کی پابندی سے اجتہاد سے کسی شرعی حکم کی پامالی نہیں بلکہ شریعت پر عمل کرنے کی راہ وسیع تر استوار اور ہموار ہوجائے۔

علماء کس کام کو اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور کس قسم کے اجتہاد کو وہ دین کی خدمت

قرار دیتے ہیں اس میں سب سے زیادہ اہم سیدنا عمرؓ کا وہ ہدایت نامہ ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو روانہ کیا تھا۔ علماء نے اس کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کے متعلق جو بحثیں کی ہیں اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے اور اس کا زیادہ حصہ ہماری بحث سے بے تعلق بھی ہے۔ اس لئے اس ہدایت نامہ سے صرف اجتہاد کے مسئلہ کے متعلق جو باتیں علماء نے سمجھی ہیں وہ پیش کی جاتی ہیں۔ ان بحثوں سے اس فیصلہ میں بڑی مدد ملے گی کہ قیاس اور اجتہاد دینی کام ہے۔

فالرأی الذی هو اساس الاجتهاد فی ما لا نص فیه هو التفکیر بطریق التفکیر التی ارشد الیه الشرع لانها اقرب الی الصواب وابعد عن الزلل وتهدف الی المصالح العامة الحقیقیة وهذا هو الرأی المحمود.

جس مسئلہ میں شریعت کا حکم صریح نہ ہو اس میں قیاس سے کام لینا ہی اجتہاد کی بنیاد ہے وہی اس فکر و اجتہاد کی بنیاد بنتی ہے جو شریعت کی رہنمائی میں ہو، ایسی ہی رائے خوب تر ہوتی ہے اور اس میں غلطی کا امکان کم ہوتا ہے حقیقی مصلحتیں ایسی ہی فکر کا نتیجہ بنتی ہیں یہی رائے، رائے محمود ہے۔

اس کے بالمقابل وہ اجتہاد ہے جو دینی طریقہ پر نہ ہو اس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔

واما الرأی الی التفکیر بغیر الطرق التی هداها الشرع نهذا فی الغالب یکون تفکیرا بالهوی وقریبا من الزلل وهذا هو الرأی المذموم.

جس طریقہ کی رہنمائی شریعت نے نہ کی ہو اس طریقہ کے مطابق غور و فکر محض ہوا اور ہوس کے تقاضے سے ہوتی ہے اور اس کا غلط طریقہ پر ہونا زیادہ ممکن ہے ایسی رائے، رائے مذموم ہے۔

ثم لا یجوز ان یکون الاجتهاد

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اجازت نہیں

مرسلا خارجا من ضبط الشرع فیجب علی المجتهد ان لا یعین وفی اجتهاده عن هذه الارکان[۱]۔

کہ شریعت کے احکام سے بے نیاز ہو کر اجتہاد کیا جائے، مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں شریعت کے احکام سے تجاوز نہ کرے یعنی بے لگام نہ ہو جائے۔

ان الرأی المذموم هو کل ما لا یکون مشبها باصل[۲]۔

یعنی رائے مذموم وہ ہے کہ شریعت کے کسی حکم کے نمونے پر نہ ہو آخر میں علامہ بیہقیؒ نے زیادیا وعلی هذا یحمل کل ما جاء فی ذم الرأی

اگر اس سلسلہ کے چند اصول ذہن میں محفوظ رہیں تو غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے اسلام کے احکام چار قسم کے ہیں (۱) وہ احکام جو ایسی نص صریح سے ثابت ہوں جن کا ثبوت بھی قطعی ہے اور اس نص کی اپنے احکام پر دلالت بھی قطعی ہے۔ ایسے تمام احکام کا اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے اور کسی مسلمان کو اس میں اجتہاد و رائے زنی کی اجازت نہیں جیسے کہ نماز کی ترکیب و فرضیت، مختلف اوقات کی فرض نمازوں کی تعداد، زکوٰۃ اور روزہ کی فرضیت و احکام حج وغیرہ۔ ان کے لئے یہ اصول طے شدہ ہے۔

لا مساغ للاجتهاد فی مورد النص۔

(۲) وہ احکام جو نص سے تو ثابت ہوتے ہیں مگر نص کے معنی میں اختلاف کی گنجائش ہے ان احکام میں اجتہاد کا موقع ہے لیکن اس اجتہاد کی حدود معین ہیں اس نص کی مختلف پہلو سے جو جو باتیں سمجھی جاتی ہیں اسی دائرہ میں اختلاف

---

[۱] الملل والنحل جز ۱ ص ۳۴۸

[۲] السنن الکبریٰ جز ۱۰ کتاب القضاء

ہوسکتا ہے نص کے مختلف پہلوؤں سے اجتہاد متجاوز نہیں ہو سکتا مثال کے طور پر (۱) خرید و فروخت کرنے والے کے خیار کا مسئلہ ہے کہ خیار گفتگو کی حد تک باقی رہے گا یا مجلس کی مدت تک دراز ہوگا۔ (ب) پورے سر کا مسح فرض ہے یا کچھ کم حصہ کا (ج) جانور ذبح کرنے والے نے عمداً بسم اللہ نہیں چھوڑی بلکہ بسم اللہ کہنا بھول گیا تو اس کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام وغیرہ وغیرہ۔

(۳) تیسری قسم کے مسائل وہ ہیں جو نص کے نہیں ہیں نہ نص قطعی کے اور نہ نص ظنی کے مگر ایک زمانہ میں ان پر خلفاء یا ائمہ مجتہدین کا اجماع ہوچکا ہو مثلاً (۱) دادی کو وراثت میں چھٹا حصہ۔ (ب) چچا کے ہوتے ہوئے پوتا محروم ہے (ج) مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے باطل ہے۔ ان مسائل میں بھی اجتہاد کا کوئی موقع نہیں ہے نہ اس کی اجازت ہے۔

(۴) مسائل کی چوتھی قسم وہ ہے جن کے لئے نہ قطعی دلیل ہے نہ ظنی اور نہ کسی زمانہ میں ان مسائل کے متعلق مجتہدین کا اتفاق کسی خاص شکل میں ہوا۔ ان مسائل پر اجتہاد کے نقطہ نظر سے شریعت کے حدود میں بحث ہو سکتی ہے۔

لیکن فی زمانہ اجتہاد کا حق کسی فرد واحد کو نہیں دیا جاسکتا خواہ یہ فرد کتنی ہی اہلیت کا مالک کیوں نہ ہو کیونکہ آزادانہ طریق پر اگر اجتہاد کا حق دے دیا جائے تو دین کے مسائل میں کوئی نظم وضبط باقی نہ رہے گا۔ بہت ممکن ہے کہ ہر شخص اپنی رائے جدا جدا قائم کرے اور اسی طرح امت میں انتشار پیدا ہو جائے اور انارکی پھیل جائے۔ یہ حق صرف ایک اہلِ علم جماعت کو دیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس جماعت میں سب ایسے لوگ ہوں جن میں اجتہاد کی اہلیت ہو اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ اجتہاد کے لئے ان مسائل کا انتخاب کیا جائے جن کا حکم شریعت میں صراحت سے نہیں ہے۔ طریقہ بھی وہی اختیار کیا جائے جس کی رہنمائی شریعت نے کی ہو

کیونکہ اس طریقہ کے اختیار کرنے سے ہم ہر قسم کی غلطی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اجتہاد کی اہلیت میں جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) یہ کہ احکام قرآنی کا پورا علم ہو مثلاً نکاح کی شرائط کا علم، میاں بیوی کے جو اوصاف قرآن نے بتلائے ہیں ان کا پورا علم ہو اور میاں بیوی کے حقوق و ذمہ داریوں اور انعقاد نکاح و اغراض نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں شریعت کے جو اصول ہیں ان پر اس کی گہری نظر ہو۔ اسی طرح وہ وراثت، بیع کی تمام آیتوں کا پورا علم رکھتا ہے کہ وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکے کہ ان سے کس درجہ کے احکام کا استنباط ہو رہا ہے۔ قرآن کے علم کے ساتھ قرآنی بصیرت و ایمانی فراست سب سے اہم شرط ہے اور یہ صرف عطیہ الٰہی ہے۔

(۲) اسی طرح سنت کا بھی بھرپور علم ہونا ضروری ہے وہ حدیث، صحیح، حسن اور ضعیف کا فرق معلوم کر سکے فن حدیث کی سند و متن کے متعلق جتنی ضروری باتیں ہیں ان سے وہ آگاہ ہو۔

علم کے ان دو چشموں کے بعد سابقہ مجتہدین کی ان مسائل میں جو رائے رہی ہو ان سے اور ان کے دلیلوں سے وہ واقف ہو۔ ان تینوں کے بعد روح شریعت نظروں سے اوجھل نہ ہو یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ قیاس و اجتہاد کی حقیقت سے واقف ہو ان کے اصول و شرائط کیا ہیں ان کا اسے علم ہو، جو شخص اجتہاد میں قدم رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ عربی ادب پر پوری نظر ہو اور عربی ادب کے متعلق جتنے علوم ہیں ان میں کافی دسترس رکھتا ہو۔ عربی ادب کا اسے ذوق بھی ہو تاکہ سلیقہ زبان سے حکم کے درجے کو سمجھ سکے۔

دینی مسائل میں اجتہاد کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کردار رکھتا ہو دینداری میں بھی مکمل ہو یعنی کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہو کسی صغیرہ گناہ پر اس کو اصرار نہ ہو۔ حق کے اظہار اور حق کے نافذ کرنے میں وہ کسی کی پرواہ نہ کرتا

ہو نہ کسی طاقت والے سے لجاتا ہو اور نہ کسی کی دولت مندی سے متاثر ہو، صرف شریعت کے حقیقی مصالح اس کے پیش نظر ہوں۔ اس قسم کی اہلیت والے افراد ہی اس قابل ہو سکتے ہیں جن کی جماعت کو اجتہاد کا حق دیا جائے۔

حضرت امام حسن بصریؒ فقیہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا پایا جانا ضروری قرار دیتے ہیں۔

(۱) دل میں دنیا کی حرص نہ ہو اس کی نشانی یہ ہے کہ فقیہ دنیا کو کسی وقت اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے۔

(۲) آخرت کی بہتری کو مطلوب و مقصود بنا کر اس کی بہتری کے لئے اپنی طاقت اور وقت و فرصت کو صرف کرے۔

(۳) ہر بات میں احکام الٰہی کا پابند ہو خصوصیت سے مسلمانوں کی حق تلفی اور آبرو ریزی سے بچتا ہو۔

(۴) دین میں بصیرت قرآنی اور فراست ایمانی ہو۔

(۵) مسلمانوں کے فائدہ کے لئے اپنے ذاتی فائدہ کو قربان کرنے میں اسے تامل نہ ہو۔ امام غزالیؒ اس میں اتنا اضافہ کرتے ہیں۔

فقیہ وہ ہے جو دنیا کے معاملات میں مخلوق کے نفع کو سمجھنے والا ہو۔ (فقیہاً فی مصالح الخلق فی الدنیا)

آخر میں وہ باتیں تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں جن سے بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ قرآن نے ان باتوں سے روکا ہے ہم ان سب کو علیحدہ علیحدہ لکھ کر ان کے صحیح مفہوم کو واضح کرتے ہیں اس طرح جن احادیث و اقوال صحابہؓ سے اس قیاس کی ممانعت سمجھی جاتی ہے ان کو بھی نقل کر کے واضح مطلب بتاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ فقہاء کو اجتہاد میں جن قیاسات سے واسطہ پڑتا ہے جس قیاس کو

وہ دینی ضرورت تبلاتے ہیں، اس قیاس سے نہ قرآن میں روکا گیا ہے نہ سنت ہی میں اس کی ممانعت ہے۔ بلکہ شریعت نے اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

(۱) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (۱) اے ایمان والو اللہ سے اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

لیکن قیاس میں تو یہی ہوتا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم جانتے نہیں اور آگے بڑھ کر ایک حکم لگا دیتے ہیں۔

اس آیت سے قیاس کی صریح ممانعت پر دلیل لانا صحیح نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس خیال پر مبنی ہے کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ کسی معاملہ کے متعلق اللہ یا رسولؐ کا حکم موجود ہے اس کو چھوڑ کر دوسرا حکم قیاس سے لگایا گیا ہے یہ بات بالکل غلط ہے مسلمان پر ایک تہمت ہے جہاں حکم موجود ہوتا ہے وہاں کوئی مسلمان قیاس کرتا ہی نہیں۔ قیاس تو ان ہی مسائل میں کیا جاتا ہے کہ جہاں اللہ اور رسولؐ کا حکم موجود نہیں ہوتا۔ پچھلی عبارتوں میں آپ پڑھ چکے ہیں" مالا نص فیہ"، اور جہاں اللہ کی نص موجود ہو وہاں کون قیاس کرتا ہے قیاس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کا اتباع مقصود ہوتا ہے جو حکم ایک جگہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا اتباع مقصود ہوتا ہے جو حکم ایک جگہ اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے قیاس اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ حکم اس دوسری جگہ بھی جاری ہونا چاہئے۔ بلکہ اللہ اور رسولؐ کا جو حکم پہلے سے معلوم ہے اس کو جن مواقع پر جاری ہونا چاہیے اور اب تک وہاں جاری نہیں ہوا ہے وہاں اب اجتہاد کے ذریعہ جاری کیا جاتا ہے۔ قیاس میں ایسا نہیں کیا جاتا کہ اللہ اور رسول نے جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی کی جائے۔

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (مائدہ ۴۹) تم تنزیل الٰہی کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرو اور جو تنزیل الٰہی کے مطابق فیصلہ

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ

هم الكافرون وَهُمُ الظَّالِمُوْنَ ... نہیں کرتے وہ کافر، ظالم اور فاسق
وهم الفاسقون (مائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷) ہیں۔

ان آیتوں میں بھی وہی بحث ہے کہ جو شخص شرعی اجتہاد کو اختیار کرتا ہے تو وہ ما انزل اللہ پر عمل پیرا ہوتا ہے قیاس سے واقعہ مسکوت عنہا کا حکم معلوم ہوجاتا ہے تو وہ ما انزل اللہ کا حکم ہوا۔ وہ ما انزل اللہ کا فرماں بردار ہے وہ ما انزل اللہ کا نافرمان نہیں ان تینوں وعیدوں کا تعلق نافرمانوں سے ہے جس طرح سے یہ آیت ہے تو یہ بھی قرآن ہی میں ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰكَ اللّٰهُ (سورہ نساء) — ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب حق تاکہ آپ لوگوں میں احکامات جاری کریں۔

(۴) اسی طرح "ما فرطنا فی الکتاب من شیئ" سے یہ استدلال ہے کہ ہر چیز کا حکم قرآن میں موجود ہے صحیح نہیں۔ یہاں کتاب سے قرآن مراد نہیں بلکہ لوح محفوظ مراد ہے کیونکہ پوری آیت یہ ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتٰب من شیئ۔

(۵) اسی طرح ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ میں بھی کتاب سے مراد قرآن نہیں ہے بلکہ لوح محفوظ ہی مراد ہے کیونکہ پوری آیت یوں ہے۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمٰت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین

ان دونوں آیتوں میں کتاب مبین سے مراد قرآن شریف نہیں ہے۔ بلکہ علم الٰہی، لوح محفوظ مراد ہے۔ جس طریقہ سے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ

رزقہا ویعلم مستقرہا ومستودعہا کل فی کتاب مبین میں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۶) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے جو جو باتیں بھی سمجھی جاتی ہیں خواہ وہ (۱) صریح احکام ہے (۲) خواہ شریعت کے اصول کلی سے (۳) یا استنباط کے ان طریقوں سے جن کی طرف قرآن نے رہنمائی کی ہو ان سب کے مجموعہ کو محتویات قرآنی کہیں گے یعنی قرآن اپنے ان تمام محتویات کے ذریعہ بیان ہے اس کے صرف واضح احکام یا اس کے صرف اصول کلی ہی بیان ہوں اس کا دعویٰ قرآن میں نہیں ہے۔

علامہ شاطبیؒ نے اس تفسیر کو واضح الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔

منہ یستمد الدین بقاعدۃ یحتاج الیہا فی الضروریات[1] والحاجیات والتکمیلات الادرتیہ بجنت — خواہ انسان کے لئے ناگزیر ضروری امور ہوں یا ان کے ضروریات میں سہولت پیدا کرنے والی یا انسان کی ضروریات کی

---

[1] شریعت نے انسان کو اپنی ناگزیر ضرورتوں کے پورا کرنے کی صرف اجازت ہی نہ دی بلکہ انہیں پورا پورا حق دیا ہے کہ وہ اپنی ضرورتیں پوری کریں بلکہ شریعت کی شفقت اس سے زیادہ وسیع ہے ناگزیر ضرورتوں میں جو باتیں آسانی پیدا کرتی ہیں اور ان سے اس میں مدد ملتی ہے اس نے ان کے اختیار کرنے کی بھی راہ کھول دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ شفقت آپ ملاحظہ فرمائیں کہ انسان کے حسن وخوبی میں جو باتیں بدہیئتی پیدا کرتی ہیں ان کو دور کرنے کا حکم دیا ہے اور انسانیت کا کمال جن کا متقاضی ہے شریعت نے نہ صرف ان اعمال کی اجازت دی ہے بلکہ ان کا حکم دیا ہے اور ان کا شوق اور ان کی رغبت دلائی ہے ناگزیر ضرورتیں وہ ہیں جو انسان کی زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غلبة البيان بتعميق تنزيل الجزئيات على تلك الكليات موكولا الى نظر المجتهد فان

تکمیل میں جن چیزوں سے حسن و خوبی پیدا ہوتی ہے (تکمیلات تحسینات) ان میں سے ہر ایک کا قاعدہ واضح طریقہ سے بیان کر دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یعنی ان میں سے کسی بات سے بے توجہی برتی جائے یا اس میں سے کسی کا حق ادا نہ کیا جائے تو انسانیت کا نظم و ضبط قائم نہیں رہ سکتا بلکہ انسانیت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔

انسانی حاجتوں سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنے طبعی و شرعی ذمہ داریوں کے عہدہ برآ ہونے اور ان کے انجام دینے سے بسا اوقات دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو جن باتوں سے طبعی و شرعی کاموں میں سہولت و آسانی ہو وہ بھی انسان کی حاجتوں ہی کی فہرست میں شریک کر لی گئی ہیں۔ مثلاً سفر میں زیادہ رکعتیں دشوار ہوتی ہیں تو سنت و نفل معاف ہو جاتی ہیں، چار رکعت والی نماز نصف کر دی جاتی ہے۔ پانی کے استعمال میں دشواری ہو تو تیمم کی اجازت ہو جاتی ہے۔ پہلی باتوں کا نام ضروریات رکھ دیا ہے تو ان کا نام احتیاجات تجویز کر دیجئے۔

جو باتیں انسان کی بدہیئتی و گندگی کو دور کر کے اعتدال پہ لے آئیں اور اس میں پاکیزگی و طہارت و حسن و جمال پیدا کر دیں یا انسان کی شرافت و کمال کو بلند کر دیں ان کو فضائل و کمالات کا نام دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کے احکام میں اپنے علم وسیع اور حکمت تامہ سے ان سب باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے مگر اس کی آزادی نہیں دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنی طرف سے ضروریات یا احتیاج یا شرافت قرار دے دے تو اس پر ہم خود اپنی طرف سے شریعت کے احکام سے بے پرواہ ہو کر جو چاہے کرنے لگیں۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم۔ ان باتوں کے فیصلے کے لئے بڑے علم و بڑے کردار کی ضرورت ہے۔

قاعدة الاجتهاد ايضا ثابتة في الكتاب والسنة فلابد من اعمالها ولا يسع تركها واذا ثبت في الشريعة اشعر بان ثم مجالا للاجتهاد ولا يوجد ذلك الا في ما لا نص فيه (الاعتصام)

گیا ہے ہاں خاص خاص واقعوں کو ان اصول کلی کے تحت میں مندرج کرنے کا کام رہ جاتا ہے یہ مجتہد کے سپرد ہے کیونکہ اجتہاد بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے تو پھر اس سے کام لینا ہے اس کو ہم چھوڑ نہیں سکتے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

انسان کی پانچ ضروریات ہیں (۱) دین (۲) نفس (ذات انسانی) (۳) نسب و عزت (۴) عقل اور (۵) مال۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں کا وجود و بقا انسان کے لئے ضروری بنایا ہے۔ ان میں سے اگر کسی ایک پر بھی حملہ کیا جائے تو انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کے لئے اپنے کو بھی خطرہ میں ڈال دے یہ کمال انسانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے قیام و حفاظت کے لئے لا الہ الا اللہ کی دعوت اور اس پر استقامت اور صرف اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی الوہیت و ربوبیت اور حاکمیت و مالکیت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ان میں سے کسی بات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو شریک کیا جائے تو اسے ناقابل معافی گناہ قرار دیا اسی طرح اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان کی تاکید فرمائی ہے دین ہی کی حفاظت کے لئے عبادتوں کے اصول بتائے اور پابندی لازمی قرار دی ہے جو کوئی بھی اپنے قول و عمل سے دین و شریعت کی توہین کرتا ہے اس کو مستحق سزا قرار دیا ہے۔

عقل صحیح و سالم رکھنے کے لئے اور خلل دماغ سے بچانے کے لئے ہر قسم کا نشہ حرام کیا خواہ وہ نشہ آور چیز سیال ہو یا غیر سیال۔ اسی طرح جو چیزیں انسان کو بے خود بناتی ہیں یا بے حس و بے ہوش کر دیتی ہیں اور ان کے استعمال کی کوئی ضرورت داعی نہ ہو ان کا استعمال

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(٧) اور آیت :-

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اس چیز کے پیچھے نہ پڑ جس کا تمہیں علم نہ ہو۔
(پ ١٥ - سورہ ١٧ آیت ٣٦)

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بھی حرام ٹھہرا دیا گیا۔

کسب مال اور اس کے تحفظ کے لئے عمل اور جدوجہد کا حکم دے دیا گیا ہے دوسرے پر بار بننے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ مال کے حاصل کرنے میں ناجائز ذریعوں کو اختیار کرنے سے روکا گیا ہے مال کی حفاظت کے سلسلے میں چور کے لئے حد مقرر کی گئی ہے۔ غاصب کے لئے سزا تجویز فرمائی گئی ہے خود اپنا مال تلف کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اگر کوئی دوسرے کا مال تلف کر دے اس کی تلافی کے لئے بدل ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اشیاء کے تبادلہ میں باہمی رضامندی ضروری قرار دی گئی عزت کے تحفظ کے لئے شادی بیاہ کی ترغیب دی۔ نکاح و طلاق کے قانون کے ساتھ اس میلان صنفی کے جذبہ کی بے راہ روی یعنی زنا اور ہر قسم کی بدکاری کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں حتی کہ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کو بھی قابل سزا قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ بے حیائی پھیلانے پر عذاب الیم کی دھمکی دی گئی ہے۔

(٢) احتیاجی امور وہ ہیں کہ جن سے انسانی زندگانی کی راہیں آسان اور سہل تر ہو جاتی ہیں اور جن کے بغیر انسان طرح طرح کی دشواریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے چنانچہ معاملات اور باہمی تبادلہ کے اصول و طریقے بنائے گئے ہیں۔ سفر و مرض خطا و نسیان اور جبر و اکراہ کی حالت میں عبادتوں کے احکام سہل کئے گئے۔ سلم و عاریت، مزارعت و مساقاۃ کے احکام بتلائے ان سب کا مقصد باہمی معاملات میں آسانی اور سہولت بخشنا ہے اس لئے اجیر مشترک کو ضامن قرار دیا گیا، شکار جائز کیا گیا۔ اہل خاندان یا اہل پیشہ یا اہل محلہ پر دیت کی ذمہ داری عاید کی گئی ہے، مچھلی بغیر ذبح کے حلال کر دی گئی ہے۔ دوسری امتوں کے لئے لازمی تھا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو یہ آیت عقیدہ کے متعلق یہ ہدایت دیتی ہے عملی احکام اس کے دائرہ حکم میں داخل نہیں اس طریقہ سے وہ تمام آیتیں جن میں ظن کی پیروی سے روکا گیا ہے جیسے "وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا" ان سب کا تعلق عقیدے سے ہے کیونکہ عقیدہ کی بنیاد علم ہوا کرتا ہے۔ رہے شریعت کے "عملی احکام" تو یہ متفق علیہ امر ہے کہ ظن پر ان کی بنیاد ہوتی ہے اگر عملی احکام کے لئے علم کو بنیاد بنایا جائے تو عمل کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے وہ کثرت سے ایسی حدیثیں ہیں جن کو محدثین اپنی اصطلاح میں آحاد کہتے ہیں اس کے متعلق محدثین کا یہ فیصلہ

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہ وہ خاص عبادت خانہ ہی میں عبادت ادا کریں عبادت گاہ سے باہر عبادت نہیں کی جا سکتی تھی۔ امت مسلمہ کے لئے نماز ادا کرنے کے لئے کوئی خاص جگہ یا مقام کی شرط نہیں ہے چنانچہ ہر اس خطہ زمین پر نماز ادا کرنے کی اجازت ہے جہاں کوئی روک ٹوک مالک کی طرف سے نہ ہو اور ہر جگہ کی خاک پاک اور لائق تیمم ہے تیمم کے احکام کے بعد فرمایا مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ۔ حالت مرض سفر میں جب روزہ کی قضا کے احکام دیئے گئے تو ساتھ ہی فرمایا یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ ع ٢٣) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سہولت پیدا کرتا ہے تمہیں دشواریوں میں نہیں ڈالتا۔ نکاح کے احکام کے ساتھ فرمایا ہے۔ (نساء ع ٥) اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ تمہاری ذمہ داریوں کو ہلکا کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

(٣) تہذیب و شائستگی کی جو باتیں ہیں ان میں غذا کی پاکیزگی بدن، لباس اور مکان کی صفائی چہرہ و مکان کی زینت اور فضل و کمال کی وہ تمام باتیں داخل ہیں جن سے انسان مہذب و شائستہ سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح صورت و شکل، وضع و لباس کی بدہیئتی کو دور کرنا شائستگی میں داخل ہے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ صحت تسلیم کرنے کے بعد ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یقینی علم نہیں ہوتا اس کا درجہ علم ظنی سے آگے نہیں بڑھتا بلکہ قرآن کی ہر نص کی دلالت قطعی ہو ایسا بھی نہیں ہے۔ اگر عمل کے لئے یہی شرط لگادی جائے کہ وہ نص قطعی ثبوت ہو تو اعمال کا دائرہ بہت تنگ ہو جائے گا اور شریعت کے احکام بہت محدود ہو جائیں گے۔ جن قرآنی آیات کی تفسیر ابھی گذری اس کی تائید میں بعض صحابہ کرامؓ کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان میں رائے پر عمل پیرا ہونے کی ممانعت ہے اور رائے سے فتویٰ دینے پر ملامت ہے جیسے (۱) حضرت ابوبکرؓ کا فرمانا أيُّ سماءٍ تظلُّني وأيُّ ارضٍ تقلني اذا قلت في كتاب الله برأيي (لفظ رائے) کے معنی کے متعلق ہے جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) حضرت عمرؓ کا فرمانا۔

ایاکم واصحاب الرأی فانهم اعداء السنن اعیتهم الاحادیث ان یحفظوها فقالوا بالرأی فضلوا واضلوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معاشرہ میں اس سے انسان عزت سے دیکھا جاتا ہے اسی طرح مکارم اخلاق، محاسن آداب یہ تمام باتیں انسان کے جمال و کمال کا سبب بنتی ہیں۔ طہارت اور ستر عورت پردہ کے احکام کا تعلق شائستگی ہی سے ہے معاملات میں میانہ روی خرچ میں تنگ نظری اور اسراف و تبذیر میں اعتدال اسی سلسلے کی چیزیں ہیں جہاد میں بچوں عورتوں اور راہبوں کے قتل یا دشمن کے مثلہ کرنے کی ممانعت شائستگی ہی میں داخل ہے۔ ماخوذ از فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد للامام البخاری۔

حضرت عمرؓ کا فرمانا ایاکم والمکایلة آپ سے پوچھا گیا وما المکایلة تو آپ نے فرمایا المقایسة۔

(۳) حضرت علیؓ کا فرمانا۔ لو کان الدین بالرأی لکان باطن الخف اولی بالمسح من ظاهره۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فرمانا السنة سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجعلوا الرأی سنة ان ہی عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے ان قوما یفتون بآرائهم لو نزل القرآن لنزل بخلاف ما یفتون۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت سے قول جو ان کے متعدد شاگردوں نے نقل کئے ہیں یا ایک ہی دو قول ہیں جن کو ہر شاگرد نے مختلف تعبیروں سے ادا کیا ہے مثلاً۔ اذا قلتم فی دینکم بالقیاس احللتم کثیرا مما حرمه الله وحرمتم کثیرا مما احله الله۔ ان سب میں اس رائے کی ممانعت ہے کہ جس کے مقابل میں شریعت کا حکم موجود ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وان احکم بینهم بما انزل الله اور ان کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو۔

یہ نہیں فرمایا کہ اپنی رائے سے فیصلہ کرو۔ اگر رائے سے فیصلہ کی اجازت ہوتی تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت ہوتی تو عرض یہ ہے کہ قرآن ہی میں اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا (نساء پ ۵ ع ۱۲) جس میں رائے سے کام لینے کی طرف اشارہ ہے۔

(۷) ان ہی عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے۔ اتهموا الرأی علی الدین فانه

منا تکلف وظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

یہ ان ہی مواقع کے لیے ہے جہاں کوئی اثر عمل پر نہیں پڑتا۔ ورنہ انسان ضرورت وحاجت کے موقع پر کام کرنے سے پہلے کوئی ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہے وہاں تکلف کا کیا سوال۔ اول تو ان تمام اقوال کی صحت تسلیم نہیں حضرت عمرؓ کی طرف جو اقوال منسوب ہیں اس کے الفاظ اس زمانہ میں ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتے تھے جو بعد والے زمانہ میں مستعمل ہونے لگے اور اگر ان سب اقوال کی نسبت ان صحابہؓ سے صحیح بھی تسلیم کی جائے پھر بھی یہ بات ضروری ہے کہ ان اقوال سے وہ معنی لیے جائیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل کے خلاف نہ ہوں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کرام نے کثرت سے اجتہاد وقیاس سے کام لیا۔ اگر ہر قیاس اور ہر اجتہاد برا کام ہوتا تو یہ کبار صحابہؓ کیوں اجتہاد فرماتے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کے جواب پر شکر کیوں بھیجتے۔ شکر تو کسی بات پر مسرور ہو کر بلکہ نہایت مسرور ہو کر ہی ادا کیا جاتا ہے یہ اس کا ثبوت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کے اس جواب پر کہ "میں حتی الامکان اجتہاد میں پوری سعی صرف کروں گا" خوش ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کو نہایت پسندیدہ امر قرار دیا۔ پس صحیح فیصلہ یہ ہے کہ قیاس کے متعلق جو آثار نقل کیے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں خصوصیت سے وہ آثار جس میں عہد صحابہؓ کے بعد کی اصطلاحیں پائی جاتی ہیں اور جو آثار صحیح ہیں (۱) تو ان کا تعلق عمل سے نہیں۔ صحابہؓ غیر عملی باتوں کو اتنی اہمیت ہی نہیں دیتے تھے کہ ان کے حل کے لئے قیاس اور اجتہاد کرنا ضروری سمجھتے یا (۲) اس قیاس کی برائی کی گئی ہے جو شریعت کے خلاف ہے جیسے حضرت علیؓ کا موزوں پر مسح کے متعلق فرمانا کہ حکم ہے کہ موزوں کے اوپر کے حصّہ کو مسح

کیا جائے۔ قیاس چاہتا ہے کہ موزوں کے نیچے حصّے کا مسح کیا جائے تو شریعت کے خلاف جو بھی حکم ہوگا وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا جس طریقہ سے شیطان نے آدم علیہ السلام کے سجدے کے حکم کے مقابلہ میں اللہ کے حکم کو غلط بتلایا اور اللہ تعالےٰ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کے صحیح ہونے کا صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ دلیل پیش کی کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور میں آگ سے اور اپنے قیاس واجتہاد سے یہ دعویٰ کیا کہ آگ سے پیدا شدہ افضل ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کو غلط بتلانا اور اپنی رائے کو اللہ تعالےٰ کے مقابلہ میں صحیح بتلانا قابلِ لعنت فعل ہے۔ اس طرح ہر وہ قیاس واجتہاد غلط ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مقابلہ میں ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سنتوں کے یاد کرنے سے وہ عاجز رہے۔ یہ قول اس کا ثبوت ہے کہ اس موقع پر سنت کے احکام موجود ہیں مگر وہ لوگ سنتوں کا علم حاصل نہیں کرتے ایسے لاعلم (جاہل) لوگوں کو دین میں قیاس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں جن لوگوں کو قرآن وحدیث کا کافی علم ہو اور مجتہدین کے مسائل سے واقفیت ہو اس کے ساتھ علوم عربیہ میں کافی دسترس ہو۔ علاوہ ازیں وہ تقویٰ، عبادت وکردار کے بلند معیار پر ہوں صرف ان ہی کو قیاس واجتہاد کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اقوال بتلاتے ہیں کہ جن موقعوں کے اللہ تعالےٰ جل شانہ، نے حلت وحرمت کے احکام نازل فرما دیے ہیں ان کے بارے میں تو قیاس یقیناً حرام ہے خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت سے ثابت شدہ احکام سے بے پرواہ ہو کر جو رائے صرف طبعی ذہانت کی بناء پر قائم کی جائے یا جن سے شریعت کے ثابت شدہ احکام بدل جائیں یا دنیا کے نفع یا تن آسانی

اور عمل کی سہولت کو پیشِ نظر رکھ کر پہلے رائے قائم کر لی جائے بعد میں تلاش کیا جائے کہ شریعت کی کس دلیل سے اس کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے تو ایسی رائے کی بنیاد نفسانی ہوا پر تصور کی جائے گی اور اس قسم کی رائیں نہ صرف ناجائز ہیں بلکہ لائق صد ہزار ملامت ہیں۔ یہ بھی تجربہ ہے کہ فروعی مسائل میں فقہا کے اختلاف سے دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ فروعی مسائل میں گو ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھتے ہیں مگر بنیادی امور میں تمام آئمہ اہل سنت والجماعت متفق ہیں اور اس اختلاف کی بنیاد مصلحت کے اندازے کے اختلاف پر ہوتی ہے انسانی عقل کے تفاوت کی وجہ سے مصالح کا اندازہ لگانے میں فقہا میں اتفاق ہونا مشکل ہے اس لئے ان میں اتفاق نہ ہو سکا اور وہ بھی جزئی مسائل میں جن سے بعض وقت اس اختلاف کی وجہ سے پریشان آدمی کو کچھ سہولت مل جاتی ہے تو یہ اختلاف باعث رحمت بن جاتا ہے۔

لقد نفع اللہ باختلاف اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اعمالھم لا یعمل العامل بعمل رجل منھم الا رأی انہ فی سعۃ منہ ورأی ان خیرا منہ قد عملہ (الواقعات ج ۳ ص ۵۱)

عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ کا حصہ اول ختم ہوا۔ دوسرے حصہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تمام مسائل فتاوی ہیں جو منتظر اشاعت ہیں۔

حرف آخر

دینیات کا ایک معمولی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ امام شافعیؒ نے قیام مصر کے دوران ایسے فتوے صادر فرمائے تھے جو ان کے یمن میں قیام کے دوران صادر کردہ فتووں سے بہت مختلف تھے۔ امام صاحب کے بعض تلامذہ نے ان سے استفسار کیا کہ کیا انھوں نے اپنے پہلے فتووں سے رجوع کر لیا ہے! امام صاحب نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اُنھوں نے اُن فتووں سے رجوع نہیں کیا البتہ فتوے صادر کرتے وقت مصر کے حالات کو مدنظر رکھا ہے۔ اس سے قبل اُنھوں نے جو فتوے صادر فرمائے تھے وہ یمن کے حالات کے مطابق تھے اور اب جو فتوے صادر کئے ہیں وہ مصر کے حالات کے مطابق ہیں۔ اس سے ایک عامی بھی نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ حالات اور زمانہ کے بدلنے سے فقہی مسائل بھی بدل جاتے ہیں۔

حبیبِ مکرم مولانا محمد تقی امینی، ناظم سُنّی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ایک فاضلانہ مضمون کئی ماہ تک ماہنامہ برہان دہلی میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ بعد ازاں یہی مضمون لاہور سے۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ انھوں نے مستند روایات اور تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ حالات اور زمانہ کے بدلنے سے فقہی مسائل بھی بدل جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب فتوحات کا دور شروع ہوا اور متعدد اقوام، جو صدیوں سے اپنی اپنی ڈگر پہ گامزن تھیں، دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں تو ایسے بے شمار مسائل سے سابقہ پڑا جن کی نظیر عہدِ رسالت میں نہیں ملتی تھی، اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے اکابر صحابہؓ اور خود حضرت عمرؓ میدان میں نکلے اور انھوں نے اجماع اور اجتہاد سے ان تمام مسائل کا حل تلاش کیا جس کی اس وقت مسلم معاشرے کو ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ کے اجتہادات پہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ہم یہاں ان کے چند خاص اجتہادات بیان کرنے پہ ہی اکتفا کرتے ہیں۔

١۔ عہدِ رسالت اور خلافت صدیقی میں شعراء قصائد کی تشبیب میں عورتوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ حکم جاری کیا کہ آئندہ اگر کوئی شاعر اپنے اشعار میں عورتوں کا ذکر کرے گا۔ تو اُسے دُرّے لگائے جائیں گے۔

٢۔ حضرت عمرؓ نے شعراء کو ہجویہ اشعار پڑھنے سے روک دیا حالانکہ عہدِ رسالت میں شعراء کو اس کی اجازت تھی اور خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابتؓ کو جوابی ہجو کہنے کی اجازت دی تھی۔

٣۔ عہدِ رسالت اور خلافت صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت پہ کوئی پابندی نہ تھی، حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے اس پہ پابندی عائد کر دی۔

٤۔ اسلامی قانون میں چوری کی حد قطع ید ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے دوران یہ حد معطل کر دی تھی۔

٥۔ عہدِ رسالت میں مفتوحہ زمین مجاہدین میں تقسیم کی جاتی تھی، حضرت عمرؓ کے

عہدِ خلافت میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ تو انھوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر مفتوحہ زمین مجاہدین میں بانٹ دی گئی تو وہ کاشتکار بن کر رہ جائیں گے اور اس طرح فتوحات کا سلسلہ رک جائے گا۔ اسی بنا پہ انھوں نے مجاہدین میں زمین تقسیم کرنے کا طریقہ ختم کر دیا۔

٦۔ عہدِ رسالت اور خلافت صدیقی میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، حضرت عمرؓ نے ان پر بھی زکوٰۃ لگا دی۔

٧۔ نصِ قرآن کی رُو سے مؤلفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کے حقدار ہیں اور عہدِ رسالت میں انہیں بھی زکوٰۃ دی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کا حصہ ساقط کر دیا۔ لوگوں کے استفسار پہ آپ نے فرمایا کہ انہیں اس وقت زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا تھا جب اسلام کمزور تھا اور ہمیں ان کی حمایت کی ضرورت تھی، اب اسلامی حکومت اتنی مضبوط ہو گئی ہے کہ ہمیں ان کے تالیفِ قلب کی ضرورت نہیں۔

٨۔ عہدِ رسالت میں ہر قیدی کا یکساں فدیہ تھا، حضرت عمرؓ نے مختلف علاقوں کے قیدیوں کے لئے مختلف شرحیں مقرر کیں۔

٩۔ قرآن کی رُو سے زنِ کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس کی ممانعت کر دی۔ اس کی توضیح آپ نے یہ کی کہ اگر عرب اسی طرح کتابیہ عورتوں سے نکاح کرتے رہے تو پھر شرفائے عرب کی بیٹیوں سے کون نکاح کرے گا۔

١٠۔ حلالہ کرنے والوں کے لئے عہدِ رسالت اور خلافتِ صدیقی میں کوئی سزا نہ تھی، حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے محلل کے لئے رجم کا حکم صادر فرمایا۔

١١۔ عہدِ رسالت اور خلافتِ صدیقی میں بیس رکعت تراویح جماعت کیساتھ

پڑھنے کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے باجماعت تراویح کا دستور نافذ کیا جو آج تک مروج ہے۔

۱۲۔ زرعی پیداوار پر خراج کی شرح مقرر نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے خراج کی شرح مقرر کی۔

۱۳۔ عربوں کے غلام بنانے پر کوئی پابندی نہ تھی، حضرت عمرؓ نے یہ اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

حضرت عثمان غنیؓ بھی اپنے دورِ خلافت میں اجتہاد سے کام لیتے رہے، حضرت عمرؓ کے عہدِ معدلت تک نمازِ جمعہ کے لئے ایک ہی بار اذان ہوا کرتی تھی، حضرت عثمانؓ نے خطبہ سے پہلے دوسری اذان کا حکم دیا۔ اہلِ سنت آج تک حضرت عثمانؓ کے طریقے پر کاربند ہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی اجتہاد سے کام لیا، اور حضرت عمرؓ کے جاری کردہ قوانین کو برقرار رکھا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد فقہا نے اجتہاد اور قیاس کی بنا پر ہزارہا مسائل کا حل تلاش کیا، اور ایک عامی کے لئے شریعت کے تقاضوں کے مطابق روزمرہ کی زندگی کو آسان بنا دیا۔

مندرجہ بالا مثالوں کو سامنے رکھ کر غور فرمایئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی قوانینِ شریعت میں تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کی گئی اور مسلم معاشرے کو درپیش مسائل کے حل کے لئے صحابہؓ کبار کو اجتہاد سے کام لینا پڑا۔ شرعی قوانین میں جن تبدیلیوں کا ذکر ہم نے کیا ہے ان کی ضرورت سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے چند سال بعد ہی ناگزیر ہو گئی تھی۔ کیا اب چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد قوانینِ شریعت میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا اب مسلم معاشرے کو کوئی اہم مسائل درپیش نہیں ہیں؟ آج

ہماری زندگی کے بے شمار ایسے گوشے ہیں جو فقہی قوانین کا از سرِ نو جائزہ لینے اور عہدِ حاضر کے تقاضوں مطابق فقہ کی تدوینِ جدید کا تقاضا کر رہے ہیں۔

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ فقہ اسلامی کے بیش بہا ذخیرے کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق از سرِ نو مدون کیا جائے اور اس سلسلے میں ان کی خط و کتابت مولانا محمد انور شاہ الکشمیریؒ سے شروع ہو چکی تھی، لیکن علامہ صاحب کی طویل علالت اور حضرت شاہ صاحبؒ کی بے وقت موت سے یہ عظیم منصوبہ درمیان ہی میں رہ گیا، اگر کبھی یہ منصوبہ مکمل ہو جاتا تو حضرت شاہ صاحب کا شمار امتِ مسلمہ کے عظیم محسنین اور مجددین میں ہوتا۔ ہماری دانست میں جو شخص بھی اس کام کو سرانجام دے گا وہ مجدد مائۃ حاضر ہو گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

محترمہ مسز حنیفہ رمنی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر تحقیق کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچی ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ اب ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آئندہ مسلمانوں کو کوئی نئے مسائل پیش نہیں آئیں گے؟ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ جب تک مسلم معاشرے میں حل طلب مسائل پیدا ہوتے رہیں گے (اور یہ ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے)، اس وقت تک اجتہاد بھی جاری رہے گا، لیکن اجتہاد میں خاصی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس معاملے میں ہم مسز رمنی سے متفق ہیں کہ فی زمانہ کسی فردِ واحد میں اتنی صلاحیت نہیں کہ اُسے اجتہاد کی اجازت دی جائے، اس لئے یہ کام ایک جماعت کے سپرد کرنا چاہیئے۔ ہم اپنی طرف سے اس میں اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اس جماعت میں سرکاری تحقیقی اداروں کے سربراہوں کی بجائے وہ لوگ شامل ہوں جن کی زندگیاں محراب و منبر کے سائے

میں گزری ہوں، بصورت دگر یہ لوگ دین میں نقب لگا دیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ہیچمیداں

محمد اسلم

زیر طبع کتابیں

سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کا ذوق موسیقی

مصنفہ

محمد اسلم

★

شاہ فتح اللہ شیرازی

مصنفہ

محمد اسلم

★

جہان آرا اور رسالہ صاحبیہ

مصنفہ

محمد اسلم

★

۱ - آئینہ ادب ، چوک مینار ، انارکلی ، لاہور

۲ - لدوۃالمصنفین ، ۹۵۰ این ، سمن آباد ، لاہور

ہماری دوسری کتابیں

★

دین الٰہی اور اس کا پس منظر

محمد اسلم

استاذ شعبہ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی

ضخامت ۲۵۶ صفحات

قیمت ۷٫۵۰ روپے

★

تاریخی مقالات

محمد اسلم

استاذ شعبہ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی

ضخامت ۲۷۸ صفحات

قیمت ۷٫۵۰ روپے

★

۱ - ندوۃ المصنفین ، ۹۵۰ - این ، سمن آباد ، لاہور
۲ - آئینہ ادب ، چوک مینار ، انارکلی ، لاہور

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردوادب، آپ بیتی، نقدوتجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com